تمدّن جولائی ۱۹۱۲ء - دسمبر ۱۹۱۲ء

(۵ پرچے)

تمدن

اُمّہات الامّہ

گذشتہ سے پیوستہ

از شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی مرحوم

برخلاف مرد کے کہ تولید تخم کی صلاحیت تک اس میں تمتع کی صلاحیت باقی رہتی ہے ساٹھا پاٹھا اور ان ہی عوارض کی وجہ سے جو اُن کو لازم ہیں عورتیں بہت جلد بوڑھی ہو جاتی ہیں وہی نسائکم حرث لکم کی مثال پیش نظر رکھو تو مردوں کی تکثیر ازواج کی مصلحت کو آسانی سے سمجھ لوگے کہ کاشتکار متعدد کھیتوں میں تخم ریزی کر کے پیداوار کو بڑھا سکتا ہے لیکن کھیت میں اوپر تلے تخم ریزی کی جائے تو عجب نہیں سب تخم ضائع جائیں کیونکہ کھیت ایک ہی تخم کی پرورش کر سکتا ہے جہاں جہاں ولادت کے رجسٹر ترتیب دیے جاتے ہیں ان سے یہ بات پائی گئی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش میں قریب قریب سینتالیس ۴۷ اڑتالیس ۴۸ اور ترپین ۵۳ باون کی نسبت ہے

امریکہ اور فرانس میں ایسا خیال کیا جارہا ہے کہ اس قباحت کا انسداد صرف تکثیر ازواج کے اسلامی قاعدے کے رواج دینے سے ممکن ہے بہرکیف بقائے نسل کے لیے مناکحت کا ہونا ضرور ہے اور مردوں کے لیے تکثیر ازواج بھی افزائش آبادی کی ایک تدبیر ہے لیکن تکثیر نامحدود بھی مناسب نہیں اسمیں بھی طرح طرح کے فسادات کا خوف ہے کم از کم کثرت عیال کا جس کا لازمی نتیجہ ہے افلاس اور سوکنوں کی ہر وقت کی دانتا کلکل کا۔ عورتیں کہا کرتی ہیں سوکن زہر کی چھُری ایک ہی بُری بہت سوکنیں ہونگی تو گھر کو ہم درین عالم است دوزخ او بنادیں گی لیکن عام طور پر تکثیر ازواج کی حد کا قرار دینا کچھ آسان کام نہیں مقنن کیسا ہی وسیع المعلومات پیش بیں اور دوراندیش کیوں نہ ہو ازدواج کے معاملے میں اتنی شخصی اور مقامی باتوں کو دخل ہے کہ سب پر احاطہ محال ہے یہ کام خدا ہی کے کرنے کا تھا اور اسی نے کیا کہ تکثیر ازواج کو چار تک محدود کردیا اور اُس کی مصلحتوں کو بھی وہی خوب جانتا ہے ہم سے چار کی وجہ تخصیص پوچھو تو ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے دیکھنے میں تو چار کے عدد میں نسل کے بڑھانے کے ساتھ عورتوں کے حق کی رعایت بھی کماینبغی ملحوظ ہے اور زناشوئی کے تعلق میں یہی دو باتیں خیال کرنے کی تھیں مطلب ہے ذرا پیچیدہ لہٰذا ناظرین کے سمجھانے کے لیے ہم اسکو پھر صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ دنیا کے حالات پر نظر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین جس طرح پر موالید ثلثہ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات سے آباد ہے خدا کو منظور ہے کہ وقت موعود قیامت تک اسیطرح آباد رہے قیامت کب آئے گی اور کیونکر آئے گی یہ مقام اس بحث کے چھیڑنے کا نہیں ہے مگر کبھی نہ کبھی تو آئے گی یہ خدا کا وعدہ ہے اور اس کا وعدہ پورا ہوکر

رہے گا۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔ قیامت کا وقت خدا نے کسی کو نہیں
بتایا۔ اور کوئی اسکو جان نہیں سکتا اچھا پھر خدا زمین کا اسی طرح موالید
ثلثہ سے آباد رہنا ہی چاہتا ہے اور موالید ثلثہ ہیں۔ کہ ان کی حالت میں
تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ اور نباتات اور حیوانات میں بڑا تغیر مرنیکا ہی
جسکو قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو خدا نے زمین کے آباد رہنے کا یہ انتظام
کیا کہ جو چیزیں فنا ہونے والی ہیں ان کو اپنا جانشین پیدا کرنے کی استعداد
عطا فرمائی درخت ہیں کہ بیج پیدا کرتے ہیں اور بیج آخر کو ویسا ہی درخت
بن جاتا ہے حیوانات نر و مادہ مل کر جانشین پیدا کرتے ہیں ذکور و اناث
دونوں قسم کے ایک دو نہیں کئی کئی اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مردم شماری
برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے خدا نے اپنے علم میں بنی آدم کا ایک مجموعہ
قرار دے رکھا ہے جب کثرۃ تولید سے مجموعہ مقدار مقرر سے بڑھتا
ہے طاعون یا قحط سے گھٹا کر اسکو حد کے اندر لے آتے ہیں غرض زنا
شوئی کے تعلق سے دو غرضیں متعلق ہیں۔ تکثیر نسل اور مرد و زن دونوں کے
تمتع کا پاس عورتوں کے تمتع کا پاس حقیقت میں مردوں کی تکثیر بے جا کی روک
ہے اور اسی لیے ایجاب و قبول کو شرط نکاح قرار دیا گیا ہے ایجاب و
قبول کے معنے ہیں فریقین کی رضامندی جو زن و شوہر بننے والے ہیں
پہلی تو نہیں مگر دوسری منکوحہ تکثیر کو روک سکتی ہے کہ نکاح سے رضامند
نہ ہو۔ پس ہر تعدد میں مابعد کی عورۃ مرد سے بڑھکر ملزم ہے کہ وہ نادانی
سے اپنا حق تمتع چھوڑنے کے علاوہ اپنی بہن پچھلی منکوحہ کے اتلاف
حق کی باعث ہوئی با ایں ہمہ مرد بھی الزام سے بری نہیں کیونکہ گو عورۃ
کی رضامندی کو زور دینے کے لیے ایجاب عورۃ کی طرف سے ہوتا ہے

مگر نکاح کی تحریک برعکس موضوع ہمیشہ مرد کیطرف سے ہوتی ہے اسلامی شریعۃ نے جو مردوں کو وقت واحد میں چار بیبیوں کے جمع کرنے کی اجازہ دی ہے ہم نے اس اجازۃ کی نسبتہ کہا کہ اس میں نسل کے بڑھانے کے ساتھہ عورتوں کے حق کی رعایتہ بھی کما ینبغی ملحوظ ہے یہ بات ہم نے اس سے اخذ کی ہے کہ ایک حمل کی حالت میں حمل اور ارضاع اور دوسرے عوارض ملاکر غالباً عورۃ کے چار برس ایسے گذرتے ہیں کہ اس عرصہ میں اس کو بالطبع توالد وتناسل کی قوۃ سے متمتع ہونے کی خواہش نہیں ہوتی اور صحیح رغبتہ کے بدون تمتع از روے طب سخت مضر ہے پس عورۃ کی اپنی اور اسکی اولاد کی توانائی اور تندرستی اسی کی متقاضی ہے کہ وہ ان اوقات میں مرد کو مقاربتہ کا موقعہ نہ دے اور وہ بدون اس کے ہو نہیں سکتا کہ مرد کے پاس متعدد عورتیں ہوں لیکن عورتیں اس لم کو تو سمجھتی نہیں - ناحق تعدد ازدواج کی اجازت کو جو اسلامی شریعۃ نے مردوں کو دی ہے اپنے حق میں ظلم اور بے انصافی خیال کرتی ہیں۔ نسل آدم کا بڑھانا ایک اعتبار سے حق اللہ ہی- اس لیے کہ دنیا کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا بھی چاہتا ہے کہ آدم کی اولاد پھولے پھلے جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ تعدد ازدواج سے تکثیر نسل کا ایک مطلب تو حاصل ہوتا ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں کی توانائی اور تندرستی کے لحاظ سے چار تک ان کا حق تمتع بھی محفوظ ہے مگر چونکہ مردونکا ہر پہلو سے اعتدال سے قائم رہنا عادۃً محال ہے ازدیاد نسل کے ایک مطلب کے حصول سے نان ونفقہ اور مہر اور حسن معاشرت کے چند در چند ضروری مطالب فوت ہوتے ہیں جن کا فوت ہونا امن وعافیۃ میں خلل انداز ہے لہذا شارع نے اپنی کمال دانشمندی سے مردوں کو تکثیر ازدواج کی اجازت

کبھی ہی تو مضائقہ کے ساتھ اور یہ مضائقہ صرف عورتوں کے پاس خاطر سے ورنہ تکثیر نسل کی ضرورۃ تو ہر زمانے میں اور ہر جگہ تھی اور ہے اور رہے گی خاصکر ملک عرب تو نزول قرآن کے وقت تکثیر نسل کا زیادہ تر محتاج تھا۔ برسات وہاں نہیں ہوتی۔ طائف اور مدینہ اور یمن چھوڑکر کھیتی باڑی کا کہیں نام ونشان نہیں۔ عرب کی آبادی کی ابتدا ابراہیمؑ سے ہوئی وہ فرماتے تھے ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم کہتے ہیں اور یہ کہنا محض بہتان اور اتہام ہے کہ مردوں کو تکثیر ازواج کی اجازت دیکر اسلام نے عورتوں کے تمام حقوق پامال کردیئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی خانہ داریاں بے اطمینانی اور بدگمانی کا مسکن بن گئیں۔ مسلمان زن وشوہر میں کہیں ویسا اتحاد نہیں پایا جاتا جیسا نامسلموں میں۔ اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ عورت تو کچھ چیز ہی نہ تھی اسلام نے اسکو چیز بنایا اور چیز بھی قدر قیمۃ کی چیز ہم کو اس بارے میں دوسرے مذاہب سے بحث کرنی منظور نہیں۔ ہم تو صرف اتنی بات دکھانی چاہتے ہیں کہ اسلام کا نشو ونما عرب سے ہوا۔ وہ لوگ اسلام سے پہلے عورتوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے تھے۔ مختصراً انکا سلوک اس قسم کا تھا کہ اگر اسلام عورتوں کی حمایۃ کو نہ کھڑا ہوتا تو شاید بہتیرے مرد عمر بھر عورتوں کو ترسا کرتے بالطبع ظالم بے رحم سنگدل بے مروۃ اور دوچار دس بیس نہیں۔ قوم کی قوم اور اسیر جھوٹی غیرۃ۔ شرافۃ کی شیخی میں ناک چوٹی گرفتار وہ کسیکا سالا سسر کہلانے کو گالی سمجھتے اور اس عار سے بچنے کے لیئے بیٹی ذات کو جینے ہی نہیں دیتے تھے قرآن کی یہ آیۃ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ

بِاَیِّ ذَنۡبٍ قُتِلَتۡ اسکی تصدیق کو بس کرتی ہے یہی حال ہمارے
ملک میں ہندو اور راجپوتوں کا تھا عورتوں کی حفاظت یا تو اسلام نے
کی یا سرکار انگریزی نے کی کہ ستی اور دخترکشی کی ظالمانہ رسم کا بڑی سختی
سے مقابلہ کیا۔ غالب ہے کہ ستی اور دخترکشی کا انسداد کلی ہو گیا ہے
یہ اسی چھوٹی جاہلانہ غیرۃ کا اثر ہے کہ مسلمان بھی سالے سسرے ساس داماد
کے نام سے چڑتے ہیں اور ان الفاظ کے استعمال کو خلاف تہذیب
سمجھتے ہیں سالے کو کہتے ہیں نسبتی بھائی یا خسرپورہ سسرے کو خسر ساس کو خوشدامن
داماد کو خویش۔ مذہب اور حاکم وقت اگر منصف اور رعایا پرور ہیں جرائم
کے روکنے کی کوشش تو دونوں کرتے ہیں مگر مذہب کی کوشش
کا اثر حاکم وقت کی کوشش کے مقابلے میں قوی تر ہوتا ہے کیونکہ
افعال کو درخت سمجھو تو اس کی جڑ دل سے پیدا ہوتی ہے یعنی آدمی پہلے دل میں ایک کام کرتا
ہے × پس وہ صرف افعال کو روک سکتا ہے وہ بھی اکثر بعد الوقوع کہ
مجرم کی سزا کے ڈر سے دوسروں کو عبرۃ ہو اور ارادۂ بد سے باز
رہیں مگر مذہب قیامۃ اور آخرت کی بازپرس کا یقین دلا کر شروع سے
دلوں کی اصلاح کر چلتا ہے پس جن دلوں پر مذہب نے قابو پا لیا ہے
وہ ارادہ بد کر ہی نہیں سکتے کہ اس کے عمل میں لانے کی نوبۃ آئے خدا نے
عورت کو مرد کے مقابلے میں کمزور ضعیف اور مغلوب پیدا کیا ہے لیکن باہم
وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں کہ دوسرے کی شرکت کے بدون عافیۃ کے ساتھ
زندگی کر نہیں سکتے بقائے نسل کے لیے دونوں کی شرکت کی ضرورت
تو صاف ثابت ہے کہ اکیلا مرد یا اکیلی عورۃ دونوں میں سے ایک بھی اولاد

۵ اور جبوقت لڑکی سے جو زندہ درگور کر دی گئی تھی پوچھا جائے کہ کس قصور کے بدلے میں ماری گئی ۱۲

× شان یہی ہے پر اسکو کر گذرتا ہے چونکہ حاکم وقت کی حکومت دلوں پر نہیں ہے لوگوں کے ارادے اس کے بس

پیدا نہیں کرسکتا دنیا کے کون و فساد کو دیکھ کر فلسفیوں نے دی فٹسٹ ٹو لو کا کلیہ مستنبط کیا جس کے یہ معنے ہیں کہ دنیا میں زبردست مخلوق کمزور مخلوق کو معدوم کرتی جا رہی ہے۔ پس باہمی احتیاج صنف نسواں کی بقا کی ضامن اور محافظ نہ ہوتی تو عورتوں کا پیدا ہونا کبھی کا موقوف ہو گیا ہوتا اس پر بھی صنف ذکور اور صنف نسواں میں شروع سے ایک طرح کی کشمکش قائم ہے لیکن قدرتی کمزوریوں کی وجہ سے عورتوں کا پلا ہمیشہ مردوں کے مقابلے میں ہلکا رہا ہے اور مقتضائے فطرۃ بھی یہی ہے کہ تیل اور پانی ایک بوتل میں بھرے جائیں تو تیل اوپر رہے عورۃ پانی کی جگہ ہے اور مرد تیل کی جگہ۔ مرد عورۃ یعنے میاں بیوی میں جو نسبت ہونی چاہیئے قرآن میں صاف لفظوں میں بتا دی ہے ایک جگہ فرمایا اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ[1] فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ مردوں کی خداداد توانائی کی طرف اشارہ ہے اور یہ مردوں کی برتری ایک وجہ ہے دوسری وجہ بما انفقوا من اموالہم ہے دوسری جگہ فرمایا[2] وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ نیچر یعنے فطرت کے قاعدے ایسے ابدی اور مستمر ہیں کہ ان کا نقص ہو ہی نہیں سکتا[3] لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ

---

[1] مرد عورتوں کے سردھری ہیں (اس کے دو) سبب (ایک یہ) یہ کہ آدمیوں میں) اللہ نے بعض (یعنی مردوں) کو بعض (یعنی عورتوں) پر (دلی مضبوطی اور جسمانی توانائی میں برتری ہے اور (دوسرا) سبب یہ ہے کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنا مال خرچ کیا ہے [2] اور جیسے (مردوں کا حق، عورتوں پر ہے) دیسی دستور کے مطابق عورتوں کا حق (مردوں پر) ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے ۱۲۔ [3] (اے پیغمبر) تم خدا کے قاعدے کو ہرگز بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اور نہ خدا کے قاعدے کو ہرگز ٹلتا ہوا پاؤ گے ۱۲

تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔ مرد عورت اگر خدا کی باندھی ہوئی فطری
حد میں رہیں تو مرد عورۃ کا تعلق اس قسم کا ہے کہ دنیا دونوں کے حق میں
بہشت ہو جائے لا یسمعون فیہا لغوا ولا تاثیما مگر حضرت آدم کی
اولاد کیا مرد کیا عورۃ ایسا تیکھا مزاج لیکر آئی ہے کہ نہ دھرا جائے اور
نہ اٹھایا جائے ہزاروں برس سے دنیا ایک وضع خاص پر چلی جا رہی تھی بیٹھے
بٹھائے اہل یورپ نے ایک اشغولہ اٹھا کھڑا کیا کہ آدم زاد ہونے
میں مرد و عورۃ دونوں برابر مردوں نے عورتوں کے حقوق غصب
کر کے کاروبار سلطنت سارا اپنی مٹھی میں کر رکھا ہے ع اے طبل بلند بانگ
در آخر ہیچ۔ تمام غل غپاڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عورتیں تار اور ڈاک خانے
میں نوکر رکھ لی گئیں کچھ شفا خانوں میں بیمار داری اور دایہ گری کچھ ادنے
درجے کے سکولوں میں معلمی کی خدمتوں پر مامور ہیں مگر عورتیں تو مقنن
اور سپہ سالار بننے کے فکر میں ہیں کوئی ان کو ایاز قدر خود بشناس اور
ہر یکے را بہر کارے ساختند کا سبق نہیں پڑھاتا کہ تیا مار کر گھر کے کام
کاج میں دل لگائیں جو ان کے کرنیکا ہے اور جس کے لیے خدا نے
ان کو پیدا کیا ہے صرف ایک اسلامی شریعۃ ہے جو اس بات کا دعوے
کر سکتی ہے کہ اس نے زن و شو کے تعلق کے بارے میں جو فیصلہ کیا
ہے وہ بالکل مطابق فطرۃ ہے اور اس میں دونوں کے حقوق کی واجبی
رعایۃ ہے لیکن مولوی روم نے ٹھیک فرمایا ہے ؎

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد
صد ہزاراں پردہ سوئے دیدہ شد

(باقی آیندہ)

وجہِ ستم

حضرت نیاز فتحپوری کی عرضِ ستم ایسی نظم تھی جو غیر مؤثر ثابت ہوئی جس وقت مئی کا تمدن بارگاہِ قدس کے دار الانشاء میں موصول ہوا منشی فلک نے اپنے اوریجنل نوٹ کے ساتھ نزہت گاہ معلّےٰ کے کاتبِ خصوصی (پرایویٹ سکرٹری) کے انجمن میں بہ صدارت الوہم بعد روقدح یہ جواب (نظم ہی) لکھا۔ جو بغرض اشاعت و اعلان تمدن میں بھیجا گیا۔

شکور

عرضِ ستم پڑھی گئی آج ہمارے روبرو
سارے ملائکہ بھی تھے جب ہوئی اُسپہ گفتگو

ہم پہ یہ طعن ہے کہ غیر مورد لطف بدل ہے
اپنوں کا کچھ نہیں خیال اور نہ پاس آبرو

سخت تاسف ہی ہمیں ہے جو زبوں تمھارا حال
ہم متاثر ہیں بہت ہے جو تمھارا دل لہو

ہم پہ مٹے ہوئے ہو تم اسمیں نہیں ذرا کلام
خاکِ حرم ہے شاہد گرمیٔ سعی و جستجو

کیسے مگر بدل دیں ہم سارے نظامِ دہر کو
کیا کریں جب نہیں درست کوئی تمھاری آرزو

سوچو تمھیں ذرا اے ستر بدن ہو کسطرح
جب نہیں امن و لباس قابل بخیہ و رفو

کہتے تو ہو وفا وفا خاک مگر وفا نہیں
لفظ تو یاد ہے مگر معنی سے آشنا نہیں

ہادیٔ دیں نے اک یہی تمکو سبق دیا تھا کیا؟
راحت و عیش گر ملے پھر نہ بدن ہلے ذرا

سوئے تم ایسے کچھ کہ پھر جاگنا ہو گیا قسم
جس نے ذرا جگا دیا بس وہی ہو گیا برا

کذب و ریا تمھاری خو کینہ تمھاری جستجو
بغض و حسد ہے تم کو انس صدق و صفا کے تم

قلب میں مرتسم ہوئے نقش کو الفِ زوال — صاف بھلا دیا ہیں کیا معنی اوجِ ارتقا
رہبرِ قوم کے لیے شب و شتم تمھاری خو — چھڑکے جو تم پہ جان دے وہی دشمنِ جاں ہے سوا
کشتی شکستہ اور نہیں فکرِ رہائی و خلاص — سیل ہے موجزن، مگر کچھ نہیں قدرِ ناخدا

کیا ہے یہی شعارِ دیں، کیا یہی وفا کا نام؟
آقا سے منحرف رہو اور کہو کہ ہیں غلام!

تم میں نہ وہ ادا ہی اب اور نہ وہ طرزِ دلبری — دعویٰ عشق برزباں سر میں ہوائے خودسری
شورِ فغاں ہے بے اثر شیون و آہ بے مزہ — لغو ہے نالہ و بکا، کذب ہے آنکھوں کی تری
دلکو اگر لگے برا، کچھ تو عمل میں فرق ہو — بات تو ہے یہی کہ چوٹ دل کی نہیں ہوئی ہری
زر تمھیں دیکھے خوب ہم دیکھ چکے ہیں بارہا — ہاتھ میں جامِ مے ہی اور دل میں ہے جلوۂ پری
یہ نہ ہوا کہ قوم کے بچوں کی لیتے تم خبر — تم ہو درونِ خانہ اور انکو ہے رنجِ بے دری
دل تو ہے مائلِ حضیض اور ہے اوج کی ہوس — کام تو سارے ہیں تبرا اور سوالِ برتری

حیف تمھارے عزم پر تالی جہاں میں پٹی
اور ذرا سی بن سکی تم سے نہ لونی و دیٹی

محمد عبدالشکور چاندپوری
(بجنور)

حکیم ایکٹی ٹس

سٹوئک حکما میں سب سے زیادہ مشہور ایک غریب لنگڑا غلام تھا جس کا اصلی نام لاعلمی کے تاریک پردے میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن اسکو ایکٹی ٹس کہتے تھے جس کے معنی خرید شدہ یعنی غلام کے ہیں۔ پہلی صدی عیسوی میں وہ ایشیائے کوچک کے مغرب میں بمقام ہیرا پولس پیدا ہوا تھا۔ وہ بچپن میں اکثر بیمار رہتا تھا اور شاید اس لیے۔ بترحم اسکے والدین نے غلام کی طرح اسے فروخت کر دیا۔ خریدنے والے کا نام اپا فروڈیٹس ہے جو بادشاہ نیرو کا آزاد کردہ غلام تھا۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس بیرحمی کو ظاہر کرتا ہے۔ جو بعض اوقات اس غریب کے ساتھ روا رکھی جاتی تھی۔ ایک دن آقا اپا فروڈی ٹس اپنے غلام کی ٹانگ ایک شکنجہ میں کھینچ رہا تھا۔ اسپر ایکٹی ٹس نے کہا۔ کہ "اگر تم اور زیادہ مروڑ و گے تو میری ٹانگ ٹوٹ جائے گی" لیکن کمبخت آقا نہ رکا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ٹانگ ٹوٹ گئی۔ غلام نے کہا "کہا میں نے تم سے نہ کہا تھا۔ کہ ٹانگ ٹوٹ جائے گی"۔ یہ کہا اور پوری خاموشی کے ساتھ مصیبت کو برداشت کیا +

اہل روما میں رواج تھا جسکی رو سے وہ اپنے غلاموں میں سے نہایت ہی ہشیار غلام کو تعلیم دلوایا کرتے تھے۔ تاکہ وہ سکرٹری لائبریرین اور معلم وغیرہ کی خدمات انجام دے سکے۔ اس غرض سے ایکٹی ٹس کو اس زمانے کے ایک مشہور فاضل مسونی اس کے پاس فلسفہ کی تحصیل کے لیے بھیجدیا گیا۔ اپنے استاد کے ذریعہ سے وہ سٹوئک فلسفہ کا معتقد ہوا اور زندگی بھر اس پر وفاداری سے عمل پیرا رہا ایکٹی ٹس اپنے شاگردوں سے کہا کرتا تھا کہ "اگر تمہیں میری تعریف کرنے کے لیے

فرصت مل جائے۔ تو اس کے عوض میں تمھارے ساتھ کوئی نیکی نہیں کر سکتا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد اکپٹی ٹس آزاد ہو گیا۔ وہ ایک چھوٹے سے مکان میں رہتا تھا۔ جو دروازہ کے وجود سے بالکل معرا تھا۔ مکان میں لمبے بوریا جس پر وہ سوتا تھا۔ ایک طشت۔ ایک مٹی کی بوتل اور دو تین برتنوں کے علاوہ اور کسی قسم کا سامان نہ تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھریلو دیوتاؤں کے سامنے جلانے کے لیے ایک لوہے کا لیمپ خرید کر لایا۔ لیکن کسی چور نے اُسے چُرا لیا۔ اکپٹی ٹس نے کہا۔" اگر وہ دوبارہ آیا۔ تو مجھے خوف ہے کہ وہ بالکل مایوس ہو کر جائیگا۔ کیونکہ اسے صرف ایک مٹی کا لمپ جلتا ہوا ملیگا۔

جب شہنشاہ ڈومٹی ان نے روما سے تمام حکما کو خارج البلد کر دیا۔ تو اکپٹی ٹس موجودہ البانیا کے شہر نکوپوس چلا گیا۔ جہاں اس نے سٹوئک فلسفہ کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ کھولا۔ اریان جو بعد میں مقدس شہنشاہ این ٹونی اس کا معلم بنا۔ اس کے وفادار اور منظور نظر شاگردوں میں سے تھا۔ ڈومٹی ان کے مرنے پر اکپٹی ٹس روما میں واپس آگیا۔ جہاں شہنشاہ اڈریان نے اس کی نہایت عزت افزائی کی۔ اسی بادشاہ کے عہد حکومت کے اختتام کے قریب سنہ ۱۳۸ء میں اس حکیم کا انتقال ہو گیا +

لوگ اکپٹی ٹس کا اس قدر احترام کرتے تھے۔ کہ اُنہوں نے اسکی وفات پر چند برتنوں کو جو اسکی ملکیت میں تھے نہایت شوق سے خرید لیا۔ چنانچہ صرف مٹی کا لمپ ہی جس سے وہ مطالعہ کرتا تھا۔ ایک ہزار روپیہ کے عوض فروخت ہوا۔

سقراط کی طرح اکپٹی ٹس نے خود اپنے ہاتھ سے کچھ نہیں لکھا۔ اریان نے اپنے استاد کی ایک سوانح عمری لکھی۔ جو اس وقت ناپید ہے۔ اور اس کے تمام لکچروں کے مجموعہ کو آٹھ کتابوں میں قلمبند کیا۔ جن میں سے آجکل صرف

چار محفوظ ہیں - اریان نے اپنے استاد کے مقالات کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا جس کا نام خود اسے (Enchiridion) رسالہ رکھا یہ زمانہ قدیم کی ایک نہایت ہی دلچسپ اور مقبول عام کتاب ہے۔

ایکٹی ٹس کے نزدیک فلسفہ کا آغاز خود اپنی کمزوری سے انکشاف اور کسی ضروری کام کے کرنے کی ناقابلیت کا نام ہے - اس علم کے ساتھہ ہی ہمکو اس مباحثہ اور مجادلہ سے واقفیت ہوجاتی ہے - جو بنی نوع انسان میں جاری ہے اور پھر ہم اس مقابلہ کا سبب دریافت کرنے کے درپے ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہہ ہوتا ہے - کہ ہم ایک ایسا دستورالعمل تیار کرتے ہیں جس کے مطابق ہم اپنا فیصلہ دے سکیں - اس فیصلہ پر غور و تدبّر کرنے کا نام فلسفہ ہے۔

خدا کی نسبت اس کے خیالات

اگرچہ ایکٹی ٹس نہایت ہی مذہبی آدمی تھا - اور اپنے ہر کام کی بنیاد خدا تعالیٰ کے خیالات پر قایم کرتا تھا - تاہم اس کے خیالات اور آرا صاف اور درست نہیں ہیں - ولیس خدا کی نسبت اس کے خیالات کو اختصار کے ساتھہ اس طرح پیش کرتا ہے :-

"وہ مقبول عام بت پرستی پر سختی سے نکتہ چینی کرتا ہے - لیکن رسم کے مطابق خود بھی اس سے باز نہیں آتا کیونکہ سٹوئک حکما مندروں میں عوام کے ساتھہ ہی عبادت کرتے تھے - باوجود اس امر کے کہ اس کے خیالات بسا اوقات غلطی پر ہوتے ہیں - وہ ذات و صفات سے ایک آراستہ خدا پر جسے وہ زیؔس کہتا ہے - ایمان رکھتا ہے وہ زیؔس خداوند کے زیر حکم سینکڑوں ماتحت دیوتاؤں پر یقین رکھتا ہے - اور بہادر اشخاص اور جنوں کی عبادت کو جائز ٹھیراتا ہے وہ اور لوگوں کے ساتھہ اس ہردلعزیز توہم میں ہم آہنگ ہے - کہ خدا تعالیٰ اپنی مرضی کا اظہار پرندوں اور حیوانوں کی آنتوں کے ذریعہ سے

کرتا ہے۔ وہ اگرچہ سٹوئک تصوف کے اصول ہمہ اوست ، کے ساتھہ کلی اتفاق رکھتا ہے لیکن باوجود اس کے عام طور پر اس کی گفتگو ان لوگوں کے طرح ہوتی ہے جو اس دنیا میں خدا کی محدود قوت کے قائل ہیں۔ انیتھر- آگ - روح - عقل - اتحادی اصول - قانون مطلق - قسمت - سبب اول ازلی اس وغیرہ سٹوئک اصطلاح میں یہ تمام نام خدا تعالیٰ کے مترادف ہیں۔

"تمام چیزوں کا منبع خدا تعالیٰ ہے - اور اس دنیا کے ختم ہونے پر تمام چیزیں اپنے اصلی مبداء سے مل کر اصلیت میں جذب ہو جائینگی - جس سے وہ پھر پہلے کی طرح عود کریں گی - قانون یہ ہے کہ پہلے عدم اور پھر عدم کے بعد وجود - یہ قانون آدمیوں اور دیوتاؤں پر یکساں طور پر حاوی ہے۔

"یہ ہندوستان کے مسئلہ بہاپر لیا سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے"

انسان کی نسبت اس کے خیالات | ولیس کہتا ہے :-

"اس کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کا سرچشمہ وجود خدا تعالیٰ یعنی آسمانی باپ ہے اور تمام بنی نوع انسان اس کے بچے ہیں - بت پرستوں میں سے سب سے پہلے جنہوں نے انسانوں میں یکساں انسانیت پہچانی - اور جس انسانیت میں غلام بھی برابر کے شریک ہیں - وہ سٹوئک حکماء کا گروہ تھا - سٹوئک کا مرکز خیال انسان کی عزت ہے - وہ روح انسانی کو انسان کہتا ہے - باعتبار روح انسان کا تعلق خدا سے ہے اور بلحاظ جسم وہ حیوانوں سے ملتا جلتا ہے - خدا کے ساتھہ انسان کا رشتہ ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعہ سے انسان کی انسانیت درجہ اتم تک ترقی کر سکتی ہے - اور اسکو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ نفس حیوانی پر فتح حاصل کر سکے۔

سٹوئک ہمیشہ یہ نصیحت کرتا ہے کہ انسان محاسبہ نفس کرتا رہے - اور اسی طرح سے اپنی ذات کے علم اور خود ضبطی کی نشو و نما کو ترقی دے - انسانی

ضمیر تمام انسان پر حکومت کرتی ہے۔ اس کا جائے قیام انسان کا سینہ ہے۔ اور وہیں سے اسکی آواز آتی ہے یعقلمند آدمی اس گھریلو خدا کی آواز سے جو ہمیشہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ ڈرتا ہے۔ اور اسی کے وسیلہ سے اندھیرے میں بھی اپنا راستہ ڈھونڈھ لیتا ہے۔ آئندہ کی زندگی کا خیال ایک ایسی لگاتار تحریک ہے۔ جو اس دنیا میں اس کی زندگی کو اعلیٰ درجہ کی اخلاقی زندگی بنا دیتی ہے۔ لیکن وہ دوسرے جہان کے خدائی انعام و اکرام کی نسبت نیکی کے موجودہ انعام و اکرام کی زیادہ پرواہ اور حفاظت کرتا ہے۔

اقوال | وہ کہتا ہے کہ انسان کا انتہائی مقصد یہ ہے کہ وہ خدا کے نام کی حمد و تقدیس کرے۔ اور اس کے انعامات اور فضائل کا ذکر لوگوں سے کرے۔ مجھ جیسا لنگڑا اور بوڑھا آدمی سوائے اس کے کہ خ[illegible] کیا کرے اور کیا کر سکتا ہے؟ اگر خدا تعالیٰ مجھے بلبل بناتا۔ تو میں بلبل کی طرح [illegible]گی بسر کرتا۔ اور اگر خدائے قادر مجھے راج ہنس پیدا کرتا۔ تو میں اسکی طرح رہتا سہتا لیکن اب جب کہ خدا نے مجھے ایک عقلمند آدمی بنایا ہے۔ میرے لیے یہی شایاں ہے۔ کہ میں اس کے مبارک نام کی حمد و تقدیس کروں۔ یہی میرا کام ہے۔ اور میں اس کام کو اسوقت تک انجام دیتا رہوں گا۔ تاوقتیکہ میں انسانی ذمہ داری کا حامل ہوں۔ اور میں تم کو بھی اس حمد میں شریک ہونے کی نصیحت کرتا ہوں۔"

اکپٹی ٹس کہتا ہے۔ کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں۔ جو ہمارے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اور بہت سی باتیں بالکل ہمارے حیطہ اختیار سے باہر ہیں مثلاً جو باتیں ہماری طاقت میں ہیں وہ ہماری رائے میں ہمارے اعمال ہیں اور جو باتیں ایسی ہیں جن کو قدرت نے ہمارے اختیار سے باہر رکھا ہے وہ جسمانی

حادثات۔ مال و دولت۔ شہرت مرتبہ اور نیستی وہ سب کچھ جو ہمارے اعمال کے دائرہ سے باہر ہیں۔ ایکٹی ٹس کا فلسفہ اختصار کے ساتھ ان تین لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ برداشت کرو اور بچو۔" اس معنی خیز جملہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو کچھ خداتعالیٰ نے تم پر مقرر کیا ہے۔ اسکو (بخوشی) برداشت کرو۔ اور جن باتوں سے اس نے تم کو منع کر دیا ہے۔ ان سے پرہیز کرو اور بچو +

"یاد رکھو کہ تھیٹر کے ایکٹر کی طرح تم بھی ایک ایکٹر ہو جس کے سپرد خاص پارٹ کیا گیا ہے۔ اس بات کا کچھ مضائقہ نہیں کہ خواہ وہ پارٹ مختصر ہو یا طویل۔ اگر خداتعالیٰ نے فقیر کا پارٹ تمہارے سپرد کیا ہے۔ تو تمہارا فرض ہے کہ تم یہ حفاظت تمام اس پارٹ کو شریفانہ طرز سے انجام دو۔ اور بالفرض اگر لنگڑے آدمی حاکم یا معمولی آدمی کا پارٹ تمہارے ذمے ڈالا گیا ہے۔ تو اس وقت بھی تمپر ویسی ہی پروا اور محنت لازم ہے جیسی کہ فقیر کا پارٹ ادا کرنے میں کیونکہ جو پارٹ تمہارے سپرد کیا گیا ہے۔ اسی کا بجا لانا۔ خود تمہاری طاقت میں ہے۔ لیکن اس پارٹ کا پسند کرنا کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔

سرکشی اور فائدہ کی محبت سے بڑھ کر کوئی اور بات ارذل نہیں ہے۔ اور بلند ہمتی شرافت۔ خلایق دوستی۔ اور نیکی کرنے سے زیادہ اور کوئی امر شریفانہ نہیں ہے"

"انگور کی بیل میں تین خوشے ہوتے ہیں۔ پہلے خوشہ سے خوشی حاصل ہوتی ہے دوسرے سے نشہ اور تیسرے سے بے عزتی"

جو فعل اس قابل نہیں کہ اسے کیا جائے۔ اسکو عمل میں لانے کا خیال تک بھی نہ کرو"

اگر تم نیک بننا چاہتے ہو۔ تو پہلے تم یقین کر لو کہ تم برے ہو۔ یہ ممکن ہے کہ خوشی جاتی رہے۔ دولت کم ہو جائے اور دوست دشمن بنجائیں لیکن خدا کی پرستش کرنے کی طاقت میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی۔ اور اسکی محبت کبھی رد نہیں کی جاتی

ضیاء الدین عنی

مکالمۂ رند و شیخ

ایکدن اک مست رندِ لاابالی صبحدم   منہ پیٹے جارہا تھا دیر سے سوئے حرم
مست تھا اور چال بھی اسکی عجب مستانہ تھی   عشق میں معلوم ہوتا تھا مگر ثابت قدم
بے پیئے ہی بادۂ الفت سے وہ سرمست تھا   ماسوا کی فکر تھی کچھ اور نہ قیدِ رنج و غم
سر میں سودائی کے سودا تھا کسی کی زلف کا   وہ کسی کی چاہ میں ڈوبا ہوا تھا یک قلم
اُڑتا جاتا تھا فرشتے کی طرح وہ راہ میں   کیا مجال آئے نظر اس کا کوئی نقشِ قدم
نورِ ایماں کا تھا مطلع اسکی پیشانی صاف   ابروئے پیوستہ تھے دو ماہ کی صورت بہم

اوج پر معلوم ہوتا تھا ستارہ بخت کا
گرچہ وہ طالب نہیں تھا تاج کا یا تخت کا

تھا حقیقت میں تو وہ رند ایک مردِ بینوا   شکل و صورت میں امیروں سے مگر کچھ کم نہ تھا
بندگی سے بندۂ اللہ گو آزاد تھا۔   جان و دل سے تھا ہمیشہ بندۂ مہر و وفا
دوستی میں اسکی یکرنگی کا جلوہ تھا مدام   دل نہ تھا اس کا ذرا کبر و ریا سے آشنا
ایک بات اس میں نرالی اور جو تھی وہ یہ تھی   تھا وہ دشمن کا تو دشمن دوست تھا وہ دوست کا
زاہدانِ خشک کی صورت تھا پرہیزگار   تھا بتانِ خوبرو سے عشق اسکو برملا
چل رہا تھا اپنی دھن میں رہ نوردِ کوئے شوق   ہر قدم پر اپنے دل میں کہہ رہا تھا اے خدا
مل نہ جائیں شیخ صاحب راہ میں مجھکو کہیں   کب گوارا ہو سکیگا انکا بیجا ٹوکنا

دفعۃً اس فکر میں آئی ہنسی بے اختیار
جوش میں پڑھنے لگا اشعارِ حافظ باربار

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند   چوں بخلوت میروند آں کار دیگر می کنند

مشکلے دارم ز دانشمندِ مجلس باز پرس	توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند
گوئیا باور نمی دارند روزِ داوری	کیں ہمہ قلب و دغل در کارِ داور می کنند
یا رب این نو دولتان را بر خرِ خودشان نشاں	کیں ہمہ ناز از غلامِ ترک و استر می کنند
بندۂ پیرِ خراباتم کہ درویشانِ او	گنج را از بے نیازی خاک بر سر می کنند
اے گدائے خانقہ باز آ در پیرِ مغان	می دہند آبے و دلہا را توانگر می کنند
خانہ خالی کن دلا تا منزلِ جاناں شود	کیں ہوسناکان دل و جاں جائے دیگر می کنند
آہ آہ از دستِ صرافانِ گوہر ناشناس	ہر زماں خرمہرہ را با دُر برابر می کنند

اس طرف تو زمزمہ لعلِ لب سے تھا گوہر فشاں
سامنے سے آ رہے تھے شیخ کرتے شیخیاں

اک عبا تھی بر میں دستارِ فضیلت سر پہ تھی	اور اک دستِ مبارک میں عصائے لنبہ بھی
یہ ترانہ سن کے بیتابانہ دوڑے آتے تھے	جی میں کہتے تھے کہ لونگا میں خبر اس شخص کی
آپکے دو چار چیلے بھی جو گرد و پیش تھے	سب کے سب کچھ ٹوٹی پھوٹی جانتے تھے فارسی
ایک بولا پیر و مرشد آپ نے بھی کچھ سنا	یہ غزل تو تھی یقیناً حافظِ شیراز کی
نام لیتا ہے غزل کا تو ہمارے سامنے	کہہ کے یہ تا گرد پر جھنجھلا کے جھپٹے شیخ جی
آگے آگے تھا جوان اور پیچھے پیچھے پیر تھا	دوڑنے میں شیخ کی دستار دھم سے گر پڑی

بسکہ تھا ناحق غبار اس کے دلِ ناپاک میں
آبرو بے آب ہو کر مل گئی سب خاک میں

وہ پرانا مست بھی اتنے میں آپہنچا وہاں	شیخ نے سمجھا اسے پیغامِ مرگِ ناگہاں
اپنے جی میں یوں کہا لو موت آئی عنقریب	اس فرشتے سے اجل کے بچکے جاؤں میں کہاں
غالب آجانیکا اس پر کچھ تو حیلہ چاہیئے	ٹوک کر پہلے اسے اور پوچھئے نام و نشاں
شیخ صاحب کو کیا جب اس نے جھک کر سلام	آپ بولے کون ہے جاتا کدھر ہے بے ایماں

وہ غریب کم سخن گویا ہُوا با صد ادب آپکو لازم نہیں ہے حضرتِ من یہ زباں
بندگی تسلیم کی تھی جان کر مردِ بزرگ یہ خطا کی میں نے سمجھا آپکو پیرِ مغاں
بدسلوکی میں بجا ہیں شہرۂ آفاق آپ غائبانہ بد سمجھتا ہے جبھی سارا جہاں
خیر جو کچھ آپنے مجھ سے کیا اچھا کیا یادگارِ عالم میں رہ جائیگی پر یہ داستاں

سب کہیں گے توڑنا دل کا نئی ایجاد ہے
شیخ کے ہاتھوں سے گھر اللہ کا برباد ہے

مہربانِ من بھلا کیونکر نہ ہو دل کو قلق کر دیا سینے کو سنگِ بدزبانی سے جو شق
یوں تو حضرت کو بہت کچھ دعوئ اسلام ہے بیٹھ کر کعبہ میں سیکھا کافروں کا سابق
دور ہی یہ امر تو اسلام کی تہذیب سے خلق سکھلاتا ہے ہر انسان کو قانونِ حق
شرع کی ایسی نہیں پاکیزہ کوئی بھی کتاب قابلِ تحریرِ آبِ زر ہے اس کا ہر ورق
خوانِ نعمت ہے یہ ہر اک کافر و دیندار کو اپنی شیرینی سے ہوتا ہے طعامِ ہر طبق
جب سنی تقریر یہ پُر جوش اُس بیدست کی تھا عروسِ صبح کی مانند رنگِ شیخ فق

بسکہ کچھ باقی نہ تھی تابِ توانِ گفتگو
شرم سے اپنے عرق میں غرق تھا لے آبرو

کہہ کے یہ پھر چل دیا سوئے حرم وہ جانِ عشق شوق کی زنجیر تھی پھر سلسلہ جنبانِ عشق
شوقِ لیلا میں وہ مجنوں پھر بیاباں گرد تھا جادہ پیما وہ ہُوا پھر صورتِ مستانِ عشق
کرتا جاتا تھا نیستاں میں وہ مثلِ نے نوا سازِ گویا تھا سراپا وہ پُر از ارمانِ عشق
بسملوں کی سی تڑپ پیدا تھی اوسکی چال سے دل کے زخم تیز میں تھا دردِ بیدرمانِ عشق
نغمۂ رنگینِ اُلفت سے ترنم ریز تھا پڑھ رہا تھا عاشقِ روئے صنم قرآنِ عشق
جب بڑی مشکل سے پہونچا منزلِ مقصود پر اشکِ خوں بہنے لگا وہ بلبلِ بستانِ عشق
حلقۂ زنجیرِ در سے سر کو ٹکرانے لگا دردناک آواز سے کعبہ میں چلانے لگا

سیدِ عالم سے رو کر عرض کرتا بار بار ‏ — ‏ جھکے سجدے میں یہ کہتا تھا کہ میں تم پر نثار
خسروِ دینِ خدا شاہنشہِ گردوں وقار ‏ — ‏ تم ہو محبوبِ خدا اور ہے خدا سے تم کو پیار
ایک عرضِ مدعا کے واسطے آیا ہوں میں ‏ — ‏ قبلۂ حاجاتِ عالم حاجتِ ما را بر آر
آبرو دنیا میں اور محشر میں حاصل ہو مجھے ‏ — ‏ تاکہ جاؤں سرخرو ہو کر میں پیشِ کردگار
اس محلہ میں کہیں رہتا ہے اک شیخِ حرم ‏ — ‏ میری جانب سے وہ اپنے دل میں رکھتا ہے غبار
اس کے دل میں ہے کدورت اور مرا دل صاف ہے ‏ — ‏ آپ پر تو حال سب کا ہے عیاں آئینہ وار
آپ سے کرتا بہت کچھ میں شکایت شیخ کی ‏ — ‏ پر گلہ کرنے کی عادت ہی نہیں ہے زینہار

زاہدِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست
در حقِ ما ہرچہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

یہ کہے جاتا تھا اور ملتا تھا سر کو خاک پر ‏ — ‏ شیخ کو اس حال سے جب رند وہ آیا نظر
کان دھر کے سن رہا تھا یہ بیانِ بے نوا ‏ — ‏ غور سے دیکھا اسے پہلے تو پھر پہچان کر
اس کے شانے کو ہلایا اور ہوا یوں ہم کلام ‏ — ‏ بیخودی میں تجھکو اپنی ہے نہ دنیا کی خبر
شیخ فرمانے لگا اٹھ تو بھی تو خاک سے ‏ — ‏ میری جانب کو نظر کر آنکھ اپنی کھول کر
خاک کے اوپر گہر افشاں ہوا وہ خاکسار ‏ — ‏ مست تھا اے شیخ مجھ کو جا تو اپنا کام کر
شیخ نے پھر بھی نہ مانا اور مکرر یہ کہا ‏ — ‏ یہ تو بتلا دے مجھے تو کس طرح آیا ادھر
دیر سے آتے ہوئے دیکھا تھا میں نے تجھکو آج ‏ — ‏ نام سے تو اپنے اے مردِ خدا آگاہ کر
تب کہا سر کو اٹھا کر خاک سے اس رند نے ‏ — ‏ بندۂ آزاد ہوں کوئی ٹھکانا ہے نہ گھر

دیر میں ہر صبح کو کعبہ میں ہوں ہر شام کو
کہتے ہیں ارشل زمانے میں اسی بدنام کو

آغا غلام حسین ارشل
از پھلور

رازونیاز

اے وہ ذات، جو سعیِ نامشکور کے بعد، مدرکات برہانی، حسیات استدلالی سے گذر کر کہیں قریب ہی جاگزیں معلوم ہوتی ہے، کیا فی الحقیقت تو کہیں ہے؟؟ جب ہماری ناکام عرق ریزیاں، ہماری بے سود جانفشانیاں، ہماری پامال جستجوئیں، ہم کو ہماری مقدارِ ہستی سے آشنا کردیتی ہیں، تو ہماری مایوس گردن، ہماری مضمحل آنکھیں بے اختیار اوپر اٹھ کے، کیوں استقرار تسلی چاہتی ہیں؟ جب ہم اپنے تراکم جستجو میں کھو کھو جاتے ہیں، جب ہماری تمام کوشش جملہ فرسودہ تدابیر ایک ایک کرکے ہماری آنکھوں کے سامنے خاک ہوجاتی ہیں تو وہ کیا چیز ہے جو ہمکو اذعانی تسلیاں دیتی ہے؟

کیا یہ بھی ردِ عمل (Reaction) ہے؟

تو ایک وجود ہے، جو معرفات کی قدرت سے باہر، حیطۂ تطابق سے دور اور کہیں کا برا بنے والا ایمن نشین ہے؛ مگر جو کچھ بھی ہو، جہاں کہیں بھی ہو، یہ جانتا ہوں، کہ تیرا چہرہ آرزوؤں کے نقاب، تمناؤں کے حجاب سے چھپا ہوا ہے، اس لئے جب ہم اپنی تمناؤں اور التجاؤں کے تکاثر کا خیال کرتے ہیں، تو تیرے حجابات کا احصار سخت دشوار ثابت ہوتا ہے؛ ان سب کو مٹا دوں، تو تیری حضوری، تجھکو بے نقاب دیکھنے کی آرزو پوری ہو؛ مگر پھر سوچتا ہوں کہ جب کوئی حسرت نہ رہی اور پھر تو ملا تو کیا؟ آہ، تجھ سے ملنے کا لطف تو جب تھا، کہ تو ہوتا، میں ہوتا، تمناؤں کا محشر، آرزوؤں کا متلاطم طوفان میرے ساتھ ہوتا، ایک ایک کرکے، تیرے سامنے پیش کرتا جاتا، اور

صدمات اور حسرتوں کی داد لیتا جاتا :-

تیرے سامنے عرب کا وہ منظر پیش کرتا، جب ریگستان کی باد سموم خلاصۂ کائنات کے جگر گوشہ کا حلق فرط تشنگی سے خشک کیے ہوئے تھی، اور محض تیرے نام کے اعلاء کے لیے، معہ تمام مقدس خاتونوں، اور معصوم بچوں کے اوس صحرا میں بے یار و معین کمر بستہ تھے! آہ مجھکو وہ وقت یاد دلاتا اور سوال کرتا، کہ کیا ایک معصوم بچے کا تشنگی سے بیتاب ہوکر، تجھ سے پانی اور وہ بھی صرف دو گھونٹ، طلب کرنا یہی جواب چاہتا تھا، کہ ایک تیز تیر اوس پاک حلقوم سے چند خشک سے قطرے خون کے نکالے، اوس تشنہ کام کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردے، کیا تیرے نام پر قربان ہونے والوں کا یہی حشر ہونا چاہیے؟ کیا تیرے پُر صداقت، بے ریا پرستاروں کے لیے یہی صلہ مقرر ہے، کہ ایک ایسا پُر حصانت وجود جس پر خود تجھے فخر ہو، یوں بے آب و دانہ، تیرے اعدا کی دہار دار تلواروں، آبدار خنجروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے؟ تجھ سے پوچھتا کہ کیا امہات المومنین کی بیکسانہ التجا، زار و نزار حالت، عریانی و پریشانی تیرے رحم و کرم کو جوش میں لانے کے ناکافی تھی؟

تجھ کو بھری برسات کی ایک طویل و تاریک شب کی یاد دلاتا، جب فرشتہ رعد اپنی پوری آواز سے تیری تسبیح کر رہا تھا، اور دریا کا سیل ایک جھونپڑی کو بڑھ بڑھ کے تباہ کرنا چاہتا تھا۔ ایک غریب فاقہ زدہ بڑھیا، جو اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کو بار بار نچوڑ کر ایک کونے میں دبک کر، اپنی ساری جسمانی کلفتوں کے مقابلہ میں، سب سے زیادہ اس پر رو رہی تھی کہ جو آدہ سیر جو کا آٹا ایک ادگیر اوسکو دیگیا تھا، ہائے، وہ بھی بہ گیا! اپنی اس مایوسی میں تجھ کو یاد کر رہی تھی، تیری مدد چاہتی تھی، اپنے رعشہ دار ضعیف ہاتھ تیری طرف

بلند کر کر کے تجہہ سے کچھہ التجا کرتی تہی، بار بار آنسو پونچھتی ہوئی تجہہ سے کچھہ کہتی تھی؛ آہ، میں ضرور تجہہ کو یہ باتیں یاد دلاتا اور پوچھتا کہ کیا طوفانی رات کے شور تلاطم میں اوسکی آواز تجہہ تک نہیں پہونچی، کیا اُس کے زاری و الحاح کا نتیجہ یہی تہا کہ صبحکو اوس کی لاش جانورانِ صحرائی کے کام آئے؟

غرضکہ، یونہی اپنے مجنونانہ حرکات و ہذیانات سے تیرے سمجھنے کی، تیرے مزاجدانی کی کوشش کرتا؛ مگر افسوس ہے تیرا منابے ربانی، بے دلی چاہتا ہے سینہ کو آرزوؤں سے خالی، قلب کو تمناؤں اور قوت احساس سے معرّا کر لو تو تو ملے، کیوں؟ یہ ممکن ہے، مگر تو بہی اپنے آفتاب سے منع کر دے کہ صبح شام کا اپنا کندنی لباس ترک کر دے، ماہتاب سے کہدے کہ اپنی خنک، رام شگرانہ رفتار سے مجہہ میں انجذاب نہ پیدا کرے، گلوں کی شگفتگی، بلبل کی شیفتگی میرا دل نہ دکہائے غنچوں کا تبسم، طیور کا ترنم، میری رگِ جاں کو نہ چھیڑے، سبزہ کی فراوانی، شبنم کی غلطانی مجھے بیتاب نہ کرے، ہوا کی متانت، پہاڑوں کی استقامت مجہکو متاثر نہ کرے، دریا کی روانی، بہار کی پُر ہیجانی میرے درپے آزار نہ ہو؛ اپنی قدرت کی بوقلمونی کو محدود بلکہ مسدود کر، تجہہ کو اگر میرے تاثرات سے شکوہ ہے، تو مجہکو تیری ساری کائنات سے ہے گلہائے تصویر نہالی کو اگر بُو یا گیا ہے، تو اونکی نکہت کو منتشر ہونے دے اور خفتگانِ نقشِ قالی کو اگر بیدار کیا ہے تو ان کو نثار ہو جانے دے، سریع التاثری قلب دیا ہے تو میری حرکاتِ مذبوحی کو قابل تعزیر نہ سمجھہ"

میں جانتا ہوں کہ تیری جلوہ گاہ، اس تیری بزمِ سنگین میں میرا وجود ہی کیا، لیکن گشتگانِ ادا کی صفِ اولیں کا جائزہ تجھے بتلادے گا، کہ تیری تابشِ جمال پر جان دینے والوں میں ایک ایسا شکستہ ناخن وجود بھی تہا، جسکو تو نے ترا کم ہدایا میں نظر انداز کر دیا؛ گو تجھے میرا خیال نہو، لیکن یہ تو سمجھہ گیا کہ تیرا لطف عطایا، تیرا امتنانِ مرحمت آخر تیرے ہی

کام آگیا تہا؛ اور اگر یہ کہنا بھی ناگوار ہے تو لے میں خاموش ہوا جاتا ہوں، مگر اتنا پہر بھی کہوں گا کہ "جا ہو مجہی گرفتہ رہو اربابِ دفا کی" نیاز فتحپوری۔

ایک نیچرل شاعر کا مرثیہ

کریں کیا شکوۂ بیداد جب دل ہو نہ قابو میں لگائیں اُس سے دل ہی کیوں نہ ہو دل جس کے پہلو میں
شکایت اُن جفاؤں کی ہو کیا داخل ہوں جو خو میں کسی اُمید پر کیوں اُنس اہلِ جہاں ڈھونڈیں

اسی اُمید نے انسان کو ڈالا ہے مشکل میں
اُمیدوں کی کریں پھر پرورش کیوں خانۂ دل میں

مزے پوچھے کوئی شاعر سے اطمینانِ خاطر کے جھکی آنکھیں نہ جس کی عمر بھر شاہ و شہنشہ سے
نہ سر نیچا کیا جس کا کسی کے بارِ احساں نے نہ ہرگز لے گیا حاجت کسی ذی روح کے آگے

نہ تھا عجز و دنائت کا گزر بھی طبعِ اصلی میں
نہ تھا حرفِ خوشامد داخل اُس کے روزمرہ میں

تمدن کا تھا دشمن شہر و آبادی سے وحشت تھی بنی آدم کی صورت سے ہمیشہ اُس کو نفرت تھی
اُسے صحرا سے دلچسپی اُسے چڑیوں سے اُلفت تھی نشست اُس کی لبِ دریا پہاڑوں میں سکونت تھی

شرابِ بیخودی سے رات دن سرشار رہتا تھا۔
صدائے نے سے اُسکی دشت بھی گلزار رہتا تھا

ہوائیں کان میں جب موسمِ گل کی خبر دیتیں صفائے آسمان اور سبزیاں ذوقِ نظر دیتیں
صدائیں کوئلوں کی جوش سے جب دل کو بھر دیتیں صبا کی شوخیاں بڑھ بڑھ کے جب بے چین کر دیتیں

تو پھر اونچے سروں میں جھوم کر تانیں لگاتا تھا
غضب کی لحن میں برجستہ کچھ اشعار گاتا تھا

نہ واں بھی اُٹھاتا کوئی سر کا واہ وا کر کے مگر ہاں دل بڑھاتے تالیاں پتے بجا کر کے
اُسے محظوظ کرتیں قمریاں پیڑوں پہ گا کر کے بلائیں تتریاں لیتی تھیں سر پر اُسکی آ کر کے

کبھی تو کوک کر کوئل مبارک باد دیتی تھی

کبھی بلبل چہک کر شاخ گل پہ داد دیتی تھی

پپیہے کی کبھی آوازے دھنتا تھا سر اپنا　　　کبھی گاتا ترانہ سرو اور قمری کی الفت کا

گل و بلبل کی گاتا تھا عروسی کا کبھی سہرا　　　صبا کی دیکھ کر غنچوں سے چھیڑیں خود بخود ہنستا

غرض آغوش قدرت میں ہمارا نیچرل شاعر

یوں ہی ہنس کھیل کر بیچارہ اک دن مر گیا آخر

پرندوں نے اٹھایا شور ماتم سے فلک سر پہ　　　کیا رو رو کے اپنا حال شبنم نے بہت ابتر

سر میدان پڑی یوں ہی رہی وہ لاش بے چارہ　　　کسی ہرنی نے اک دن دفن کر ڈالا اسے کھر کر

گراں تھا بار احسان اس کی گردن پہ پس مردن

برابر ہو کے سطح خاک سے پھر مل گیا مدفن

خدا بخشے اسے - وہ خانۂ صحرا کا تھا دولہا　　　دلہن اس کی تھی "قدرت" حسن کا جس کے تھا ڈنکا

پری پیکر نظر آتا تھا اس کی آنکھ میں سبزا　　　کہ کوئی حور تھی پہنے ہوئے اک جنتی جوڑا

تماشا اس کی سے تھی - دیدۂ عبرت تھا جام اس کا

وہ تھا اور رات دن نظارہ آشامی تھا کام اس کا

ملی ہے "شاہد قدرت" کی مٹی میں جوانی اب　　　لٹا اس کا سہاگ اور چل بسی سب شادمانی اب

وہ گلی زینت و رونق ہوئی ساری کہانی اب　　　کرے گا کون اس کے حسن کی وہ قدر دانی اب

اسی سے داغ ہے لالہ کا دل غنچوں نے خوں تھوکا

رواں بلبل کی آنکھوں سے بھی اک دریا ہے آنسو کا

وہ ندی جس میں اپنے پاؤں رکھ کر بیٹھتا دن بھر　　　ابھی تک چومتی ہے اس کے تلوے پانی بھر بھر کر

وہ طائر جھوم کر جنہیں پڑھا کرتا تھا شعر اکثر　　　وہی اب لوریاں دیتے ہیں گا گا کر بچشم تر

نسیم صبح سی آیا - وہ اس کی چتر چنچل　　　ابھی تک جھومتی ہے پنکھا لے کر ہاتھ میں آنچل

علم الاقتصاد

یا

موجودہ تہذیب

(گذشتہ سے پیوستہ)

گذشتہ مضمون میں اس علم کی مختصر تعریف اور زمانہ موجودہ میں اس علم کے رواج عام کی ضرورت بیان کر چکے ہیں۔ نیز یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں ابھی تک اقتصادی بیداری بہت کم ہے اور اس کا سبب بہت کچھ ہمارے پرانے قناعت کے خیالات اور حتی المقدور اپنے آپکو عیش و آرام میں رکھنے کی عادات ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس علم کو ملک میں عام طور پر رواج دینے کی کیا کیا تدبیریں ہیں اور وہ تدبیریں کہاں تک ممکن العمل اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

تجربہ اور مشاہدہ دو بڑے گر ہر چیز کے حاصل کرنے کے ہیں۔ یہاں خدا کے فضل سے دونوں کے لیے بہت بڑا میدان ہے بشرطیکہ اس علم کے ماہر عوام کو ٹھیک راستہ پر چلانے کی کوشش کریں۔ دیگر متمدن ممالک کے تجربہ اور مشاہدہ کے حالات اظہر من الشمس ہیں۔ ساری دنیا گواہ ہے کہ جن ایجادوں کو سنکر یا دیکھ کر ہم خواب خرگوش میں پڑے رہنے والے حیرت کے مارے آنکھیں کھولے رہ جاتے ہیں وہ سب دوسرے بنی نوع انسان کی برسوں کی لگاتار محنت اور سالہا سال کے تجربہ اور مشاہدہ کے نتیجے ہیں +

قدرتی ذرائع پیداوار میں تو یہ ملک کسی سے پیچھے رہنے والا نہیں۔ تمام غیر ملکی قوموں کے دندان آز ہمیشہ اسپر تیز رہے کیونکہ سونے کے ڈلے اور ملک بھی

ہوں گے لیکن اٹھارہ انیس سو میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا کوئی ڈلانہ ہوگا۔ زمین ہے کہ زراعتی پیداوار سے مالامال ہے۔ دریا اور نہریں گو اس قابل نہوں کہ ان میں جہاز رانی یا کشتی رانی بآسانی ہو سکے لیکن آب رسانی کے لیے بجد مفید۔ ہر قسم کی آب و ہوا موجود ہر قسم کی زمین کے قطعات کی کمی نہیں۔ ایک افریقی کو راجپوتانہ کے بیابان میں چھوڑ دو بالکل اپنا وطن معلوم ہوگا۔ ایک عرب سندہ میں جا نکلے سو عرب کا نقشہ آنکھوں میں پھر جائے۔ شملہ اور نینی تال انگریزوں کو انگلستان کی یاد دلاتا ہے اور شاید چیرا پونجی کی بارش کے سامنے تو وہ اپنے ملک کے آئے دن کے بادل اور بارش برسنے ہی کو غنیمت سمجھیں۔ ایک چینی برما میں کچھ زیادہ اجنبی نہیں معلوم ہوتا۔ تو ایک افریقہ کا حبشی اور وحشی بھی گونڈوانہ کے جنگل سے اپنے آپ کو وحشت میں کچھ زیادہ نہ سمجھیگا غرض اس براعظم میں سب قسم کے آدمی موجود ہیں بیسیوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لاکھوں کروڑوں من غلہ پیدا ہوتا ہے اس کے علاوہ سونا چاندی کوئلہ وغیرہ کی کانیں بھی ہیں صنعتی۔ پیداوار کے لیے بھی سامان بکثرت ہے بشرطیکہ حوصلہ مند اور جفاکش لوگ اُس کے استعمال پر کمربستہ ہوں +

صنعتی پیداوار جس کا ابھی ذکر آیا اسے ہم قدرتی پیداوار سے ایک طرح سے علیحدہ بھی کر سکتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ سب کچھ قدرت نے پیدا کیا ہے لیکن جبتک حضرت انسان اُس میں کثیر محنت کریں اور اپنی طرح طرح کی ضروریات کے پورا کرنے کے مطابق نہ بنائیں نری قدرت اتنا نفع نہیں دے سکتی۔ زمین قدرتی ہے لیکن اسمیں بیج ڈالنا وقت پر کھاد پانی وغیرہ کی خبر لینا اور پختہ فصل کاٹ کر اپنے کام میں لانا یہ کام انسان کا ہے پھر بھی اسے قدرتی پیداوار کہہ سکتے ہیں لیکن زراعتی پیداوار اور کانوں سے برآمد شدہ مادوں کے سوا اور سب کو

ہم مصنوعی پیداوار کی فہرست میں داخل کریں گے اور یہ مصنوعی پیداوار ہی ہے جس نے تمام دنیا کی توجہ اپنی طرف کھینچ رکھی ہے اور علم الاقتصاد کا بھی بڑا موضوع یہی ہے۔ اگرچہ زراعت وہ چیز ہے جس پر حضرت انسان کی پہلے پہل توجہ ہوئی اور اب تک تمام دنیا کا گزارہ اسی پہ ہے پھر بھی اس میں قدرت کچھ زیادہ انسان سے مغلوب نہیں ہوئی۔ بیسیوں قسم کے ہل ایجاد ہوئے لیکن جتنی زیادہ انہوں نے پیداوار دکھائی اُس سے زیادہ خرچ اُن کے استعمال میں ہوگا۔ نتیجہ یہہ کہ ایک وہی پرانے طریقے زمین کو بونے جوتنے کے چلے آتے ہیں۔ باوجود بہت سی کوششوں کے نتیجہ کچھہ قابل تعریف نہیں نکلا۔ حالانکہ مصنوعی پیداوار میں گزشتہ زمانے سے اب تک ایک اور ہزار کا فرق ہو گیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اگرچہ انسان کو قدرتی پیداوار کے کما حقہ بڑھانے میں کچھہ زیادہ قدرت حاصل نہیں لیکن جن چیزوں میں وہ قدرت کا زیادہ محتاج نہیں اُن میں اُس نے بڑے بڑے ہاتھہ دکھلائے ہیں۔ انسان سونے کی کانیں پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں جو پہلے ہی سے موجود ہیں اور اب تک دریافت نہیں ہوئیں وہ ممکن ہیں کہ کبھی نہ کبھی دریافت ہو جائیں لیکن جب اُس کے پاس سونا آگیا پھر وہ اُس سے بہت سے کام لے سکتا ہے۔ مختلف اوزان کے سکّے اور طرح طرح کے زیورات اس کی مثال ہیں۔ اور لوہا اور کوئلہ تو گویا آجکل بہت سے ملکوں کا اور خصوصاً انگلستان کا رزق رساں ہے۔ اور ایک طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ بھی صنعتی ترقی ہوئی ہے وہ انہی دونوں کا ظہور ہے۔ انگلستان کو بعض اوقات اُس وقت کا خیال کرتے جو پھریری سی آجاتی ہے کہ جب انگلستان کی تمام کانوں کا کوئلہ ختم ہو جائیگا تو کیا ہوگا وہ اس امر پر دال ہے کہ کوئلہ سے کیا کیا کام آجکل نکل رہے ہیں اور جس چیز کو ہم ایسا سمجھتے ہیں کہ جس کی دلالی میں بھی

باوجود اس کے ساتھ منہ ہی کالا وہ ان گوری اقوام کا کس قدر بڑا محسن ہے چاہے زرد رو سونا اور سفید رنگت چاندی کتنی ہی اپنی برتری کی شیخی مارے لیکن سچ تو یہ ہے ان دونوں کالے کوئلے اور لوہے نے ان کا منہ پھیر دیا ہے سونا اور چاندی کہہ سکتے ہیں کہ دولت کا اطلاق دراصل ہمیں پر ہوتا ہے اور اسلئے تمام اقتصادی ترقی ہمارے ہی دم سے ہے اور علم الاقتصاد کا منشا بھی ہمارا مطالعہ ہے یا ہونا چاہیئے لیکن غور سے دیکھیں تو ان کا یہ دعویٰ خواہ کتنا ہی زوردار ہو لیکن اقتصادی ترقی کی رو سے لوہے اور کوئلے کا پلڑا ہی جھکتا ہوا نظر آتا ہے۔ آج کل تو جو کچھ ہے انہی کے دم سے ہے۔ جن قوموں کے پاس سونا چاندی ہے لیکن لوہا اور کوئلہ نہیں اُن کا سونا چاندی آج نہیں تو کل اُن کے پاس کھنچکر چلا جائیگا جن کے پاس لوہا اور کوئلہ ہیں اور ان کا استعمال بھی جانتی ہیں یہ امر واقعات سے ظاہر ہے لہذا دراصل علم الاقتصاد کا موضوع لوہا اور کوئلہ ہیں نہ کہ سونا اور چاندی چونکہ یہ علم بہت وسیع ہے گویا تمام دنیا کی مادی ترقی سے تعلق رکھتا ہے لہذا چار چار پانچ پانچ صفحے کے دو تین مضمونوں میں اگر سارے کا سارا مطلب حل نہ ہو تو امید ہے کہ ناظرین معاف فرمائینگے

اُستادانِ علم الاقتصاد نے اس علم کے مطالعہ کو چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے پروڈکشن یعنی پیداوار۔ کنزمپشن یعنی استعمال۔ ڈسٹریبیوشن یعنی تقسیم ایکسچینج یعنے تبادلہ۔ ہر حصّہ مطالعہ پر اپنی اپنی جگہ کافی بحث کیجائے گی۔ اس وقت صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ ہر حصّہ بجائے خود بہت اہم ہے اور طرح طرح کے پیچیدہ مسائل ہر ایک سے وابستہ ہیں۔ چاروں حصے آپس میں ایک دوسرے سے اسطرح سے ملے ہوئے ہیں کہ کسی ایک حصّہ کا مطالعہ بغیر باقی حصوں کے مطالعہ کے کوئی زیادہ مفید نتیجہ پیدا نہیں کرسکتا۔ اگلے سلسلہ میں ہم انشاءاللہ ترتیب وار تشریح کے ساتھ لکھیں گے۔ تمہید تو بہت بیان ہو چکی۔ فقط

(محمد نصیر الحق۔ قریشی بی اے)

"کب تک"

مسلمو! دیر اب بھلا کب تک   لیڈروں کی یہ التجا کب تک
کام ہے یونیورسٹی کا یہ   منہ تکے کوئی آپ کا کب تک
قوم کی خود ہی کچھ کرو خدمت   لب پہ ہر دم خدا خدا کب تک
کام کچھ اپنی قوتوں سے نہ لیں   اور رہیں قسمت آزما کب تک
اپنے امکان تک تو سعی کرو   شکوۂ بخت نارسا کب تک
وقت دو بار کھو دیا تم نے   دیر کی بھی ہے انتہا کب تک
وعدہ لاکھوں کا کر چکے ہیں آپ   کیجئے گا انہیں وفا کب تک
ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو دیدو   بیٹھیں یہ قوم کے گدا کب تک
طعن دینے لگے ابھی سے غیر   جوش پر آئیگی حیا کب تک
کر لیا جمع فنڈ غیروں نے   آپ کا وقت آئیگا کب تک
کر دکھاؤ جو کہہ رہے ہو تم   یہ زبانی ہے ادعا کب تک
آگیا وقت پھر بھی ہو خاموش   یوں ہی بیٹھے ہو گے کیا، کب تک!
دیتے بھی جاؤ بھائیو! جو ہو   دیں گے قومی گدا صدا کب تک
رشک اغیار بھی کریں ہم پر   وہ گھڑی آئیگی خدا کب تک

بس زباں اپنی روک لو عابد
کہے جاؤ گے برملا کب تک

قاضی زین العابدین عابد

فلسفۂ قدیم و جدید کے ایک پہلو پر سرسری نظر

دنیا کی مختلف اقوام کا آفتاب ترقی چمکا اور ڈوب گیا مگر زمانے کی آنکھ نے اوس کے نور کو تاریکی سے کچھ ایسا بدلا کہ بابل و مصر، ایران و ہند کی سرزمین پر ہم بہتیری ٹکریں مارتے ہیں - اُن کی ایک ایک اینٹ کو اوٹھا کر دیکھتے ہیں مگر اچھی طرح سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ ترقیاں کیا تھیں اور کہاں تھیں بصرف یونان و روم دو خطے ایسے ہیں کہ اُن کی اوگلی ہوئی اولاد کے کارنامے آج ہمارے پاس موجود ہیں - روم کی جنبشِ تیغ کی داستان ہم کو یاد ہے لیکن آجکل تیغ کا نام زبان پر لانا جرم ہے کجا یہ کہ اُس کا ذکر کیا جائے اس لیئے ہم اوس کے بیان سے اپنا دامن بچاتے ہیں اور اس لیے بھی کہ مضمون زیر بحث سے اوسکو مطلق علاقہ نہیں - یونان کے دماغ کی جولانیاں کسکو معلوم نہیں - ہمارے ہاں کا تو بچہ بچہ اوسوقت سے جبکہ اوس کی عمر ابھی قطار ابجد کے شمار سے بھی فارغ نہیں ہوتی - فلاطون اور ارسطو کے نام سے مانوس ہو جاتا ہے اور وہ بد وسکے موقعہ پر کسی دوسرے بچے سے بطور ڈانٹ کے یہہ کہتا ہے "سبلے تو اتنی اکڑفوں کیوں کرتا ہے - کیا تو افلاطون کا بچہ ہے" حقیقت یہ ہے کہ یونان کی وادیوں کے رہنے والوں نے بلند خیالات کی ایسی بوچھاڑ کی کہ اُس کے سیلاب نے برطانیہ اعظم کے ساحلوں سے بحر چین کی موجوں تک ایک دل کو سرسبز و شاداب کر دیا - ہندوستان میں جس شے کو فلسفہ قدیم کہتے ہیں وہ فلسفہ یونانی ہے - مسلمان اور دیگر قوموں کے ہاتھ میں آ کے اسکی کچھ کچھ ہئیت بدل گئی مگر اصلیت اوس کی جو تھی وہی رہی - اس لیے یہ یاد رکھنا

چاہیئے کہ ہم جہاں کہیں فلسفۂ قدیم کا ذکر کریں اوس سے فلسفہ یونان لونان سمجھا جائے
لفظ فلسفہ کے اور جھگڑوں سے بچکر سب سے اوّل ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ
اوس کا اصلی مقصد کیا ہے موجودہ اور گذشتہ دونو زمانے اسپر متفق ہیں کہ فلسفہ کا
کام دانائی کی تعلیم اور صداقت کا انکشاف ہے۔ اس کے مختلف پہلو ہیں
میں اپنے اس مضمون میں صرف اس پہلو سے غرض رکھونگا جسکو ایک سوال
کی شکل میں رکھیں تو یہ ہوگا۔ کہ ہم کو مختلف علوم و فنون سے کیا فائدہ حاصل کرنا
چاہیئے اور اس سوال کا جواب حال و ماضی دونو کی زبان سے سناؤنگا

ایجادات انسانی میں سب سے زیادہ مفید حروف تہجی (alphabet)
کی ایجاد ہے، مگر یونان اس کی نسبت بے اتفاقی کی تلقین کرتا ہے وہ کہتا
ہے کہ تعلیم و تعلّم میں حروف کا استعمال ایسا ہی ہے جیسا کہ چلنے کے لیے
گڈ دستے یا تیرنے کے لیے تونبوں کا۔ ایک بچہ اگر پندرہ بیس سال تک گڈ دستے
کے سہارے سے چلتا رہے تو اوسکی ٹانگیں اور متعلقہ رگ پٹھے بیرونی مدد
کے بغیر پھر کام نہ دے سکیں گے اور نہ اس کے جسم میں اپنے وزن کو تولنے
کی طاقت باقی رہے گی بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے گڈ دستے کا محتاج ہو جائیگا
بس یہی اثر قواء دماغی پر حروف کی امداد کا پڑتا ہے۔ حافظہ بالکل کمزور
اور ادراک سست ہو جاتا ہے۔ جب صورت یہ ہو کہ ضرورت کے وقت
جو چاہا کتاب اٹھا کر دیکھ لیا تو معلومات اور حقائق کو ذہن میں محفوظ رکھنا
اوّل اوّل تو انسان غیر ضروری سمجھنے لگتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس کام کے
ناقابل بن جاتا ہے اور یہ تو اس کے قابو سے ہی باہر ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے
حافظہ سے کوئی حیرت انگیز نتیجہ پیدا کر سکے۔ اگر حروف تہجی کی یہ خارجی مدد
ذہن و حافظہ کو نہ پہونچی تو اون کو جبراً ہم آہستہ آہستہ ترقی دیکر ایک ایسی حالت پر

لیجاتے جو کتابوں کو بالائے طاق بٹھادتی اور اُن کے سامنے جو کچھ آمادہ اُن کا ہوجاتا۔ اب تو یہ کیفیت ہے کہ علوم و فنون کا نقد پیچھے ہوئے ہیں اور صفحہ پر اُنکا نقش گویا نقش بر آب یا سایۂ بر دیوار ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ شخص جو اپنے آپکو تعلیم یافتہ کہتا ہے وہ در اصل تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ کہنے کو جو چاہے کہے۔

اس طرح قدیم فلسفہ نے حروف تہجی کو دماغی قوتوں کے واسطے مضر بتایا اور کوشش کی کہ اُن کا استعمال دب جائے۔ لیکن فلسفہ جدید اپنی الگ داستان سناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قوت حافظہ بغیر امداد تجربہ کسی مفید علم کو ہرگز ترقی نہیں دے سکتا۔ وہ اسباب کو تو تسلیم کرتا ہے کہ کوشش سے حافظہ عجیب و غریب کام کر دکھا سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اون کی قیمت کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ اور جو شے بنی نوع انسان کے لیے کوئی قیمت نہ رکھتی ہو اُس کی تمنا کرنا یا اوس کے حاصل کرنے کی سعی کرنا ایک حماقت ہے۔ کیا جاہل اور کیا عالم سب پر روشن ہے کہ ترقی علوم کا چڑھاؤ کس زور پر ہے اوّل تو یہ امر مشکل بلکہ ناممکن سے بعید نہیں کہ ایک دماغ صرف ایک ہی فن کی جملہ معلومات کو اوس حسن و خوبی اور اوس ترتیب کے ساتھ جو قید کتاب میں آکر اوس میں پیدا ہوجاتی ہے اپنے ذہن میں ہرگز کسی طرح جمع کرلے۔ دوم یہ کہ بفرض محال کر بھی لیے تو اس کا بڑا کھٹکا ہے کہ وہ معلومات کسی دوسرے ذہن تک کامل طور پر پہونچنے سے پہلے موت کی ایک ہی پھنکار میں کہیں تہ خاک نہ ملجائیں ایک نٹ جو بانس پر چڑھ کر ناچتا ہے یا اوسپر چت لیٹ کر چکر لگاتا ہے اُس کا یہ کام بھی ایک کمال ہے اور اُس کے اعضاء کی یہ بھی ایک عجیب ترقی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس سے دنیا کو کیا فائدہ پہونچتا ہے۔ یہ جسمانی کمال ہے اور حافظہ کی وہ ترقی ایک دماغی کمال۔ لیکن نہ یہ کام کا اور نہ وہ کام کا

یعنی جس کا جو دل چاہے وہ کہے ۔

اس کے بعد ہی علم یا فن طب پر دونوں فریق کی رائے سنیئے۔ پرانے کچھ کہہ گئے اور نئے کچھ کہتے ہیں۔ اول الذکر تو بعض حالتوں کے علاوہ اس فن کو سرے سے دور از کار یا بالکل مضرت رساں سمجھتے ہیں۔ فلاطن پرانے گروہ کا لیڈر تھا وہ اسباب میں یہ رائے رکھتا ہے کہ فن طب اگر کسی توجہ کے قابل ہے تو صرف اس وجہ سے کہ کسی مار گزیدہ یا پاؤں سکتے کو اچھا کر دے یا اتفاقیہ طور پر کسیکو کوئی مرض لاحق ہو جائے تو اوسکو دور کر دے۔ ورنہ وہ ایک ایسا فن ہے کہ اوسکے پر التفات کرنا دست بدکو توانا کرتا ہے۔ کیا دانشمندوں کے نزدیک وہ شئے توجہ کی مستحق ہے جو شباب کے بگڑنے کی خبر لے۔ جو عیاشوں کے عیش میں مدد دے۔ جو اس وجود کو فنا کے ہاتھ سے بچائے جس کا دل و دماغ اس کے افعال مذموم نے دیمک بنکر چاٹ لیا ہو۔ جو آب آتش رنگ کے پیلے پھپیٹروں پر غور کرے جو بسیار خوروں اور چٹوروں کو اپنے کئے کا مزا چکھنے سے روکے جو مزمن امراض کی رفتار کو سست کر کے مریض کو ایک لمبی موت کا لقمہ بنائے نہیں ہرگز نہیں! یہ لوگ تو وہ ہیں جو واقعی قدرتی سزا کے مستوجب ہیں جن کو اپنی حرکات ناستودہ کی پاداش ضرور ملنی چاہئے۔ ورنہ انصاف کا خون ہوگا اور وہ لوگ جو قدرتاً کمزور طبع نحیف و لاغر ہیں وہ جتنی جلد زمین کے شکم میں پہونچیں اوتنا ہی اچھا ہے۔ خود اون کے لیے بھی اور دنیا کے لیے بھی۔ کیا فائدہ ہے ایسے لوگوں کے زندہ رہنے سے جو نہ میدان جنگ میں اوتر سکیں۔ نہ طاقتوروں کے مقابلہ میں اپنی اور اپنے متعلقین کی ہستی کو بچا سکیں۔ جو نہ امور خانہ داری کو انجام دے سکیں اور نہ سلطنت کے کچھ کام آسکیں۔ جو نہ فلسفہ و حکمت میں کوئی گہری نظر پیدا کر سکیں۔

اور جو غور و خوض سے گریز کریں۔ ایسے لوگوں کے لیے سب سے بہتر جو نسخہ تجویز ہو سکتا ہے وہ شربت مرگ ہے۔ اور بستر علالت سے اوٹھا کر ان کو کنار لحد میں سلانا اُن کے لیے بڑا مفید ہے +

لیکن نہایت مختلف ہے موجودہ یورپ کی رائے۔ افلاطون کی یہ خواہش نہیں کہ انسان کو کامل بنایا جائے ہمارے یوروپ کی یہ کہ انسان کو آرام پہنچایا جائے۔ کامل تو صرف خدا کی ذات ہے۔ انسان نہ تو کامل ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے جس طرح رب جلیل کا آفتاب سب کو ایک آنکھ دیکھتا ہے سفید و سیاہ دونوں پر چمکتا ہے جس طرح اوس کا مینہ نیک و بد دونوں پر برستا ہے جس طرح اس کے مراحم شاہانہ اس دنیا میں متقی گنہگار اور ایک بدشعار دونوں پر یکساں اوترتے ہیں۔ اسی طرح جدید فلسفہ کا بازو نیک و بد دونوں پر پھیلنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فلسفہ انسان کے لیے ہے نہ یہ کہ انسان فلسفہ کے لیے۔ ہر شخص فلسفی نہیں بن سکتا مگر ہر شخص تک فلسفہ کی مسرت بڑھانے والی اور درد و دکھ کم کرنے والی شعاع پہونچ سکتی ہے اور فلسفہ کا یہی اصلی مفہوم ہے۔ کیا افلاطون کی نظر میں وہ شخص جو بچپن کے زمانے اور بھولے پن کے سن میں بری صحبت کے اثر سے کسی بری عادت کا عادی ہو گیا ہو۔ اس لائق ہے کہ زندہ چھوڑ دیا جائے۔ کیا وہ شخص جو اپنے ماں باپ کی بے عنوانی کی بابت کمزور دماغ پیدا ہوا ہو اور جس کے سر میں ایسا غور جی کے مطالعہ کے وقت احساس ... درد ہو ... بلقمہ کے حکام کی یک ایک کا مطالعہ کر کے اپنے لبوں پر تبسم تڑپا رہا ہو۔ اس قابل ہے کہ ایک گڑھا کھود دے۔ اور اوس میں گھس جائے۔ اگر افلاطون کا فلسفہ بندگان خدا کے لیے قبریں تیار کرتا رہتا ہے تو بس سلام ہے ایسے فلسفہ

معراج الکلام فی کلام المعراج

"حضرت توفیق یعنے مولوی سید جلال الدین صاحب مہدوی حیدرآبادی" "نے مختلف شعرا کے متفرق نعتیہ اشعار پر جو لاجواب خمسہ تحریر فرمایا" "ہے وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے"۔

"اِس خمسہ نعتیہ سے جو حقیقی عظمت و جبروت محبوب خدا پیغمبر اسلام" "صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ظاہر ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ قائل شاعر" "کے دلی جذبات جو حسن بیان و بندش کلام سے مترشح ہیں بیحد اثر" "پذیر ہیں کلام میں فصاحت و بلاغت کی موجودگی سے حضرت توفیق" "مدظلہ کی جو دقیقہ رسی اور نکتہ شناسی پائی جاتی ہے تصریح طلب نہیں ہے"۔ سید محمد

تجھی سے سلسلہ ملتا ہے فیضانِ مجدد کا　　تجھی پر منتہی ہوتا ہے نقطہ دورِ سرمد کا
ہوا ظاہر جو پردہ اٹھ گیا قیدِ مقید کا　　محمد مصطفےٰ پتلا ہے تو نورِ مجرد کا
بنا خورشید اقلیم عدم سایہ ترے قد کا　　(محسن)

نہ ہوتا وہ اگر موجود تو معدوم تھے سارے　　کیا حق نے اُسکو خلق پہلے نور سے اپنے
وہی ہے اک طرازِ اولیں نقشہ میں ہستی کے　　شروع دفتر امکاں میں بسم اللہ کے بدلے
قلم نے نام لکھا لوح پر پہلے محمد کا　　(امیر)

ہوا جس وقت فرط شوق میں نال آپ سے باہر　　لگائے سدرہ کے گرد سواری سیکڑوں چکر
کبھی ہاتھوں کو جوڑا اور کبھی کچھ عرض کی رک کر　　رکابوں سے ملیں آنکھیں جھکایا سر کو قدموں پر
ملا جبریل کو رستہ میں کیا موقع خوشامد کا　　(انیس)

ہوا منظور جب اسکو بنانا تیری صورت کا　　تو کیں اوس نے ہزاروں سال تک آئینہ پیدا کیا

ہوا ہے دید میں پہلا مرقع دہو دیا سارا ۔ مٹا ڈالیں بنا کر صورتیں آدم سے تا عیسیٰ
تب آیا راست نقشہ کلک قدرت سے ترے قد کا (محسن)

ہٹا پردہ نہ آگے سے نہ چادر دوش سے سرکی وہی تہی برہمی گیسوئے مشکیں و معنبر کی
وہی جنبش جو تہی تا واپسی تہی حلقۂ در کی گئے حضرت جہے حضرت نہ تہی گرمی بستر کی
قدم تہا ایک ہی گویا برآمد کا در آمد کا (امیر)

ہوا جو نور سے پہلے جلوہ گر علم حقیقی میں ملا علم اوسکو سب سے بیشتر علم حقیقی میں
اوسی کا نام تہا خیر البشر علم حقیقی میں ہوا آخر میں گو پیدا مگر علم حقیقی میں
محمد کو دیا حق نے سبق فیض محمد کا شمسی مہدی

عجب پائے ہیں اس نے بہی صفات خارج و داخل ہوئی ہے کسکو ایسی شان امکان و قدم حاصل
سوئے وحدت بہی راغب جانب کثرت بہی مائل اودہر اللہ سے واصل ادہر مخلوق کا شامل
خواص اوس برزخ کبریٰ میں ہی حرف مشدد کا شہیدی

بشارت اہل ایماں کو ہوئی حاصل تری در سے شفاعت آب رحمت بن کے ٹپکی دامن تر سے
اوٹھا شام ضلالت کا عمل ہر مرز و کشور سے گھٹی ظلمت بڑہی صبح ہدایت اوج خاور سے
جو چمکا مہر رخشاں تیرے ارشاد مجدد کا شمسی مہدی

اوسکی پرتو رخ سی فروغ دست موسیٰ ہے اوسی کے دم سے جاں بخشی انفاس مسیحا ہے
وہی دیباچۂ تقویم خلق دین و دنیا ہے وہی ارتیح کتاب آسمانی کا خلاصہ ہے
وہی مقصد ہے بیشک اس رباعی مجدد کا بحر

ہوئی جس وقت منظور نظر بے پردگی اپنی تو نکلا جلوۂ حسن ازل سے بنکے شیدائی
نکالی آپ اپنی دید بازی کی سبیل اچھی خدا نے زیب و زینت کی جو بزم آفرینش کی
لگایا اوس میں قد آدم آئینہ تیرے قد کا محسن

یہ تہی مرضی کہ تجہہ پر ختم آغاز رسالت ہو یہ تہی خواہش کہ تجہہ پر منحصر اتمام حجت ہو

یہ تھا منشا کہ حاصل تجھکو فخرِ بعثت ہو		یہ تھا منظور رفتہ رفتہ تکمیلِ نبوت ہو
خدا نے منتظر رکھا جو تیری آمد آمد کا		نوشین

نہ ہوتا کچھ اگر تاباں نہ ہوتا نورِ جاں تیرا		بہارِ روضۂ ہستی ہے رنگِ بوستاں تیرا
مکینِ لامکاں ہی تو مکاں ہے لامکاں تیرا		مدارِ خلقتِ ارض و سما ہے آستاں تیرا
وقارِ عزتِ لولاک تھیں تیری مسند کا		شمسی مہدی

تکوّن تیرے انوارِ قدم کا ایک ذرہ ہے		قرآں تیرے آیاتِ کرم کا ایک آیہ ہے
تفرّد لوحِ عصمت کا تری اک نقشِ زیبا ہے		تقدس شکلِ مظہر ہی تری ہی ایک جلوہ ہے
تجسّد ایک پردہ تیری تشبیہِ مقید کا		ایضاً

تو ہی ہے مصدرِ ایجاد ہستی تجھ سے مشتق ہے		بہارِ حسنِ ایجاد پردے تیرا سب کو ولق ہے
ترا سایہ حقیقت میں سراپا سایۂ حق ہے		ترا ہالا ہر لمحہ میں پردۂ تشبیہِ مطلق ہے
ترا باطن ہے اک آئینہ تنزیہِ مجرد کا		ایضاً

نگاہِ تیر دیکھی تیر چلتا سر دلماں		ہزار دل لی لی تا تیری اک جنبشِ مژگاں
قدمبوسی کا دل پر نقشِ پا کے رہ گیا ارماں		قدم ہستی کیا ہی تیز آئی سواری جانبِ امکاں
نہ پہنچا ساتھ آخر رہ گیا سایہ ترے قد کا		اسیر

مہ و انجم نے جس کے سامنے کی تھی جبیں سائی		ہوئی آدید منت تک رہی یعقوب کو جسکی
زلیخا نے جو خوابِ آلود میں شکل تھی دیکھی		نہ تھا کوئی مگر تھی ایک تجلی نورِ احمد کی
لقب تھا یوسفِ یعقوب جس حسنِ صفت مد کا		توفیق

نگینِ خاتمِ ہستی ہے تیری جلوہ فرمائی		نہ ہوتا تو تو ہوتا نقشِ ہستی حرفِ بے معنی
قدم اک صورتِ دلچسپ نظمِ مایۂ ہستی		ازل اک شکلِ دلکش تیری لوحِ آفرینش کی
ابد اک رنگِ زیبا تیرے ایوانِ مشیّد کا		شمسی مہدی

ملا فیض قدم سے تیرے رتبہ آفرینش کو		ترے مقدم کا ہاتھ آیا بہانہ آفرینش کو

کیا جب بقدرت خالق نے پیدا آفرینش کو ترے قضیہ کا ٹھیرایا نتیجہ آفرینش کو
بنایا علتِ ایجاد تجھکو دورِ سرمد کا — شمسی مہدی

شب معراج میں امت کے عقدے حل ہوئے سارے بڑھا اپنے کو شوق وصل فرقت کے اٹھے پردے
ملیں یا ہم کماں سے جیسے دو گوشے سے ایسے جگہ معشوق کو عاشق نے دی آغوش میں اپنے
کنارِ لامکاں نکلا کنارہ شوق بیحد کا — توفیق

بنیں کس طرح لمعات قدم ذرات اکوانی نہیں آسان رہ مشکل اوّل جانبِ ثانی
نہ تھا ممکن کہ دیکھے نور واجب چشم امکانی نظر بازی سے اوسکی کیوں نہ موسیٰ کو حیرانی
چراغ طور پروانہ ہے جس کی شمع مرقد کا — شمسی مہدی

رہی صورت میں تھی خواہش جمال اپنا دکھانے کی ہوا تو جلوہ گر اللہ سے شوخی بہلانے کی
خودی نے نغمہ کہیں چھیڑا امیدیں ملنے کی خدا نے خود خبر دی لے شادیں تیری آنیکی
بنا کر محمد تو مشتاق اپنی آمد آمد کا — ایضاً

کیا اقرار یکتائی نہ جس نے ذوالفقار آیا لگایا جس نے نخل سرکشی خود اس نے پھل پایا
چراغ سنت حنیفی نے جلوہ اپنا دکھلایا ہوئی شام آفتاب بت پرستی پر زوال آیا
مہ نو خوب چمکا بدر میں تیغ محمد کا — محسن

کرے کس طرح ثنا بیشہ صنعت کس کے سراپا کی وہ عالم میں ہے اک تعشیق دو نہریں ہیں دریا کی
ملا ہے ایک نقطے سے خط ارضی و افلاکی برادر دونوں جبرئیل و علی ہیں نوری خاکی
ادھر بھی ہے ادھر بھی سلسلہ ثابت محمد کا — امیر

ابو حامد سید محمد مہدی

ناظرین تمدن براہ کرم خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف ۔

ونٹرسٹیل

سسلے کا بادشاہ لیونٹس جس کی پری جمال ملکہ کا نام ہرمونیا تھا۔ اور امن و امان کی دنیا پر جس کی فرماں روائی تھی جیسی کچہ اوسکی سلطنت شورش اور طوائف الملوکی سے پاک تھی۔ ویسی ہی بادشاہ کی شبستان عشرت میں جام عیش اور ساقی مہوش کے سوا کسیکی رسائی نہ تھی۔

کنگ لیونٹس اور کوین ہرمونیا میں باہمی جو لطف اور پیار تہا اوسے دیکھتے ہوئے تو رات و دن کے ۲۴۔ گھنٹے عیش و مسرت کے پہولوں کی سیج پر گذرتے تہے۔ مگر ایسی صحبت عیش میں کبھی خوش مزاج لیونٹس کے دل کا کنول یاد طفلی کی باد سموم سے مرجھایا ہوا نظر آتا تہا۔ جب بچپن کے یار پولکسن کی گرما گرم صحبت اور پہر خواب میں بہی اوس کی صورت نظر نہ آنے کا خیال اُسے آجاتا۔

اس شاد و کامران بادشاہ کی یہی ایک آرزو تہی جو برنہیں آئی تہی۔ ورنہ کامیابی عیش کا کوئی سامان نہ تہا جو یہاں مہیا نہ ہو۔

لیونٹس اور پولکسن نے اپنے بچپن کا زمانہ ایک ساتہ بسر کیا تہا۔ ایک ساتہ کھیلے کودے پڑہے لکہے۔ لیکن دونوں کے والدین کی اچانک موت نے ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا تہا۔ جہاں سے جدا ہو کر دونوں کو اپنے اپنے ملک کی عنان حکومت اپنے ناتجربہ کار ہاتھوں میں لینے پڑی۔ جدائی کے وقت کا اثر دونوں کے دلوں نے ایسا گہرا لیا تہا کہ اب تک تازہ تہا۔

آفتاب عالمتاب اپنا نصف دائرہ مسافت قطع کرکے نصف زیرین کی طرف جارہا ہے اوس کی حدت و تیزی اوس کا نصف النہاری جاہ و جلال اوس کا آنکھ نہ سامنے کرنے والا پُر رعب چہرہ بالکل زرد پڑ چکا ہے۔ اور اوس کی نمرودزہ آن پر ایمان لانے والوں کے "لا احب الآفلین" کہنے کا وقت قریب ہے خوشگوار خنکی اُن جسام کو اپنا منت کش احساس بنارہی ہے جن کا اب تک دہوپ کی تیزی سے ناک میں دم آگیا تھا۔ ۱۱۳۷۴۹

بادشاہ معہ بادشاہ بیگم کے پُر تکلف اور خوشنما ایوان شاہی سے برآمد ہوکر خانۂ باغ میں مصروف گلگشت ہے ٹہنڈی ہواؤں سے شگفتگی کا اثر دل پر ہورہا ہے۔ نہریں انداز میں کوثر و تسنیم کو مات کررہی ہیں پرندے بسیروں میں جانے کی دوڑ دہوپ میں ہیں۔ قدرت کے ان دلچسپ تماشوں میں بادشاہ محو ہورہا تہا۔ کہ چوبدار نے سامنے آکر مجرا شاہی عرض کیا اور کہا کہ شہنشاہ یوہونیا حضرت اقدس واعلی کے ایوان معلّی میں عنقریب مہمان ہونے والے ہیں۔ جلوس دارالسلطنت کے قریب آچکا ہے پیش خیمہ آچکا یہ سنکر بادشاہ نے تعجب خیز لہجہ میں چوبدار سے پوچھا۔ بہلا میرے معزز مہمان کتنے دور ہوں گے اور کتنے عرصہ میں وہ یہاں پہونچ جائینگے۔

چوبدار۔ (داب شاہی ملحوظ رکہکر مودبانہ لہجہ میں) ہمارے بادشاہ جمجاہ کے عالی قدر مہمان ایک گہنٹہ کے اندر قصر معلّی میں داخل ہوجائیں گے اب سواری دو چار میل کے فاصلہ پر ہوگی ؛

اس کے بعد بادشاہ نے سپہ سالار فوج کو طلب کیا اور حکم دیا کہ استقبالی والنٹیروں کا رسالہ دوسرے بادشاہ یوہونیا کا استقبال کرنے کو فوراً روانہ کیا جائے۔ اور حضوری باڈی گارڈ کا رسالہ اپنی مغرق وردیوں اور چمکدار اسلحے

آراستہ ہوکر بیرون شہر خیر مقدم کرنے جاؤ اور فوری اسکی تعمیل کرو۔
بادشاہ نے یہ حکم دیا اور نہایت بے تابی سے یولکسن کے انتظار کے مزے لوٹنے لگا۔ بادشاہ پہلے چہل قدمی کر رہا تہا۔ خیالات انتظار کے وفور سے اوس کے قدم تیز اوٹھنے لگے۔ اب بادشاہ ٹہل رہا تہا۔ بلکہ ہلکی دوڑ دوڑ رہا تھا۔ اور انبساط اوس کے چہرہ سے نمایاں تہا۔ بادشاہ بیگم نے اس تیز چہل قدمی میں اوس کا ساتہہ چھوڑ دیا تھا۔ اور کچہہ خوش رنگ پہولوں سے خوش فعلیاں کر رہی تہی کہ دفعتًا فوجی بینڈ کی خوشگوار گت نے بادشاہ کو پہونچنے کے ورود کا مژدہ منتظر میزبانوں کے (بادشاہ اور بادشاہ بیگم) کے کانوں کو سنایا۔ بادشاہ فرط انبساط سے اوچہل پڑا۔ شہر کے اندر داخلہ ہوتے ہی سلامی کی توپیں سر ہونی شروع ہوئیں ایوان شاہی میں ایک باقاعدہ ہلچل پیدا ہوگئی۔ کہ سواری ایوان شاہی کے سامنے آئی بادشاہ نے جوش مسرت سے مغلوب ہوکر بچپن کے بچھڑے ہوئے دوست کے شوقِ دید میں ایوان شاہی کے صدر دروازہ پر آکر مہمان کا استقبال کیا۔ دونوں آرزومند نگاہیں ملیں۔ کچھ قطرہ آنسوؤں کے پہلے نظروں کے دونوں طرف سے نچھاور کیئے گئے۔ پھر دونوں بادشاہ ایک جوش بیخودی میں باہم بغلگیر ہوئے اور میزبان بادشاہ اپنے عالی مرتبت مہمان کو اوس کے دونوں بازوؤں میں ہاتہہ ڈالے ہوئے ایک بے ساختہ انداز کے ساتہہ لے کر آراستہ و پیراستہ سجے بجائے موتی محل میں داخل ہوئے

(۳)

فلک کجرفتار تیری عربدہ پردازی ہمیشہ نئے رنگ دکھاتی ہے تجہے ایک [illegible] کو پیکر مقصود سے ہم آغوش کرانے میں جیسا مزہ آتا رہے

ویسا ہی ایک آرزو مند و سراپا امید کے تخیلات آرزو پر پانی پھیرنے میں بھی
تو خوش ہوتا ہے تو ترساتا بھی ہے کہیں اختلاف دور کرکے موافقت کے
پھول کھلاتا ہے اور کہیں اختلاف کا ایسا بے سان و گمان شوشہ چھوڑ دیتا
ہے کہ ایسے دو دل جو باہم شیر و شکر اور قید غربت سے آزاد ہوئے
ہیں جو ایک جان دو قالب کا وجود ہوتے ہیں اور جن میں سے ایک کی
زندگی بغیر دوسرے کے نیم جانی اور تلخکامی سے گذرتی ہے۔ جن کی ایک لمحہ
کی جدائی پہاڑ ہوتی ہے۔ اون کو دو دل اور دشمن جانی بنکر ایک کو دوسرے
کا درپے آزار کر دیتا ہے +

ہرمونیا کون جو کل ملکہ ہرمونیا تھی اور بادشاہ کے آنکھوں کی پتلی تھی وہ جس کے
پیر میں آج قید ستم کی بیڑیاں ہیں اور اُف کرنے کی مجال نہیں۔ گلبدن ہرمونیا
جس کی نزاکت چشم بداندیش کی تاب نہیں لاسکتی تھی۔ آج ہر طرح کی سختیاں جھیل
رہی ہے۔ اُف غضب۔ اُس کا پھول سا جسم اور یہ ظلم و ستم کے کوڑے
اوس کا کنول سا دل اور یہ مصائب کے سخت درّے۔ کل جس کی خوشی عین بادشاہ
کی خوشی تھی۔ اور جس کا حکم شاہی سے بالا تھا۔ آج بادشاہ کی نظر اوس سے
ستم آفریں گردش دوار کے ایک ادنے اشارے میں ایسی پھر گئی۔ کہ ان میں ل
تیل ہی نہ تھا۔ گویا مہر و لعنت کا تو ذکر کیا غیض و غضب کی انتہا نہیں۔ آخر کوئی
جرم تقصیر۔ واقعات ہم سے اور آپ کسے سے پوشیدہ نہیں کونسی فرد
مظلوم ہرمونیا کے مہمان نوازی کے شریفانہ برتاؤ اور فرماں شوہری کی
تعمیل میں اوس پر لگا دی گئی۔ اور اوس پر تمام مظالم کی جو اوس کی ہنسی سی
جان پر گذر رہے ہیں۔ بنیاد قایم کی گئی۔ تو اوس کی کنہ اگر آج نہیں تو کل
ظاہر ہوکے رہے گی اوس وقت رکیک الخیال۔ حاسد۔ اور ضعیف الرائے

سے کہنے والے بادشاہ کو خود اپنے کئے پر پچھتاوا ہوگا۔

پولکسن اپنے دوست لیونٹس کی پرشوق ملاقات اور شاہانہ ضیافتوں کا ایک گہرا نقش اپنے دل پر لیکر کامل ایک ماہ کے بعد واپسی وطن کا ارادہ ظاہر کر رہا ہے۔ لیونٹس کی طرف سے ابھی کچھ دن اور رہنے کا اصرار ہو رہا ہے۔ بادشاہ کہہ تھکا۔ تو اوس نے ملکہ کو اشارہ کیا کہ تم کہو۔ شاید تمہارے کہنے کا اثر ہو۔ بچپن کے گہرے دوست گفتگو میں انداز بے تکلفی سے ہر طرح کہنے سننے کا موقعہ تھا۔ ملکہ کی طرف سے حسب ایمار لیونٹس تہذیب و تکلف کے لہجہ میں یہ سلسلہ جو چھڑا تو بیچارہ پولکسن عجب کشمکش میں پڑ گیا اصرار بڑھتا گیا مجبوراً تکلف اور جنس لطیف کے مقابلہ میں قدرتی انفعال نے اوس سے فسخ عزیمت کرا دیا۔ اور پولکسن رہ پڑا۔ اب سنئے۔ فوری مسرت لیونٹس کو پولکسن کے رہنے سے تو ضرور ہوئی۔ مگر اوس کے کینہ جو دل میں ایک چور سا پیدا ہوگیا۔ جس نے اوس تنگ خیال کوتاہ اندیش بادشاہ کے خیالات کو اس کی تلاش کی طرف مائل کیا کہ "کیوں میرے اصرار پر نہ ٹھیرا اور ملکہ کے کہنے سے ٹھیر گیا،، اور اوس ملکہ عصمت کی طرف سے بادشاہ نے خیالات فاسد پیدا کر لئے جس کی پاکبازی و عفاف کا ایک عرصہ تک اوسے تجربہ ہو چکا تھا۔ اور پولکسن سے بھی بادشاہ بدظن ہوگیا۔ جس کا لازمی نتیجہ اس بد اندیش اور حاسد بادشاہ کی طرف سے اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ کہ وہ اس کا کوئی آزار انکو پہونچائے۔ چنانچہ اس نے فوری کیملو کو جو اسکی دربار کا ایک معزز کرسی نشین تھا۔ اور بادشاہ کو اوسکی رائے صائب کا اکثر تجربہ ہوا تھا) طلب کیا۔ اور سارا ماجرا اوسے کہہ سنایا اس لئے بادشاہ اکثر نازک خانگی اور ملکی امور میں اوس سے پرائیوٹ مشورہ بھی طلب کیا کرتا تھا

اور حکم دیا کہ تم فوراً پولکسن کو زہر دینے کی تدبیر کرو۔ ہر تو نیا کے لیے سوچ کو ئی حکم دیا جائے گا +

(۴)

رات کے دس بج گئے ہیں۔ گیارہ کا عمل ہے۔ کمیلو اپنے کمرہ میں خاموش بیٹھا خیالات میں غلطاں و پیچاں ہے کہ بُورسے (خانساماں) نے آکر عرض کیا میز طیار ہے۔

کمیلو۔ (جیسے غنودگی سے کوئی ہوشیار ہوتا ہے چونک کر) کھانا چُنا گیا +

بُورسے "سب طیار ہے سرکار تشریف لے چلیں +

کمیلو کرسی سے اٹھا۔ آفس کلاک کی طرف وقت دیکھنے کو اوسکی نگاہ اوٹھی تھی کہ کلاک نے ٹن ٹن گیارہ بجائے۔ کمیلو کھانے کے کمرہ میں گیا۔ اور میز پر بیٹھ گیا دو چار بیریں لیں اور اونیں سے کچھ کھایا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ کھانے کے کمرے سے اوٹھ کر خلاف معمول آفس ڈپارٹ میں پھر آگیا۔ کیونکہ ڈرائنگ روم سے نکلکر پندرہ منٹ تک کھلے برانڈے میں چہل قدمی کرنا اوس کا معمول بہ تہا۔

مگر آج کسی گہری فکر کے آثار اوس کے بشرے سے نمایاں ہیں جس سے اوس کے اندرونی پیچ و تاب کی کیفیت صاف ظاہر ہو رہی ہے۔ کمرہ میں آکر وہ لکھنے کی میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر کرسی پر ٹیک دیے اور آنکھیں بلند کرکے چھت کی طرف دیر تک دیکھتا رہا۔ اور کچھ الفاظ اُس کے منہ سے مدہم آواز میں نکلنے لگے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں بادشاہ کے حکم سے پولکسن کو زہر دوں۔ یہ ارتکاب زہر خورانی سراسر خلاف قانون خلاف اخلاق اور شرافت سے بعید ہے پھر بادشاہ کو کیا جواب دوں۔ یہ مجھے

معلوم ہے۔ کہ بادشاہ کی برافروختگی محض حاسدانہ ظالمانہ ہے۔ پولکسن اور ملکہ ہرمونیا دونوں اس کا شکار بننے والے ہیں۔ پھر کیا میں انہیں سے کسی کی امداد کرسکتا ہوں، ہرمونیا پر میرا دسترس نہیں۔ البتہ پولکسن کو بادشاہ کے اس گھات کی اطلاع قبل از فعل دے دوں تاکہ وہ اپنا بچاؤ کرسکے اور اس کے پھندے سے نکل جائے۔ مگر پھر میری خیر نہیں۔ بادشاہ یہی سمجھے گا کہ میں ہی اوس کا بھیدی تھا۔ اوس کا شبہ میرے سوا کس پر ہوگا مگر ملکہ کو اس پنجۂ ظلم میں چھوڑ دینا سراسر بزدلی ہے۔ اچھا کوئی تدبیر سوچوں گا۔ بالفعل پولکسن کو خبردار کردینا چاہیے۔ جس کی جان جوکھوں میں ہورہی ہے" یہ کہتے ہوئے وہ سنبھل کے بیٹھا۔ اور سگار کیس اٹھا کر اوس میں سے ایک سگار جلایا اور پینے لگا۔ پیتا تھا اور بطور شغل انگلی اوس پر مار کر اوس کی خاک گراتا تھا۔ یہ کرتے کرتے وہ کرسی سے اٹھا اور کالا بوٹ پہنکر اپنے بنگلے کے کمپونڈ سے نکلا۔ اور کچھ ٹھہر کر سوچنے لگا۔ پھر قدم اٹھایا اور شاہ بوہیمیا کے کمپ کیطرف چل نکلا چلنے کو تو چلا مگر دل سینے میں اچھل رہا تھا۔ پھر چلتے چلتے رک جاتے تھے خیر بدقت تمام وہ کمپ کے قریب پہونچا تو گشتی پولیس نے اسے روکا۔ مگر اوسے اطمینان بخش جواب دے کر وہ کیمپ میں داخل ہوا۔ شاہی خیمہ کے پاس پہونچتے وقت بھی خاص پہرہ والے کیطرف سے اوس کی تھوڑی ہوئی روک ہوئی۔ مگر کیملو نے اوس سے کچھ آہستہ باتیں کیں۔ اور اوس نے پردہ اٹھا کر اندر سے پہرہ دینے والے سے کچھ کہا۔ اور چند منٹ کے بعد کیملو اوس کے توسط سے اندر جاکر باریاب ہوا۔ اس کے کہنے کی

ضرورت نہیں۔ کہ کمیلو نے اپنے اخلاقی سفارت کس خوبی سے ادا کی اور کس کشادہ دلی سے اوس کا خیر مقدم ہوا۔

بہرحال کمیلو اور نپولین کا ایک عرصہ تک تخلیہ رہا۔ اوس کے بعد بادشاہ نے داروغہ اصطبل کو طلب کیا جس کو وہ خاص سواری کے تیز دم آراستہ گھوڑے اور چار سواروں کی حاضری کا حکم دیا۔ اور پھر اپنے مشیر خاص کو بلاکر اوس سے کسی امر میں شورے کیا۔

حکم کی دیر تھی استنے میں گھوڑے اصطبل سے تیار ہو آئے اور سوار ہوگئے چوبدار نے اطلاع دی۔ بادشاہ اور کمیلو دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور کیمپ سے باہر ہوتے ہی صبا دم گھوڑے ایک سمت اوٹھا دیے گئے

باقی آیندہ۔

سید سخاوت حسین

مرحوم شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل - ایل - ڈی - ڈی رواُل کی تصویر

جو زیب ورق اول ہے امید ہے کہ ناظرین تمدن کی بجد دلچسپی کا باعث ہوگی یہ مقدس صورتین جن کے دل و دماغ علمی خزانے تھے جو آج بے خبر پڑی سوتی ہیں۔

امہات الامہ جس پر ہم پچھلے پرچہ مین بحث کر چکے ہین۔ جس دقعت کی کتاب تھی اس کا اندازہ ناظرین ماہ گذشتہ اور حال کے پرچہ سے کر سکتے ہین ہم اب بھی یہی کہتے ہین کہ ایسی صورتین اب مشکل سے نظر آئینگی جو اسلام کو غیر مسلمون کے سامنے اسطرح افضل ثابت کر جائین کہ پڑھنے والے کو ان کے اپنے مذہب کا پتہ نہ لگے۔ منطق و فلسفہ ہر حرف کی تصدیق کرین اور حسن عقیدت کی لہرین دل سے زبان تک نہ آنے پائین

مثلث

(از حضرت مولانا مولوی سید جلال الدین صاحب توفیق مہدوی حیدرآبادی)

کھوئے گئے ہم خود ہی دل کو بھی گنوا بیٹھے — اور داغ ہوس دل سے افسوس مٹا بیٹھے
اک شمع جو روشن تھی اسکو بھی بجھا بیٹھے۔

دیدار کی حسرت میں ارمان تماشا میں — آخر کو ترے بدلے ہم جوشش تمنا میں
تصویر تری ظالم سینہ سے لگا بیٹھے

کیوں قبر پہ آج اوسکی جا نکلے ہوا کیا تھا — یوں غیر کا مرنا ہی اچھا تھا برا کیا تھا
سوئے ہوئے فتنہ کو ناحق وہ جگا بیٹھے

کچھ لی بھی خبر تو نے اے بانی شر آخر — دکھلایا تغافل نے تیرے یہ اثر آخر
ہم آپ کو بھی بھولے دلکو بھی بھلا بیٹھے

ہم پہلو سے ارماں تھا ہر چند شب ان کا — ملنے نہ دیا لیکن انداز حجاب ان کا
ہم اون سے الگ بیٹھے وہ ہم سے جدا بیٹھے

کیوں ایسے وہ برہم تھے کوئی اسے کیا جانے — کیا بات سمائی تھی خاطر میں خدا جانے
اک بات پہ عاشق کو سولی جو چڑھا بیٹھے

صد شکر کہ آنا بھی کس وقت ہوا تیرا — صد شکر کہ یہ کیسا احسان ہے گھٹا تیرا
بجلی کے چمکنے سے نزدیک وہ آ بیٹھے

کس طرح سے بر آئی اک حسرت بیجا تھی — ملنا بھی ترا گویا اپنی ہی تمنا تھی
ظالم ترے ملنے سے ہم ہاتھ اٹھا بیٹھے۔

کہنے کو تو کہہ گذرے گذری جو دل جاں پر — پچھتاتے ہیں اب اپنی بیتابی ارماں پر
کیوں قصۂ غم چھیڑا کیوں انکو رلا بیٹھے

زندگی

زندگی اس وقفۂ چندروزہ کو کہتے ہیں جس کی ابتدا اور انتہا عدم ہے ایک چیز جس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا ایک زبردست قوت سے متاثر ہوکر ایک شکل وصورت اختیار کرلیتی ہے اور عالم اسباب میں نمودار ہوتی ہے۔ قوانین قدرت کے تابع فرمان رہ کر نشوونما کرنے لگتی ہے موافقت آب وہوا سے اس میں بہت سی قوتیں پیدا ہوجاتی ہیں اور جب یہ قوتیں ترقی کرتے کرتے معراج کمال پر پہنچتی ہیں تو پھر ان میں تنزل ہونے لگتا ہے۔ اب اس کے بعد یہ ترقی معکوس کرنے لگتے ہیں اور آخر یہ نوبت پہنچتی ہے کہ جن ذرّوں کے متفق ہونے سے انکا وجود ظہور میں آیا تھا وہی ذرّے بکھر کر چوطرف منتشر ہوجاتے ہیں اور اصل وجود معدوم ہوجاتا ہے۔ بعض وقت اسباب مخالف کے غلبہ سے بہت سی چیزیں قبل از وقت ہی معدوم ہوجاتی ہیں۔ غرض اسی ابتدا۔ نشوونما حرکات وسکنات کیفیات وجذبات کا مجموعی نام اس چیز کی زندگی ہے مگر اس عالم موجودات میں سب چیزوں کی زندگی ہی نہیں۔ ہر چیز۔ ہر مخلوق اپنی الگ اور نرالی زندگی رکھتا ہے تاہم بہ اعتبار زندگی کل مخلوقات عالم کو تین قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

ابتدائی درجہ میں وہ چیزیں ہیں جو لاز آف نیچر (قوانین قدرت) کی پابندی پر بالکل مجبور ہیں۔ انمیں کسی قسم کی خلاف ورزی کا مادّہ ہی سرے سے موجود نہیں خود رائی اور خود مختاری ان کے سرشت میں نہیں نشانِ قدرت

کیموافق ان کی نشو ونما ہوئی۔ اور مدت مقررہ پر معدوم ہوگئے۔ اس درجہ کی اشیاء
اکثر بلکہ تمام (بشرطیکہ کوئی خارجی مداخلت نہو) اپنی اپنی مدت معینہ تک قایم رہتے
ہیں اور قبل از وقت ان کے پامال اور برباد ہوجانے کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا
حجر وشجر کا شمار انہیں میں ہے۔ آنکی پیدایش سے قدرت کا منشار
یہ نہیں کہ یہ حرکت کریں۔ ضروریات زندگی کی فکر ان کی دامنگیر نہیں
اور نہ یہ دوسرے کسی مخلوق کے کاروبار میں دخیل ہی ہوتے ہیں۔ قدرت
نے ان کی نگرانی خاص طور پر اپنے ذمہ لی ہے اور انہیں پال پوس کر
اس لیے تیار کرلیا ہے کہ تماشا گاہ عالم کو ان کے عجیب وغریب وجود
سے زینت ہو۔ دوسری مخلوق کو ان سے آرام و آسائش ملے اور ایک
ہستی علی الاطلاق کی قدرت کاملہ کا چشم بصیرت رکھنے والوں کو یقینی
ثبوت ملے +

قسم دوم اس جاندار مخلوق کی زندگی ہے جنھیں کچھ قوت دی گئی
ہے اور حواس خمسہ ظاہری عطا ہوئے ہیں۔ وہ حرکت کرسکتے ہیں
قسم اول کیطرح ان کی غذا قدرت کے ہاتھوں ان کے منہ میں نہیں ڈالی گئی
بلکہ خود قدرت کے وسیع دسترخوان سے جس پر قدرتی چیزیں اپنی اصلی
اور غیر مصنوعی حالت میں چنی ہوتی ہیں منہ ڈال کر یا ہاتھوں وغیرہ کے
ذریعہ انہیں پیٹ بھرنا پڑتا ہے۔ انہیں اس قدر اور اختیار دیا گیا ہے
کہ جو غذا مرغوب ہو کھالیں مگر یہ اس کا بہت کم بلکہ استعمال ہی نہیں کرتے
اور صرف انہیں چیزوں کیطرف ہاتھ دوڑاتے ہیں جنھیں انکا معدہ ہضم
کرسکتا ہے اور جو ان کے لیے مقصود ہیں۔ انکا اختیار صرف اسیقدر ہی
کہ یہ اس کا چلنے پھرنے کھانے پینے بیٹھنے اوٹھنے اور چند جزئی امور

میں استعمال کرسکتے ہیں باقی سب باتوں میں مجبور ہیں۔ تقاضائے فطرت
کے خلاف ایک کام بھی نہیں کرسکتے۔ مثلاً شیر کے بچہ کو جو تازہ گوشت
کھانے اور شکار کرنے کی رغبت ہوتی ہے وہ محض فطرتاً ہوتی ہے
یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ گھانس چرنا چاہے اور اگر چرے تو معدہ اسکو
ہضم کرسکے۔ غرض یہ مخلوق ہر بات میں اصول فطرت کے بالکل تابع
ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس جنس کے مخلوق کی ایک دوسرے کی
زندگی میں موافقت و مطابقت ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کا منشا بھی قریب
قریب وہی ہے جو قسم اول کا ہے ہر طرح سے مجبور ہونے کی وجہ سے
اپنی زندگی بڑے اطمینان و بے تکلفی سے گزار دیتے ہیں مصائب و
تکالیف سہتے ہیں مگر ان کے معصوم دلو نپر انکا اتنا گہرا احساس اور گہرا
اثر نہیں پڑتا جتنا اور ایک مخلوق پر جو اشرف المخلوقات اور مجموعۂ عالم اسباب ہے+
یہ وہی تیسری قسم کی مخلوق ہے جسے **انسان** کہتے ہیں۔ اسکی زندگی
اُن سب کی زندگیوں سے نرالی اور اچھوتی ہے۔ قدرت نے انہیں نہ پورا
مجبور کیا ہے اور نہ بالکل خود مختار چھوڑ دیا ہے۔ سب کچھ کر لیتے ہیں مگر
پھر بھی کچھ نہیں کرسکتے کیونکہ اس مافوق قوت نے جہاں سب طرف
سے انہیں بے لگام ہونے کے اسباب مہیا کر رکھے ہیں انہیں ایک
عقل جیسی نایاب اور بے مثل چیز بھی دیدی ہے جس کی بدولت یہ
آسمان کے تارے توڑ لاتے ہیں اور دریاؤں کی تہ نکال لیتے ہیں ؎

جو ہوسکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا

حواس خمسہ ظاہری کے علاوہ حواس خمسہ باطنی بھی انہیں دئے گئے

جس کی وجہ سے حوادث زمانہ کا اثر کسی پر کم کسی پر زیادہ پڑا کیا۔ چونکہ میلان طبع سب کا الگ الگ ہے اس سبب سے اس نوع کی زندگی کا ٹھیک طور پر معیار نہیں بتایا جا سکتا۔ اور نہ عمر طبعی کا بلا استثنا قرار ہو سکتا ہے اس لحاظ سے اس نوع کی زندگی بھی تین قسم کی ہوتی ہے۔

ایک اُن وحشیوں اور خانہ بدوش بدویوں اور جنگلی اقوام کی جو دنیا و مافیہا سے بے خبر اور دین و دنیا سے بے تعلق ہوتے ہیں۔ انکی زندگی بھی مثل دیگر چوپایوں اور وحشی درندوں کی سی ہے۔ نہ نیک و بد کی ان کو تمیز نہ تمدن و معاشرت سے انہیں کچھ تعلق و واسطہ۔ حیوانوں کی طرح جنگل میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہیں پرورش پاتے ہیں چھوٹے سے بڑے ہوتے ہیں۔ درندوں چرندوں کی طرح پیٹ بھرتے ہیں اور ایک عرصہ کے بعد مر مٹتے ہیں۔

دوسرے دو طبقوں کی زندگی ان لوگوں کی زندگی ہے جو طبقۂ اوّل کی نسبت کچھ زیادہ تہذیب یافتہ ہیں جنکی زندگی یا تو کسب معاش یا کسب معاد پر منحصر ہے۔

جنھوں نے کسب معاش کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اپنی ساری قوتوں کو اسی کی تحصیل و اکتساب میں خرچ کر ڈالتے ہیں جسطرح طبائع انسان مختلف ہیں اسیطرح ذرائع حصول معاش بھی متعدد طبیعت کی مناسبت سے ہر شخص ایک خاص طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اور اسکی زندگی اسی رنگ ڈھنگ کی ہوتی ہے۔ کوئی مہندس ہوتا ہے تو کوئی فلسفی۔ کوئی ہیئت داں تو کوئی منجم۔ کوئی فوجی قابلیت رکھتا ہے تو کسی کو ملکی معاملات کی گتھیاں سلجھانے میں دستگاہ کامل حاصل ہے غرض ہر شخص کی محنتوں۔ اور

کوششوں کے ذخیروں - کارناموں وغیرہ کے مجموعہ کو اس شخص کی زندگی کہیں گے۔

جن لوگوں کا رجحان معاد کی طرف ہوتا ہے انکی زندگی پاک اور مقدس مگر مصائب و آلام سے مملو ہوتی ہے۔ جور و ظلم و عناد فریب سے انہیں دلی نفرت ہوتی ہے حقوق اللہ و حقوق العباد کی نگہداشت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے مقاصد اصلی اور رضائے ایزدی کی تکمیل میں ایسے محو و منہمک ہو جاتے ہیں کہ لذات دنیاوی اور خواہشات نفسانی کا ان پر بالکل جادو نہیں چلتا۔ مشقت و ریاضت میں چند روزہ زندگی بسر کرنے کے بعد مر کر اس دولت سے سرفراز ہوتے ہیں جسے حیات ابدی و سرمدی کہتے ہیں۔

غرض ہر چیز کی زندگی ایک خواب و خیال ہے جس کے ابتدا و انتہا کے تصور کرنے سے قوت متخیلہ قاصر اور ادراک خاسر ہے۔ اسی مختصر سے زمانہ میں انسان کو بڑے بڑے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں اور بڑے بڑے پرخار وادیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں سے ہو کر نکلنا پڑتا ہے۔ جہاں بسا اوقات اچھے اچھے دانشمندوں کو بھی ایسی لغزش ہوتی ہے کہ پھر سنبھالے نہیں سنبھلتی جو شخص اس پر خطر "شادی و غم، رنج و مسرت امید و بیم کی متضاد" قوتوں کے مقابلہ میں پورا اترا اور سلامت روی کے جادۂ مستقیم سے قدم باہر نہ نکالا وہ بیشک قابل تحسین و صد آفریں ہے۔ اور اسکی زندگی قابل تقلید ہے انسانی زندگی اور حیوانی زندگی میں جو کچھ مابہ الامتیاز ہے وہ یہی ایک عقل و دانائی ہے جسکی ناخدائی سے طوفان خیز دریاؤں میں سے سینکڑوں ہزاروں ہی جہاز پار لگے اور یہی وہ چیز ہے جس نے بہت سے رہروؤں کا عین جنگل میں گلا گھونٹا۔ اور بہت سے تیراکوں کو بیچ دریا میں ڈبویا۔ فقط

محمد اسد اللہ - حیدر آبادی

غزل

(از تمنائے عمادی پھلواردی عظیم آبادی)

کیوں لگے ہو کوششِ ناکام میں — فائدہ کیا سعیِ بے انجام میں۔
جو نہ خم میں ہے نہ ساقی! جام میں — وہ ہے تیری چشمِ نرگس فام میں
ہو نگاہِ خاص کس پر، دیکھئے — آئے ہیں وہ جلوہ گاہِ عام میں
کچھ تمناہائے پاسِ انجام کا — ایک جھگڑا ہے دلِ ناکام میں
مجھ سے بھی، غیروں سے بھی ملیے مگر — چاہیے کچھ فرق خاص و عام میں
گبر و مسلم سب تجھے کرتے ہیں یاد — اعتباری فرق ہے تو نام میں
رہ گیا آخر مرا مرغِ نظر — لاکھ اوڑانا وان ہوائے بام میں
خم پہ خم بھر بھر کے آتے ہیں چلے — ہے تسلسل آج دورِ جام میں
ہائے رے اوس جام کا پیارا نشہ — عکسِ چشمِ یار ہو جس جام میں
ہو گیا صیاد خود میرا شکار — کیا اثر تھا رقصِ زیرِ دام میں
ابتدا میں یہ جا رنگِ مآل — کھنچ گیا نقشا قفس کا دام میں
کس ہوس نے مجھے الجھا دیا — آرزوہائے ملالِ انجام میں
تھا غمِ انجام جب آغاز میں — حسرتِ آغاز ہے انجام میں
ہائیں جب ساقی! اتری دریا لی — ہم سمجھ پائیں سوالِ جام میں
اُن سے ملنے کی امید اب سر یقیں — پختگی دیکھو خیالِ خام میں
یا الٰہی! پھر عطا کر بے کلی — اب مزا ملتا نہیں آرام میں
جب سے ساقی چل بسا سب بادہ نوش — خونِ دل پیتے ہیں بھر کر جام میں

اے قیامت! کیوں اُٹھانے آئی ہے | چھوڑ ظالم، ہیں پڑے آرام میں
کام سے غافل ہوں میں ناکام صرف | سب لگے ہیں اپنے اپنے کام میں
اُف رے ناکامی رہا ناکام وہ | ہاتھ ڈالا ہم نے جس کے کام میں
اے اُٹھا اب تیغ قاتل! امنہ نہ دیکھ | دیر کیوں کرتا ہے اپنے کام میں
کیا کشش ہے الفتِ صیاد کی | شوق سے آتی ہے بلبل دام میں
رات کو لیٹے، تو دن کی سوچ میں | صبح کو اُٹھے، تو فکرِ شام میں
شکر ہے، آغاز ہی میں ہو گیا۔ | مجھ پہ جو ہونے کو تھا انجام میں
زلف سے اُلجھے جو آنکھوں سے بچے | چھوٹے شاہیں سے تو پہنچے دام میں
سچ کہا تم نے کہ "آخر فائدہ؟ | کیوں پڑے کوئی کسی کے کام میں
ہم تو بیچینی میں کاٹیں ساری رات! | طالعِ خفتہ رہے آرام میں
شوق سے صیاد! بلبل آئے گی | رکھدے کچھ کلیاں چھپا کر دام میں
اے تمنا وقت پر پہونچی اجل | نقدِ جاں دیدوا دے انعام میں

ہو تمنا ہی کی ہر حسرت کا خون
اس قدر تخصیص قتلِ عام میں

سیرۃ العباس۔ مولوی حکیم سید فرید احمد صاحب بھیکم پور علیگڈہ نے اس کتاب مین سیدنا حضرت عباس کی پاک زندگی کے حالات روزِ ولادت سے تادم واپسین نہایت خوبی اور قابلیت سے قلمبند کئے ہین اور ہمین امید ہے۔ کہ ناظرین تمدن مولوی صاحب کی محنت کی داد دیکر حوصلہ افزائی فرمائین گے۔

قیمت ایک روپیہ

سوسائٹی کی اندرونی حالت

ہماری محترم بہن مسز خلیقی صاحبہ اُن چند بہنوں میں سے ہین جنکے دلوںمیں بہنوںکی سچی محبت قدرت نے کوٹ کوٹ کر بہری ہے - اور جو اپنے وقت کا بیشتر حصہ بہنوںکی اصلاح وفلاح مین صرف کرتی ہین ذیل کا مضمون جسمین ایک بدنصیب لڑکی کا سچا واقعہ ہمارے واسطے ایک سبق ہے -

قسمت کیا ہر چیز کو قسّام ازل نے ۔۔۔ اوسکو دیا وہ جس کے جو قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ، تو پروانے کو جلنا ۔۔۔ غم ہمکو دیا، سب سے جو مشکل نظر آیا

صنف لطیف، یا طبقۂ اناث پر سوسائٹی کے عالم ذکور اور اون کی عام حالت نے جس جفا و ظلم کے برتاؤ کو روا کر رکھا ہے وہ اس طبقے کے دردمند دلوں سے پوشیدہ نہیں! پر اون سے درگذر اپنوں سے جو صوری و معنوی ستم و جور بہ زعم اصلاح حالت، اور احیائے ناموس، سرزد ہو رہی ہیں وہ قابل غور ہیں!!،

طبقۂ نسوان میں تہذیب و تمدن کی خرابی! تعلقات ازدواج میں برہمی کیرکٹر، اور تعلیم کی کمی!!!، یہ موٹے موٹے سپیشل سبجکٹ ہیں جنپر آج قوم بہر کے مسلمہ دماغ غور و خوض، اور مضمون نگاری فرما رہے، اور اس مسلمۃ العنوان مضمون پر اس کثرت سے اظہار آرا ہو رہا ہے - کہ ملکی و قومی رسائل کے صحائف دامن نگارہ من تنگ است، وگل حسن تو بسیار است، کے گلہ گذار ہیں! یہ سب کچھ سہی لیکن خدا لگتی فرمائیگا، اپنے سے ممکن العمل اور اپنے خودساختہ ذرائع ترقی طبقۂ اناث کو آپنے قوم کے لیے ممکن العمل بنا کے پیش کیا ہے ؟،

تعلقات زوجین کی سبب کشیدگی، اور اس کے اسباب برہمی کی کنہ اور تہ تک

دلسوزی خلوص و نیک نیتی سے غور فرمایا ؟ اور شرع مبین کے اس پرانے اور بوسیدہ، ناقابلِ ضرورت، انتخاب زوج کا حق عورت کو" اس روشن اور تہذیب و تمدن کے مرقع، ایسے زمانہ میں ضروری محسوس کیا ؟

رسمی، اور صرف گھر داری کے خرچ ،۔ دودھ اور گوشت منگا کے دودھ گوشت والے کو رسید۔ دھوبن کو میلے کپڑے دھلنے کو دیکر لکھ لینے کی قابلیت سے سوا بھی آپنے ہمارے لیے لکھنا، پڑھانا ضروری تصور فرمایا ؟۔

آہ بڑی بڑی انجمنوں، اور قومی کانفرنسوں میں دس دس بارہ بارہ ہزار کے مجمع میں تعلیمی ریزولیوشن بڑے زور شور سے پاس ہوں مگر تماشا ہے کہ جو چیز عالم انسانیت کے ایک طبقہ کے لیے مفید سمجھی جاوے وہی دوسرے حصے کے لیے خطرناک تصور کیجاوے !

ملک و ملت کے ہوا خواہوں، اور تہذیب النسار کے خصوص حامیوں ! ہماری تمدنی مشکلات، اور رواداری کے جائز استحقاق میں مدد دو ! ۔

عصمتی بہنو ! مولانا راشد الخیری کے دم کو غنیمت سمجھکر عصمت، تمدن کو سچے معنوں میں اپنا صحیح آرگن ثابت کرو، میں محسوس کرتی ہوں کہ ہمارے مضامین کی مفہومی روبدل جانی چاہیئے۔ تخیلات، اور معنی آفریں مضمون نگاریوں کو چھوڑکر اپنے گھرانوں، اور کنبے کی خرابیوں، اور طبقہ ذکور کے ان ناجائز تمدنی و شرعی حقوق کے خلاف سلوک در جوع کے صحیح نقشے کھینچیں جائیں تاکہ ہماری حالت، کس مپرسی حالت پہ بے لوث آنکھیں، آنسو بہائیں ! ۔

شفقت مآب مولانائے ممدوح کی گوناگوں محبتیں حسرت آموز ہوئیں جو یہ چند سطور حیطہ بیان میں آئیں ! مگر یہ ہم لکھے دیتے ہیں ہمارا یہ تشریح ہونیوالا مضمون اقوال صحیحہ اور روایات مستندہ پر مبنی ہے، ہماری کوشش

رہے گی انشاء اللہ ہم ہمیشہ سوسائٹی کے صحیح حالات کے مرقع جب تک ممکن
پیش کرتے رہیں۔ تاعصمتؔ تمدن ہماری صحیح اور سچی آواز سمجھی جائے، او
لایعنی تمہید کی معافی!

(۱)

دیوان خانہ

حشمت مرزا، اک خاندانی شریف اور معززین شہر میں سے اک رکن خا
سمجھے جاتے تھے اپنی ذاتی شرافت اور خوش مذاقی کے لحاظ سے وہ
اہل علم اصحاب، اور اُن کی صحبتوں میں شریک ہوتے رہتے تھے! اُ
زندگی سادی، اور پُرانی وضع کی مگر نیک معاشرت کا نمونہ تھی، اُن کا ش
اور ذریعہ معاش کچھ ورثہ پدری! کرایہ بقدر تین صد ماہوار اور اپنی تصنیف
و تالیفات کے اشاعت سے کچھ اور آمدنی ملا جلا کر، انکو اور اُن کی نیک
نجم النساء نیز ایک لڑکا صفدر ایک بیوہ لڑکی اور ایک بچی حبیبہ کی فراغت
و خوشحالی کی گذران کو کافی تھا!

سنہ ۱۳۱۵ھ کے وسطی مہینوں میں ایک روز شب کو فالج گرا اور ح
تک عمر ہونے سے پہلے مُردہ بنا کر کام تمام کرگیا، شریف تازہ مبتلا
مصیبت بیوہ نجم النساء بیگم کے متعلقین میں ددھیال میں اور ننھیا
میں کوئی ایسا نہ تھا جو اِس وقت کام آسکتا ہے، کرایہ کی تحصیل، صف
جن کی عمر بھی بہت سے بہت بارہ برس کی ہوگی، تعلیم و تربیت نوجوان
لڑکی اوس کا ایک خورد سال بچہ اوسکی سنبھال، ۱۰ سال کی حبیبہ او
تمام ذمہ داریوں کا انصرام ایک عورت ذات کے لیے بہت کچھ تو

"تو خدا بھلا کرے منشی احمد علی صاحب؛ صفدر کے خسر کا جنھوں نے خاندانی رکاوٹوں اور بیجا آن، تان کی پرواہ نہ کرکے ایسے کچے ناطے میں صفدر پر دستِ شفقت اور اُس کی ماں بہنوں کی خدمت کا بوجھ عند اللہ اپنے ذمہ لیا، ! . . . . اتفاقات کو دیکھیے کلثوم النساء بیگم، منشی احمد علی کی ہمشیرۂ خورد جو جسٹس امام علی آف حیدر آباد دکن کی بیوی ہیں، خاوند کی اچانک وفات سے معہ اپنی ایک لڑکی فاخرہ خاتون اور ایک بچے آفتاب علی کو لیکر بھائی کے ہاں آگئیں ہیں، خورد سال بھانجے آفتاب کی جنکی عمر ۱۲ سال کی ہوگی تعلیم و تربیت بھی ماموں کے ہی ذمہ سپرد ہوئی، منشی صاحب نے حشمت میرزا کا اپنے مکان کے غربی دیوان خانے میں اپنے خواہرزادہ آفتاب، اور اپنے داماد صفدر کی تعلیم کا کافی بندوبست کر دیا ہے، یہ دو معزز خاندان کے چراغ باہم یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، منشی احمد علی کے تعلقات، صفدر کی نگرانی، اور قریب تر پیدا ہو جانے والے خاندانی رشتے ناطے کیوجہہ سے اُن کا حشمت مرزا کے گھر میں آنا جانا تھا اور اُن سے اندر کوئی پردہ بھی نہیں کرتا تھا!

اسی طرح آفتاب اور صفدر کی یکجائی، اور آفتاب کے لیئے احمد علی کی خواہر زادگی حشمت مرزا کے ہاں اندر جانے آنے کی سبب ہوئی؛ آفتاب کی خوبصورتی اور طفلانہ شوخی، نو ہانتِ طبعی زاید تر اسباب ہوئے کہ صفدر کی بڑی بیوہ بہن نے آفتاب کو خاندان میں باقاعدہ اپنا بھائی بنالیا، اور اب از دیاد محبت و مراسم کے لیے ایسا ہونے لگا کہ آفتاب جمعرات کی شب سے جمعہ کے دن بھر تک صفدر کے گھر رہا کرتا، . . . . . .

اب جہاں سے کہ ہمارا قصہ شروع ہوتا ہے ۱۳۲۰ء میں، جمعرات کی

شام صفر کا مہینا ہے موسم اچھا خاصا خنک اور سرد ہے ابتدائی تاریخوں کی وجہ سے اور کچھ گہرے بادلوں کا ہجوم کہ فضائے فلک پنبہ پوش ہے! اور ضیائے مہتاب برودت زمہریر سے متاثر ہوکر لکہ ابر میں روپوش ہوگئی ہے اوسی دیوان خانے میں تقریباً ۹ بجے شب کے ہمارے دونوں نوجوان آفتاب و صفدر مشغول مطالعہ ہیں! دونوں کی عمریں ۱۹۔۲۰ کے درمیان ہیں حیات بلوغ تک پہونچنے والی بچپن کی ادائیں گو دلآویز تہیں، مگر شباب کے آغاز کے انداز بھی عجیب دلکش ہوتے ہیں، صفدر گو بیڈول ہے مگر جسم کی گدازی نے اُس پیاری جسامت سے جو قدرت نے خوبصورت آفتاب کو بخشی ہے، بہت دور رکھا ہے!! خد و خال، رنگ و خو، گفتار و رفتار میں بہی بیّن فرق ہے! مختصر یہ کہ صفدر کو کمتر اور آفتاب کو بیشتر خدا نے خوبصورتیوں کا مالک بنادیا ہے! اک سکونِ عام کو صفدر کے خطاب نے توڑا اور آپس میں یوں سلسلۂ کلام شروع ہوا۔

صفدر۔ بہائی آفتاب آج کیا دن ہے! جمعرات،... آج تو بہائی یہیں ہوگے!

آفتاب۔ ہاں بہائی جمعرات ہے یہیں رہوں گا۔ مگر بہائی ہمارے تمہارے امتحان کے دن جوں جوں قریب آتے جاتے ہیں، اک بہم سا چڑہتا جاتا ہے

صفدر۔ بہائی سچ کہتے ہو، مگر بہائی تمہیں کیا غم تمہاری ذہانت، محنت، کیا کم ہے اور پہر یہ کہ امتحان پرائیوٹ ہے،

آفتاب۔ صفدر دل ٹوٹ کے انٹرنس رہا۔ اور طرفہ یہ کہ نصاب بہت سخت ہوگیا ہے، اور پرائیوٹ کی نہ کہو ہم رعایت نہیں چاہتے اور نہ چاہنا چاہیئے خدا ہمیں اور تمہیں کامیاب کرے!

صفدر۔ بہائی آفتاب تم اچھے تمہارا بہت سا کام جیبہ کر رہتی ہیں اور آجکل تو

تو تھیں وہ کام منت داخل ہوتا ہے، کیونکہ پڑھائی کی تھیں فرصت نہیں؛
آفتاب۔ صفدر یہ بھی کوئی کام ہے جو کاپیاں جدولوں سے مزین کر کے ملا دی جائے! اور منت کی جو کہو تو میں انوار سہیلی کے سبق روزانہ اب بھی دیے جاتا ہوں!۔ اور پھر جیبیہ تو مجھسے میری ہر قسم کی خدمت کی حق دار ہے
صدر۔" خیر بھائی اب ۱۰ بجے ہیں چلو اندر چلو کھانا کھائیں اور آج مطالعہ اب ختم کر دو۔ جیبیہ تمہیں کل تمھارے نہ آنے کی وجہ سے آج بہت یاد کر رہی تھیں، چلو، یہ کہتے ہوئے دونوں مکان کے اندرونی حصے میں داخل ہو جاتے ہیں،۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(۲)

منشی احمد علی کا مکان

صفدر کی خوشدامن رابعہ بیگم جو ایک پستہ قامت، چھریرے سے بدن کی، منٹ میں پچاس مرتبہ گردش کرنے والی آنکھ کی، شریف گھرانے کی عورت ہیں آج طبعاً کسی گہرے خیال میں کسی نئے منصوبے کی بخت و پز میں مصروف ہیں گاہے گاہے ادھر اُدھر دیکھ لینے سے مغموم مگر متجسس نگاہیں عجب پیچیدگی اور رازوں، اور بھیدوں سے پُر ادائیں پیدا کر رہی ہیں؛

۸ بجے، صباح سویرے نماز پڑھنے گئے۔ منشی صاحب تشریف لائے تو بیگم صاحبہ اُٹھیں اور کہا کہاں گئے تھے،۔۔۔۔۔۔ بی بی کو مغموم و متفکر دیکھ منشی صاحب۔ کہو خیریت ہے، مغموم کیوں ہو؟
بیگم۔ ابھی اب نصیبن، تمھاری نسیمہ (منشی صاحب کی بڑی بیٹی) کے نیچے اظہیر کی علالت کی خبر لائی، چار روز ہوئے میری رضیہ اپنے میاں

صفدر دولہا کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ تنہائی اور سسرات کی گرمی پلک سے پلک نہین جھپکی مغموم تو نہیں مگر دل پریشان ہے۔ اب تم ذرا نسیمہ کے بچے کی خیر صلہ لیتے جانا اور میری رضیہ کو بھی (ساتھ مہینے ہوئے صفدر کے ساتھ منشی جی کی لڑکی رضیہ کی شادی ہو چکی ہے۔) آج بلا۔

جواب! مجھے کل شام کو ظہیر کے والد ملے تھے تو کہا تھا کہ ذرا اُس کو گرمی کیوجہ نزلہ اور حرارت ہو جاتی ہے کچھ ڈر نہیں۔ رضیہ کو آج جمعرات ہے کہلا بھیجو کہ کل جمعہ ہے بھیجدینا۔ پریشان ہونے کی کیا بات ہے

بیگم۔ مجھے تمھاری بعض باتیں بہت ناگوار گذرتی ہیں دنیا زمانہ میں کہیں بھی دستور ہے کہ ساڑھے چھ مہینے کی بیاہی بھی پانچ پانچ روز سسرال رہے اور پھر اُس کا باپ کہے ابھی نہ بلاؤ واہ وا وا۔

جواب۔ ہاں صاحب بیشک زمانہ ترقی کر رہا ہے۔ تمھارے گروہ کی آزادی اور حقوق کے بہی خواہ اور حامی بہت سے پیدا ہو گئے ہیں اب تہذیب جدید یہی سکہائے گی کہ خاوند کے افعال خواہ وہ اپنی نوعیت میں صحیح ہوں یا غلط اچھے ہوں خواہ برے۔ مگر بی بی کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ دخل دے یا اپنی مرضی اور ناراضگی کا اوسپر علانیہ اور برابر اظہار کرے، اسٹور رضیہ کو اُس کے گھر چھوڑنا بنسبت اوس کے یہاں رکھنے کے زیادہ بہتر ہے، میاں بی بی اگر خوش رہیں تو اُن کی آئندہ زندگی نعمت و برکت بھری بسر ہو گی، ہمیں کوئی ضرورت نہیں جو اس میں دخل دیں اور خلل ڈالیں!!

کل جب میں صفدر کے ہاں بغرض سمجھانے حساب تحصیل کرایہ گیا تو اثنا ربیان میں کنایۃً کہا تھا کہ تم کب آؤ گی، تو بیٹے دیکھا اوسپر اُس کے

خاوند کی ایک معنی خیز نگاہ پیغام رساں نظر پڑی! اوس کا مطلب اُسی نے سمجھا ہوگا، مگر مجھے صرف اُس کی نظروں نے اور زبانِ حال نے جواب دیا کہ خاوند کی رضی نہیں، اُس نے مجھے دیکھکر خاوند کو دیکھا اور گردن جُھکا کے چُپ ہوگئی!

رضیہ کی ماں ہم تم پرورش کر چکے، اب ہماری سچی خوشی بس یہی ہے کہ وہ دنیا میں خوش وخرم، اور باہمی انس ومحبت کی زندگی بسر کریں، رہا جمعہ کو جو بلانے کو کہا تو اُس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ایک دن اور بڑھا دوں، نہیں آج جمعرات ہے، شام کو آفتاب (منشی جی کا بھانجہ) وہیں رہے گا رات کو سب اپنے خوش خوش رہیں گے اور رضیہ بھی بھائی سے مل لے گی، اگر آج بلا لیتیں تو آفتاب کہتا ماموں نے رضیہ کو ایک دن بعد ہی بلا لیا ہوتا تاکہ ہم بھی مل لیتے!"

بیگم! آپ ناراض ہوں بر سبیلِ روایت میرے منہ سے نکل گیا کہ مجھے . . . ناگوار ہے خیر، مگر میں تم سے ایک بات کہنی چاہتی ہوں ذرا غور سے سنیئے گا! ہماری رضیہ کی جب شادی ہوئی اور مہمانداری میں بہت سے مہمان اپنے اور پرائے آئے، تو اکثر عورتوں کی زبان پر تھا آفتاب اور حبیبہ احد اوس کی بڑی بہن کے تعلقات کے ذکر تھے کہنے کی محبتیں دنیا میں ہوا کرتی ہیں مگر ایسے چرچلے، اور چاؤ نہیں سنے مہر سلطان جو انہیں کے محلے میں میری خالہ ہیں کہتی تھیں، بُوا چودھویں صدی، نیکی کم، زیادہ بدی! جو ہو تھوڑا ہے!،

مسٹر آفتاب دن دن بھر گھر رہتے ہیں، ہارمونیم بج رہا ہے گانا گا رہے ہیں حبیبہ ماشاء اللہ خاصی سیانی ہے! اگر آفتاب کے پاس سے مَس سے مس نہیں ہوتی، بہن اور بھائی۔ کہنے کو زبان پر خطاب ہے۔ ورنہ خاصی

لیلی اور قیس کا مضمون ہے"، مینے دیکھا شام کو سیر کو چلے قمیص صاف شفاف دُھلی، استری ہوئی ہوائی پہنی، پٹہ (کالر) سفید گلے میں بند یا وہ بھی آفتاب کے ہاتھ سے نہیں بلکہ جیبہ بیگم کھڑی بٹن لگا رہی ہیں! سنگار سے فراغت پا سدہارے اور اب جیبہ ہیں اُن کی غیر حاضری میں ایک اُن کی ہی سامان کی درستی میں مصروف ہیں"، باقی کام کچھ نہیں"، اور کچھ نہیں تو دونوں بیٹھے ہیں برائے بودن کتاب آگے دہری ہے اور باتیں ہو رہی ہیں"۔ . . . .

الغرض خالہ نے ایسی ایسی باتیں کیں جو سنانے کے قابل نہیں، . . . . . .

ماشاءاللہ آفتاب بھی ہوشیار ہوگیا ہے، اللہ رکھے شادی ہوگی تمہاری بہن بہ اس رشتہ میں تم سے مشورہ کریں گی ہی" اور سننے میں یہہ بھی آرہا ہے کہ آفتاب اور صبیہ کی منگنی ہوجائے گی پیغام سلام شروع ہوگئے ہیں. . . . .

منشی احمد علی! لاحول ولا تم بھی کیا آدمی ہو۔ ساری داستان جھوٹی مگر لغو اور مہمل۔ رضیہ کی ماں! جیبہ اور آفتاب اس قدر شریف طبیعت کے بچے ہیں کہ سبحان اللہ! مینے آجتک اون کو آپس میں خلا ملا اور بے تکلف نہیں دیکھا، سوائے جیبہ کو ادب سے بھائی کہتے"، اور اُسکو پیارے بہن کہتے مینے کچھ نہیں سنا! تم ہرگز ایسی باتیں مجھے مت سنایا کرو۔ صدمہ ہوتا ہے"، زمانہ کا رنگ بُرا ہے جب ہم تم ایسی باتوں پر کان دہریں گے تو زمانہ کو تُہم ہوگا کہ ایں از خالی ملت نیست رہا آفتاب کی شادی کا مسئلہ ابھی زیر غور بھی نہیں، تجویز تو کُجا! ہاں اگر جیبہ سے آفتاب کی شادی ہو بھی جائے تو جوڑ عمدہ ہے، خیر اب اس ذکر چھوڑو، ناشتہ لاؤ! . . . .

باقی آیندہ

انتہائے حمیت

گذشتہ سے پیوستہ

ہم تمہید میں اس راز پر بحث کر چکے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ ہم کو مولانا کے ان افعال پر مطلق اعتراض نہیں مسلمان مشہور و مقبول نکاح سنت رسول تھا کیا تو اچھا کیا محبت جوہر انسانیت تھی جتنی بھی کی خوب کی بہت خوب کی جاؤ بیجا سے ہمیں بحث نہیں ہمیں صرف اُن واقعات سے تعلق ہے جن کا اثر بالواسطہ یا بلاواسطہ یوسفی اور صادقہ پر پڑا اس نکاح یا نتیجہ نکاح سے بچیوں سے کیا واسطہ ان کے عاشق زار ماں باپ دونو موجود تھے ایک دادا کی محبت نہ رہی تو نہ سہی جان چھڑکنے والی ماں جو بچے کی اتنی بھری پُری کہ ساس اور سسرے دونوں کو مول لیکر چھوڑ دے زندہ اور آنکھیں بچھانے والا باپ جو باپ اور سوتیلی ماں دونوں سے کیا باعتبار شرافت اور کیا بلحاظ عزت افضل و اعلیٰ موجود۔ مولانا ایک چھوڑ پچیس نکاح کریں نت نئی سیج سجائیں اور صبح شام دلہنیں لائیں صادقہ اور یوسفی دونوں کی بلا سے مگر ماں کی موت نے بچیوں کی کمر توڑ دی اور پانچ سات برس کی دونو معصوم بچیاں چشم زدن میں بے ماں کی ہو گئیں اس موقعہ پر باپ کی محبت کا اعتراف نہ کرنا صاف بے ایمانی ہے وہ پہلے اگر باپ تھا تو اب باپ اور ماں دونوں بن ماں کی بچیوں کو آٹھ آٹھ اور دس دس نوکر ہوتے ساتھی اپنے ہاتھ سے نہلاتا۔ کھلاتا اور پہناتا ان بدنصیبوں کا بھی اگر اب لے دے کر کوئی سہارا تھا تو باپ عاشق زار دادی اور جیتے

جا سکتے دادا کو کہو کر ایک باپ پایا تہا جسکی نازبرداری اُسوقت سے اور آجتک نبہ رہی ہے مگر زمانہ نے پہر رنگ بدلا اور ایک چہ ہی مہینہ کے اندر اندر ان ماں کی بچیوں سے باپ بہی ہمیشہ کو چھوٹ گیا اور دادا کے گہر کے سوا کوئی اتنا سہارا بھی نہ رہا جہاں بیٹھکر صبحکو شام اور لیٹ کر رات کو سویرا کر دیں۔ پہوپی اور خالا چچا اور ماموں موجود سب تھے مگر کس کی بکری اور کون ڈالے دانہ گہاس کسکو پڑی تہی کہ باپ سے بگاڑتا اور بچیوں کے سر پر ہاتہہ رکہتا +

(۳)

مولانا کی جیتی بیگم کی سرکار تو کبھی کی بن چکی تہی کنبہ بہر میں کسی کی مجال نہ تہی کہ ٹیڑہی آنکہ سے دیکہ لے نندیں کیا اور دیورانیاں کیا سب پاؤں کی خاک تہیں۔ پہلے پہر شوہر گرہ میں روپیہ ڈالے اس کی جوتی دے اسکا صدقہ۔ جب قدرت کے زبردست ہاتہہ نے ان دونو مصیبت کی سچی تصویروں کو بے والی وارث کردیا تو بچیاں چالیس ہزار روپیہ کی جائداد پانچہزار روپیہ کے زیور کی مالک تہیں اور دس ہزار کا حصہ ترکہ پدری کا اس جائداد میں تہا جو دادا کے نام اور دلوں کے قبضہ میں تہی۔ ننہیال اور ددہیال کا خاتمہ تو کبھی کا ہو چکا تہا صرف ایک دادا کا دم باقی تہا آدہی کے قریب رات گذر چکی تہی کہ مرنے والے باپ نے بستر مرگ پر باپ کو بلایا دونو بچیوں کو سپرد کیا اور جان بحق تسلیم کی۔ پہولوں تک بچیاں اپنی محلسرا میں رہیں مگر چوتہے روز صبحکا سہانا وقت تہا کہ یوسفی اور صادقہ دادا کے گھر میں داخل ہوئیں آسمان و زمین ان بہولی بہولی صورتوں کی بیکسی پر آنسو بہا رہے تہے مولانا یوسف کے مکان کا چپہ چپہ ان کی غربت پر رو رہا تہا۔ پندرہ روز گذرے ہوں گے کہ ماما میں موقوف کی گئیں اور جو بچیاں باپ کے گلے میں بانہیں ڈال کر سوتی تہیں لپٹ لپٹا کر

ایک جگہ پڑ جاتیں۔ مولانا یوسف کو موت موٹے موٹے حرفوں میں لکھی کہانی دے رہی تھی مگر بجائے اس کے کہ کمبخت توبہ استغفار کرتا ظالم بے ایمانی پر آمادہ ہوگیا اور تمام جائداد جس میں فہیم بچیاں حصہ دار تھیں بیوی کے نام لکھدی جو ستم ان دونوں میاں بیوی نے ملکر معصوم لڑکیوں پر کیا اور جیسے جیسے ظلم توڑے ان کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے جن بچیوں کا تین سو سے اوپر نقد کرایہ آئے وہ معصوم و مظلوم بچا بچایا ٹکڑا پیٹ میں ڈال لیں اور جنکو بیگم بیگم کہنے والے ایک دو نہیں بیسیوں موجود رہتے وہ دادی کو سرکار صاحب کہہ کر پکاریں کلیجہ پھٹنے والا وقت وہ تھا۔ جب ان بے وارثیوں کا زیور توڑ کر شقی ازلی دادا نے بیوی کی مالا بنوائی ہے رشتے کی پھوپی اور حقیقی خالہ سب ہی موجود رہتے تھے۔ مگر کسی نے اتنا تک نہ ٹوکا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیا کر رہے ہو پورا ایک سال اس طرح گذرا کہ دو لو بچیوں نے ٹکڑے کھائے اور چیتھڑے پہنے سینکڑوں سر دیرڑں انگور انار۔ منوں خربوزے آتے اور حسرت نصیب بچیاں دادا دادی کا منہ دیکھکر چپکی ہو جاتیں۔ چھوٹی ناسمجھ تھی ضد کرتی اور پٹتی ۔

(۴)

برسات کے موسم میں جب یوسفی قافلہ باغ حیات آباد میں جھولا جھولنے گیا ہے اُس روز کے واقعات کلیجہ ہلا رہے ہیں۔ صبح کا وقت تھا مولانا اور بیگم بارہ دری میں رہتے تھے۔ ایک ماما پان بنا رہی تھی یوسفی کو کڑھائی تلنے کا حکم دیا گیا آٹھ برس کی جان جس نے کبھی طشتری تک نہ دہوئی تھی کڑھائی کیسے چولہا جھونکنے بیٹھی آسمان پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا بادل زور و شور سے کڑک رہا تھا اور بجلی کی چمک آنکھوں میں گھسی جاتی تھی اسوقت یوسفی کو

مری ہوئی وہ ماں یاد آئی جو بادل کے نام سے تھرا اٹھتی تھی ادھر کڑک ہوئی اور ادھر وہ مرغی کیطرح دونو بچیوں کو کلیجے سے لگا کمرہ میں دبکی ماں کا خیال آتے ہی بدنصیب بچی کے آنکھ میں آنسو آ گئے کڑک کی آواز سنکر جان نکلی جاتی تھی مگر اتنی ہمت نہ تھی کہ کڑاہی کے پاس سے اٹھ جائے دفعتہً بادل اس زور سے گرجا کہ سننے والوں کے اوسان جاتے رہے ماما بھی بھاگ کر بارہ دری میں جا چھپی. ماں کی ماری ما اور کلیجہ سے لگا کر سلانیوالا باپ زندہ تھے تو دیکھتے کہ آنکھوں کا تارا یوسفی اس قیامت خیز کڑک اور چمک میں جامن کے درخت کے نیچے بیٹھی ٹکیاں گھڑ رہی ہے بادل کو گرجے مشکل سے دو منٹ ہوئے ہونگے کہ بجلی چمکی اور چمک کر اس بدنصیب بچی پر گری جامن کے درخت نے یوسفی کے باپ کا حق نمک ادا کیا اور بجلی کو اپنے سر پر لیکر خاک سیاہ ہوگیا تاہم درخت کا ایک ٹہنہ ایسا آ کر گرا کہ بدنصیب لہولہان ہوگئی کامل تیس منٹ تک یہ بچی بیہوش پڑی رہی اور تقدس مآب مولانا کو پوتی کا دھیان تک نہ آیا مینہ دہائیں وہائیں پڑ رہا تھا کہ صادقہ بہن کو دیکھ کر بتیابانہ دوڑی چینی کی قعب میں شامی کباب رکھتے تھے ٹھوکر لگی اور گر پڑی قعب چورا ہوئی کباب لت پت، ہمدردی کرنے والا نہ اب کوئی تھا اور نہ بچیوں ہی کو اب کسی سے توقع تھی قعب کے ٹوٹنے سے بچی اپنی چوٹ اور بہن کی بیہوشی سب بھول گئی دادی جان کی قہر آلود نظر کا پڑنا تھا کہ صادقہ سہم گئی جانتی تھی کہ قیامت ٹوٹے گی آفت آئے گی پٹوں گی کٹوں گی اور سینکڑوں کوسنے اور فضیحتیاں سنوں گی۔

مولانائے محترم گاؤتکیہ پر سر رکھے بیٹھے تھے اور صادقہ ننھے ننھے ہاتھ جوڑے دادی کے آگے کھڑی اس طرح کہہ رہی تھی۔

"سرکار صاحب آپا کو اٹھانے جا رہی تھی"

(۵)

متواتر صدمات اور پیہم تکالیف نے ننھے ننھے کلیجے توڑ دیے اور سال ہی بھر کے اندر دونو بچیاں مردوں کی سی صورت ہو گئیں۔ جس گھر میں ہر وقت دس پندرہ سیر دودھ چولھے پر چڑھا رہتا اس گھر کی بیگمیں مٹھی مٹھی ٹھنڈے ٹکڑوں کو ترسیں۔ کڑاکے کے جاڑوں میں دن بھر دادا جان کے لال کو بہلائیں اور رات کو پھٹی سی رضائی میں دونو سکڑ سکڑا کر پڑ رہتیں آٹھ برس کی جان جیٹھ بیساکھ کی گرمی میں پانچ پانچ سیر آٹا کا گڑ اٹھتی اور اُف نہ کرتی۔

جس روز مولانا یوسف نے بچیوں کی جائداد بیچکر روپیہ اپنے نام سے بنک میں داخل کیا ہے اس روز شام کے وقت دونو بہنیں اس محلسرا کو دیکھنے گئیں جس میں پیدا ہوئیں کھیلیں کودیں اور پلیں بڑھیں محلسرا کے چپہ چپہ اور کونے کونے پر حسرت بھری نظر ڈالی اور ایک ایک دیوار کونے سے مل مل کر رخصت ہوئیں مچان کے اوپر کاغذوں کی ایک گڈی ملی کھولا تو اُس میں یہ خط نکلا:-

"بیگم۔ ڈپٹی کلکٹری کا امتحان مجھکو تو وبال جان ہو گیا مٹھایہاں ہو دہیان بچیوں میں پڑا ہے پانچ روز پانچ سال ہو گئے صبح اور شام دونو وقت تار سے خیر و عافیت معلوم ہو جاتی ہے مگر دل کا کیا علاج کروں کہ دم بھر کو چین نہیں۔ بیگم تم میری بچیوں کو بعض دفعہ بُری طرح گھرک دیتی ہو یہ تو تمہارا منہ دیکھ کر چپ ہو جاتی ہیں مگر میرا کلیجہ کٹنے لگتا ہے خدا کے واسطے میرے پیچھے میری بچیوں کا دل ہاتھ میں رکھنا بیگم یہ تم سے لاڈ نہ کریں تو کس سے

کریں یہ بچیاں نہیں کلیجہ کے ٹکڑے ہیں میری التجا قبول کرنا اور بچیوں کا دل میلا نہ کرنا؛

اس خط کو پڑھ کر بڑی کی آنکھوں میں باپ اور ماں کی تصویر پھر گئی خط کو بوسہ دیا چھوٹی کو سنایا اور ایک چیخ مار کر دونوں لپٹ گئیں گھنٹہ بھر تک پھوٹ پھوٹ کر روئیں رو دھو چکیں تو محلسرا کو الوداع کہتی ہوئی رخصت ہوئیں بڑی گو بچہ تھی مگر چھوٹی سے پھر سمجھدار تھی ضبط کیا مگر چھوٹی پانچ برس کی جان محلسرا سے ایسا داغ لیکر چلی جس نے ننھا سا کلیجہ بھون دیا۔ برس بھر کا چھوٹا ہوا باپ جس کے سینہ پر لوٹتی تھی یاد آگیا اور ایسا یاد آیا کہ پھر نہ بھولا۔ روتی ہوئی آئی بلکتی ہوئی لیٹی اور ہچکیاں لیتی ہوئی سوگئی آدھی کے قریب رات گذری ہوگی کہ اس نے ابا ابا کہہ کر ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوگئی کامل سات روز تک یہی کیفیت رہی کہ ہوش آجاتا تو دو چار چیخیں ابا ابا کہہ کر مارتی اور پھر آنکھیں بند کر لیتی چوتھے روز رات کے وقت اس کی چارپائی مولانا سے محترم نے ایک اکیلے گھر میں بچھوا دی تاکہ انکی نیند میں خلل نہ پڑے اس شام کو یوسفی بھی اس شدت کے بخار میں گرفتار ہوئی کہ ہاتھ نہ رکھا جاتا تھا سب سوگئے تو گرتی پڑتی بہن کے پاس پونہچی لپٹ کر پیار کیا اور بہن کی بدنصیبی پر روتی ہوئی لیٹ کر سوگئی۔

یہ مکان جس میں صادقہ اپنے آخری سانس لے رہی تھی اس کے باپ کا اصطبل تھا اور وہ بچی جو ماں باپ کی پیاری لاڈ دلاری تھی جس کو بیگم بیگم کہتے لوگوں کا منہ خشک ہوتا تھا ایسی حالت میں کہ مٹی کا چراغ تک نصیب نہ تھا دم توڑ رہی تھی پچھلا پہر تھا مرغ اذاں دے رہے تھے کہ یوسفی نے ماں کو خواب میں دیکھا کہ وہ شانہ پکڑ کر ہلا رہی ہے اور کہتی ہے یوسفی بیگم

ے واسطے تمام عمر پڑی ہے پاؤں پھیلا کر سو لینا یہ وقت سونے کا نہیں
صادقہ تم سے رخصت ہوتی ہے لو یہ کفن لو اور میری بچی کو دولہن بنا کر
سپرد کرو۔ تمہارے دادا جان نے جیسی میری بچی کی مٹی پلید کی خدا
کسی کی نہ کرے زیور اور جائداد سدا رہنے والے نہیں انہوں نے معصوموں
کا ٹاٹا اور بن باپ کی بچیوں کو جو سچ مچ کی بیگمیں تھیں لونڈیوں سے بدتر بنا دیا
یوسفی بیگم تمہارے دادا جان اس فانی دنیا میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔
آیا ہے وہ وقت کہ بے وارثی بچیوں کا حقیقی وارث ان کا فیصلہ کرے
بیگم تم اپنی شرافت کو ہاتھ سے نہ دینا بھوکی رہنا اور ننگی رہنا مگر حرف شکایت
زبان پر نہ لانا۔

تمہاری یوسف میری بچی صادقہ اسی لایق تھی کہ دم واپسیں اس کے
جو باپ کی صورت کو پھڑک رہی ہو اور اس کا مردہ اندھیرے گھپ
نکلوا دیا جائے اگر تمہارے پاس پانی ہو تو دو قطرے اس کے حلق
میں ٹپکا دو کہ میری بچی جان کندنی کی تکلیف سے رہائی پائے۔

موت کا نظر آنا تھا کہ یوسفی اماں اماں کہتی بیتاب ہو کر دوڑی دروازہ
کھلا جوش محبت میں دیوانہ وار ننگے سر گلی میں آئی مگر کچھ نہ تھا مایوس
پٹی ٹھکے تھے نہ پانی تھا۔ بہن کے پاس آئی تو سانس اکھڑ چکا تھا منہ پر نہ
مؤذن اذان دے رہا تھا کہ بدنصیب صادقہ کی روح بہن کی گود میں
پرواز کر گئی۔

راشد الخیری

غزل

بے ثبات اس قدر زمانہ ہے
آج کی بات کل فسانہ ہے

غمزدوں کا جو آستانہ ہے
مرکزِ گردشِ زمانہ ہے

شامِ غم کا عجب فسانہ ہے
ہر سحر اک نیا زمانہ ہے

ہاں بتا کیا صلاح ہے اے برق
قصدِ تعمیرِ آشیانہ ہے

تو ہی کر کام موت کا اے زیست
موت تو خوگرِ بہانہ ہے

دلمیں کیا اصل داغِ حسرت کی
اک درم داخلِ زمانہ ہے

نقش ہیں دل پہ صورتیں کیا کیا
لاجواب اک نگارخانہ ہے

آپ کے در سے مجھکو کیا نسبت
کشش سنگِ آستانہ ہے

تیرے تیرِ نظر سے کیا ہے عزیز
میں نشانہ ہوں دل نشانہ ہے

لکھتے جاتے تھے ہم سوانحِ دل
اب جو دیکھا تو اک فسانہ ہے

کون اس بزمِ ناز میں نہ جلے
شعلۂ شمع تازیانہ ہے

تم سے تھا ارتباط جس دل کو
اب وہ بیگانۂ زمانہ ہے

آپ تک آئیگا مریضِ فراق
روز دو دو قدم روانہ ہے

پڑھ چکے ہم جواب نامۂ شوق
دفترِ حیلہ و بہانہ ہے

خوگرِ تیرِ ناز ہے یہ دل
جب سے پیدا ہوا نشانہ ہے

کیا کریگی قفس پہ بھی بجلی
اب ہمارا یہ آشیانہ ہے

مختصر ہو تو غم کے ہیں دو حرف
طول اگر دیجئے فسانہ ہے

اے نظر مثلِ قطرۂ باران
نذرِ غیر بنا آب و دانہ ہے

عہ) رعایتی (عہ) علاوہ محصول - آخر اگست ... جولائی ۱۹۱۲ء

...نیب کے متعلق ایک تازہ اور دقیع رائے

حکیم بشیر احمد خان صاحب دہلوی چیف میڈیکل آفیسر ریاست دوجانہ
معاشر ... یہ دی پی - وصول ہوا - خدا معلوم آپ کی تحریر میں کیا کشش مقناطیسی ہے
... صتی بغیر ختم کیے چھوڑنے کو دل گوارا نہیں کرتا - برخلاف تمام
... کا رنگ مخصوص ہے اور یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے - آج کل علاوہ
... انتظامات طاعون میں سخت منہمک ہوں - اور ایک لمحہ کی بھی فرصت
... آپ کے معنفہ ناول کے واسطے دو راتوں کی پیاری نیند کو قربان
... علاوہ میرے جس شخص نے دیکھا بے حد پسند کیا - اور غائبانہ
کے مشتاق ہیں - ۱۹ - اپریل سنہ ۱۹۱۲ء

مندرجہ ذیل کتب بھی رعایت پر ملسکتی ہیں

...ملات ...	عہ	وگیز دقسیدا	۱۲ آر	حلوہ ایثار	۱۲ ار
...نہ لندن ہر دو حصہ	عہ	فتح اندلس	۱۲ ار	عیار شہزادہ	۱۲ ار
...نام کامل	عہ	مقدس نازنین	۱۲ ار	روز البرٹ	۱۲ آر
...باں دلہن	۱۲ ار	حسن انجلینا	۱۲ ار		

مشتہر محمد عبد العلیم مہتمم کتب خانہ حبیبیہ ڈاکخانہ گوہر گنج - ریاست بھوپال

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوا

ستائیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال ہو رہی
[illegible] ہوئے اچھا ہوا اس دوا کے دو ایک خوراک ہی سے دب جاتا
(۲) نیا ہو اور اس دوا کا استعمال کیا جائے تو وہ جڑ سے جاتا ہے۔
(۳) پرانے دمہ والے یا جن کا دمہ کا ساتھی ہوگیا ہے وہ بھی اس دوا سے آرام پائیں گے

دمہ کی دوا ڈاک محصول ایک سے شیشی تک ۵ آنہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ

مقوی گولیاں ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دواؤں میں بہت مشہور دوا ایک خاص [illegible] ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں۔ [illegible] کو طاقت دیتی ہیں اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئے معمولی کمزوری بھولنا۔ ہاتھ پیر کا پھٹنا۔ لقوہ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوتے ہیں۔ ۷ گولی کی شیشی قیمت ایک روپیہ (عہ) ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ

امراض مستورات کی دوا ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے ہر طرح پر دوسوگ حمل کی کمزوری پیٹ جانگ میں شکر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہوکر جسم قوی ہوتا ہے
دوا کی بھی آزمائش کیجئے قیمت ایک شیشی ایک روپیہ (عہ) (۲۴ خوراک) ڈاک

ان دواؤں کی مفصل حالت مع سرٹیفکٹوں کی پوری کتاب بلاقیمت ملتی ہے

ڈاکٹر ایس کے۔ برمن

نمبر تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ صاحب علی کشمیری دروازہ دہلی میں ہمیں ہماری ادویات کا ذخیرہ موجود رہتا ہے

جلد ۲ — اگست ۱۹۱۲ء — نمبر ۵

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹر: محمد عبدالراشد الخیری۔ شیخ محمد اکرام۔

(فہرست مضامین)

تصویر۔ ۔ ۔ ۔ خدیوانِ مصر
امہات الامہ۔ شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم ایل۔ایل۔ڈی۔ ۱
اسلام کہاں تک ہے۔ مولانا تمنائے عمادی صاحب ۹
کیا مذہب بنی نوع انسان کے لئے مفید ثابت ہوا۔ مولوی فیاض علی صاحب ۱۱
برسات کی بہار۔ منشی محمد حسین صاحب محوی لکھنوی ۱۹
ملکی کفایت۔ محمد رؤف صاحب بیرسٹر ایٹ لا ۲۲
اسلام۔ آغا غلام حسین صاحب آشفتہ ۲۸
عمارات لکھنؤ۔ منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی ۳۱
حالی۔ مولوی حامد حسین صاحب قادری۔ ۳۴
مخمس بر غزل خواجہ حافظ شیرازی۔ میر مہدی علی صاحب شہید علیہ الرحمۃ۔ ۴۱
بیوی۔ صدر الاسلام صاحب حقی دہلوی ۴۴
مسئلہ مشرقیہ تاریخ کی عینک سے۔ سید شوکت علی صاحب ۵۵
سیمونہ۔ محمد عبدالراشد الخیری ۶۳
غزلیں۔ مولانا محمد باقر صاحب مرحوم۔ شیخ محمد اختر علی صاحب ۶۸

باہتمام محمد عبدالراشد الخیری
[illegible] تمدن دہلی میں چھپکر شائع ہوا۔ قیمت فی پرچہ [illegible]







تمدن

اُمّہات الاُمّہ

گذشتہ سے پیوستہ

از شمس العلما مولانا مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل۔ ایل۔ ڈی۔ مرحوم

حق تو یہ ہے کہ عملاً اسلامی فیصلے سے کوئی فریق بھی دل سے راضی نہیں نہ عورتیں نہ مرد فیصلہ قرآن کی دو آیتیں ہیں جو ترجمے سمیت ذیل میں لکھی جاتی ہیں وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا (النساء) وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْھَا کَالْمُعَلَّقَۃِ (سورہ نساء ۱۹)

اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں (کے بارے) میں انصاف قائم نہ رکھ سکو گے تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو اور تین تین اور چار چار

عورتوں سے نکاح کر لو ولیکن اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ بیبیوں میں
برابری (کے ساتھ برتاؤ) نہ کروگے تو اس (صورت) میں ایک ہی (بی بی
کرنا) یا جو (لونڈی) تمہارے قبضے میں ہو اسی پر قناعت کرو۔ ف۲ نا منصفانہ
برتاؤ سے بچنے کے لیے یہ تدبیر زیادہ تر قرین مصلحت ہے۔ اور تم اپنی طرف سے
بہتیرا چاہو لیکن یہ تو تم سے ہو نہیں سکیگا کہ (کئی کئی) بیبیوں میں (پوری پوری)
برابری کر سکو تو بالکل (ایک ہی طرف) مت جھک پڑو۔ کہ دوسری کو (اس طرح)
چھوڑ بیٹھو گویا اَدھر میں لٹک رہی ہے۔

ہم نے دونوں آیتوں کو ملا کر یہ مطلب سمجھا ہے کہ مسلمان مرد کو وقت واحد
میں چار بیبیوں تک کے جمع کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ متعدد بیبیوں میں
برابری قایم رکھہ سکے ورنہ ایک پر قناعت کرے یا لونڈیوں پر۔ برابری میں
ایک طرح کا ابہام تھا تو اس کو آیتہ (۲) سے رفع کر دیا کہ پوری برابری تو
تم کر نہ سکوگے تو ایسا بھی نہ کرنا کہ بالکل ایک ہی کے ہو رہو یعنی وہ برابری جس پر
تکثیر ازواج کی اجازۃ موقوف ہے اسیقدر ہے کہ آدمی ایک ہی بی بی کا نہ ہو رہے

ف۱ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرنے کی صورۃ یہ تھی کہ یتیم لڑکی کسی کی سرپرستی
میں ہوتی اور وہ اس کے مال وجمال کی وجہہ سے اس کے ساتھ نکاح تو کر لیتا لیکن
نکاح کے بعد اس کے حقوق مہر و عیشرت کی چنداں پرواہ نہیں کرتا اس بے چاری کا کوئی
ولی وارث نہ تھا کہ ٹھوک بجا کر اس کے حقوق لیتا اللہ نے فرمایا کہ جب تم انصاف نہیں
کر سکتے تو تم ان سے نکاح ہی مت کرو کسی اور عورت سے کر لو عورتوں کا دنیا میں کال نہیں +

ف۲ شرع کی رو سے صرف وہ کافر لونڈی غلام ہیں جو جہاد یعنی مذہبی لڑائی میں پکڑے
گئیں پھر گرفتار ہونے پیچھے مال منقولہ کی طرح اونکی خرید و فروخت بھی ہوتی رہتی ہے
سو اس کی رو سے اس ملک سارے ہندوستان میں لونڈی غلام نہیں اور حاکم وقت کی

کہ دوسرے کی بالکل خبر تک نہ لے آیتہ (۱) نے تکثیر ازدواج پر برابری کی بڑی سخت
قید لگا دی تھی اور اس کے ظاہر سے ایسا سمجھا جاتا تھا کہ کامل برابری مراد ہے کہ وہ
مرادف ممانعت ہے آیہ (۲) نے اسکو قید سے ڈھیلا کر دیا جس سے معلوم ہوا
کہ تکثیر ازدواج متعدد و بشر ہے آیتہ (۲) سے تکثیر ازدواج کا رستہ تو کھلا مگر
کہیں اس کی صراحۃ نہیں کہ مردوں کو تکثیر ازواج کی کشمکش میں پڑنے کی ضرورۃ
ہی کیا ہے مگر جنکو خدا نے ذہن رسا دیا ہے وہ نساؤکم حرث لکم سے ضرورۃ
مستنبط کر سکتے ہیں اور ہم اس کی تصریح اوپر کر بھی چکے ہیں کہ عورۃ تکثیر ازدواج
کی محل ہی نہیں مرد ہے تو مرد تکثیر کا حقدار ٹھیرا۔ عورۃ کا محل نہ ہونا اور مرد کا
ہونا ہی مرد عورۃ میں فساد کا موجب ہے عورتیں چاہتی ہیں کہ مرد تکثیر سے
مطلقاً مستفید نہوں مرد تکثیر نامحدود کے دعویدار ہیں اسلام نے مردوں کو
تکثیر محدود کی ڈگری دی۔ اہل عرب اسلام سے پہلے تکثیر نامحدود ہی پر عمل
کرتے تھے اسلام نے تکثیر کو محدود کرکے عورتوں پر احسان کیا اسپر بھی عورتیں
اسلام کے فیصلے سے خوش نہیں ان کی ناخوشی کی ایک وجہ اور بھی ہے
اور وہ معقول ہے کہ مرد کئی بیبیوں میں سے کسی ایک کے حسن صورۃ یا کسی اور
ادا کے مفتوں ہو کر اسی کے ہو رہتے ہیں یعنے آیتہ (۲) کا ممکن عدل کا کرنا
بھی ان سے ناممکن ہو جاتا ہے اذا فات الشرط فات المشروط کی رو سے
مردونکو تکثیر کی اجازۃ سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہیں۔ بات تو واجبی ہے مگر
حبک الشئ یعمی ویصم تکثیر ازدواج کا شوق مفرط اور عیش پرستی مرد کیا باز آنے

بقیہ نوٹ) طرف سے بھی اس کی بڑی سخت منائی ہے اور یہ جو لوگ قحط میں بچے پال لیتے ہیں
یا دوسرے خدمت پیشہ یہ ہم سب کی طرح آزاد ہیں ان کے ساتھ لونڈی غلام کا سا برتاؤ کرنا
گناہ ہے خدا کا اور جرم ہے حاکم کا ۱۲۔

خصوصاً عرب کے جاہل جو کسی قاعدے کے پابند نہ تہے ہمارے نزدیک ازدواج کو تین چیزوں نے بڑہنے نہ دیا۔ اول درجے میں خوف کثرۃ عیال نے دوسرے درجے میں اسلامی شریعۃ کی تحدید نے۔ تیسرے درجے میں اسلامی فتوحات نے کہ اسیران جنگ میں عورتیں پکڑی آتی تہیں پہر عام دستور بین الاقوام کے مطابق چاہیئے ان سے لونڈیوں کی طرح کار خدمت لو یا بیوی بناکر رکہو مگر ان سے اولاد ہوگی لونڈی بچے کہلائیں گے شریفوں کی نظر میں ذلیل آیتہ (۱) (۲) کا فیصلہ فیصلہ نہیں بلکہ حکم یعنی ڈگری ہے ہمارے وقتوں کے عدالت کا یہ قاعدہ ہے کہ حاکم عدالت کسی مقدمے کی تجویز لکہتا ہے تو اس میں مدعی مدعاعلیہ کا نام دعوے کی صراحۃ مدعاعلیہ کا جواب پہر مدعی کیطرف کا جواب الجواب پہر تنقیح ثبوت اور جرح اور فیصلے کے دلائل یہ سب باتیں تفصیل کے ساتہ لکہنی ہوتی ہیں اسکو فیصلہ یا تجویز کہتے ہیں اور فیصلے کے نیچے کو حکم اخیر یا ڈگری کہتے ہیں اسی اعتبار سے ہم نے آیتہ (۱) و (۲) کو حکم اخیر کہا۔ حکام عدالت جو لمبے چوڑے مدلل و مفصل فیصلے لکہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انکی عقل اور معدلۃ پر اعتماد نہیں مگر خدا کی نسبت تو ایسا احتمال تو کیا واہمہ بہی نہیں ہوسکتا اسی لیے اگلے مسلمان جو حکم ان کو دیا جاتا وہ بے چون و چرا اسکو کان دبا کر تسلیم کر لیتے تہے جیسے ابوبکرؓ سے پیغمبر صاحب نے معراج کا حال بیان کیا ابوبکرؓ نے سنتے کے ساتہ یقین کرلیا اور پیغمبر صاحب کی تصدیق کی اور اسی سے صدیق کہلائے لوگوں نے دلیل مانگی تو کہا کہ پیغمبر صاحب کا فرمانا سب سے بڑی دلیل ہے ایمان ہیں تو ویسی طبیعتیں لوگ جو منہ سے تو ایمان و اسلام کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں مگر انکو بے دلیل پوری تشفی نہیں ہوتی یعنی انکو اپنی عقل پر جس کی حقیقت معلوم ہے وثوق ہے خدا و رسول کے فرمانے پر نہیں یہ سچ ہے کہ ہم عقل ہی کی وجہ سے

مکلف بالشرائع ہیں اور قرآن میں جا بجا افلا تفکرون اور افلا تعقلون اور افلا تذکرون سے ہم کو خطاب بھی کیا گیا ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس کے ساتھ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا بھی ہے پس سلیم الطبع آدمی کو چاہیئے کہ سوچ سمجھ کر عقل کو دخل دے سے

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن　　که جاہا سپر باید انداختن

سوچنے اور غور کرنے سے قدم قدم پر وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کی تصدیق ہوتی ہے دور کیوں جاؤ روح سب سے زیادہ قریب چیز ہے مگر اجتک کسی سے یہ عقدہ حل نہ ہوا کہ کیا ہے اور جسم سے کس طرح کا تعلق رکھتی ہے لوگوں نے امتحاناً پیغمبر صاحب سے روح کی حقیقت دریافت کی جواب ملا۔ الرُّوح مِنْ اَمرِ رَبّی جس کے یہی معنے ہیں کہ یہ باتیں تم بنی آدم کی رسائی عقل کی حد سے باہر ہیں اسیطرح ہم نے تکبیرات واحد کے بارے میں بہتیرا سوچا کہ شارع نے تکبیر حد غایت چار کیوں رکھی ہے مگر یہی خیال ہوا کہ شاید چار سے تحدید مقصود نہ ہو بلکہ مطلق تکثیر مقصود ہو اور طرز کلام دو دو تین تین چار چار اسپر دلالت بھی کرتا ہے علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری زبانوں میں ایک بڑا عدد بولا جاتا ہے اور وہ خاص عدد مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے سے

ذبح کر ڈالونگا گر اب کے تو بولا شب وصل　　میں نے سو بار تجھے مرغ سحر چھوڑ دیا

ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب سے

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است سے

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی　　ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اسی طرح کا ایک واقعہ اعداد کے متعلق پیغمبر صاحب کو بھی پیش آیا تھا

کہ جناب پیغمبر صاحب نے چالیس برس کی عمر میں پیغمبری سے سرفراز ہو کر اپنے وطن مکے میں جہاں سارے جزیرہ عرب کا معبد ابراہیم کا بنایا ہوا خانہ کعبہ تھا دین اسلام کی منادی شروع کی۔ خانہ کعبہ کے متولی اور مجاور قبیلۂ قریش کے لوگ تھے اور یہ قبیلے کا قبیلہ خانہ کعبہ کی خدمت تولیت کی وجہ سے معزز ترین قبایل سمجھا جاتا تھا۔ پیغمبر صاحب قبیلۂ قریش کے معزز ترین خاندان میں پیدا ہوئے ہر چند قریش کا ادب خانہ کعبہ کی وجہ سے تھا اور خانہ کعبہ کا ادب بنائے ابراہیم ہونے کی وجہ سے اور ابراہیم بڑے پکے موحد تھے یہاں تک کہ انکو عقیدہ حقہ توحید کا موجد کہا جائے تو کچھ بیجا نہیں اور موجد نہ سہی تو مروج اور مجدد ہونے میں تو کچھ شک نہیں بہرکیف باوجودیکہ اہل عرب نسل ابراہیم اور فی زعمہم ابراہیم کے مذہب پر قایم بھی تھے مگر مرور زمانہ کیوجہ سے توحید کو چھوڑ کر مشرک اور بت پرست ہو گئے تھے خدا نے پیغمبر صاحب کو اسی ابراہیمی عقیدۂ توحید کو از سر نو زندہ کرنے کی غرض سے پیغمبر بنا کر بھیجا توحید کی منادی کرتا تھا کہ سارا عرب کفض و عداوت دشمنی پر کمر بستہ ہو گیا زبان سے ہاتھ پاؤں سے جو تکلیفیں نہیں پہنچانی تھیں پہنچائیں جو ایذائیں نہیں دینی تھیں دیں پیغمبر صاحب کامل ۱۳۔ برس فوق البشریتہ صبر و تحمل کے ساتھ تمام مظالم برداشت کرتے رہے اس ۱۳۔ برس کی مدت میں جو کچھ تھوڑی مدت نہیں لوگ دستور کے مطابق اطراف و جوانب سے سال بسال بت خانہ کعبہ کی زیارت کو آتے اور اپنے طور کی پوجا پاٹ کر کے چلے جاتے اور سمجھتے کہ حج کر آئے ادھر پیغمبر صاحب تبلیغ رسالت کے لیے ایسے ہی جمگھٹوں کے متلاشی تھے جہاں ہجوم دیکھا جا منادی کی اتفاقاً رسالت

کے گیارہویں برس یثرب کے قافلے والوں سے بات چیت کا موقع پا کر ان کو قائل معقول کیا دعوی رسالت کی خبر تمام ملک میں پھیل چکی تھی قافلے والوں میں کچھ لوگ منصف مزاج اور معقول پسند بھی تھے سننے کے ساتھ تھوڑی دیر بعد پہلے ہی وعظ میں چھ آدمی ایمان لے آئے اور مدینے جا کر دوسروں سے سارا حال بیان کیا اور بہتیروں کو اپنا ہمخیال بنا لیا رسالت کے تیرھویں برس ایک جم غفیر پیغمبر صاحب کی باتیں سننے کے شوق میں حج کے دنوں میں مکے پہونچا اور تاکہ مکے والوں کو خبر نہ ہو شہر سے باہر قافلے سے الگ ایک جگہ تجویز کی کہ وہاں پیغمبر صاحب وعظ فرمائیں اس جلسے میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتوں نے پیغمبر صاحب کے ہاتھ پہ بیعت کی اور بیعت کے علاوہ جب ان کو قریش کے مظالم کی خبر ہوئی تو انہوں نے پیغمبر صاحب سے التجا کی کہ اگر جناب کسی طرح نا خدا ترس دشمنوں کے نرغے سے نکل کر مدینے تشریف لے آئیں تو ہم اپنی جان و مال و عیال کی طرح آپ کی حمایت اور حفاظت کریں گے یہ قول و قرار ہو کر قافلہ مدینے کو واپس روانہ ہوا قریش کو ان باتوں کی خبر لگی مگر بہ دیر جب کہ قافلہ ان کی دست رس سے باہر نکل جا چکا تھا مدینے والوں کی بیعت قریش کے حق میں ع سمند ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا لگے پیغمبر صاحب اور ان کے اقل قلیل ضعفا را ابتلاع بر اضعافاً متضاعفہ سختیاں کرنے آخر یہ ٹھیرائی کہ یہ شخص ہمارے دین آبائی کے بُرے پیچھے پڑا ہے تخویف تطمیع سب کچھ تو کر دیکھا کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی آخر الدوا الکی بس اب یا یہ نہیں یا ہم نہیں آؤ آج رات اس کے گھر کو گھیرے پڑے رہیں صبح سویرے نماز کو جا ہر آئے تو ایکدم سے سب ٹوٹ پڑیں اور اس کا کام تمام کر دیں دیت آئے گی چندہ کر کے بھر دیں گے جو سوچا وہ کیا مگر

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال کالمے کہ خدا کند فلک را چہ مجال

لوگ رات بھر گھر گھیرے پڑے رہے اور پیغمبر صاحب راتوں رات پچھواڑے سے نکل اپنے رازدار ابو بکر کو ساتھ لے مکے سے تین میل کے فاصلے پر غار ثور میں جا چھپے آس پاس سارے کونے کھدرے کھوند مارے کہیں پتہ نہ ملا پیغمبر صاحب تین دن چھپے رہ کر اوپری راستے سے بالا بالا مدینے جا داخل ہوئے یہ داخل ہجرت کہلایا جس کی یادگار میں مسلمانوں کا ہجری سنہ چلا مدینے میں ہجرت سے پہلے ہی اسلام نے بہتیرے دلوں میں جگہ کر لی تھی پیغمبر صاحب کے تشریف لانے سے لوگ ایسے گرنے شروع ہوئے جیسے شمع پر پروانے لیکن باغ میں گل کے ساتھ کانٹے ضرور ہوتے ہیں مکے میں قریش تھے تو یہاں مدینہ میں یہود کہ یہ لوگ مدینہ اور حوالی مدینہ میں کثرت سے آباد تھے اور ہر طرح کا اقتدار رکھتے تھے موسیٰ کی امت اور توراۃ کی پیشین گوئی کی رو سے پیغمبر آخر الزماں کے منتظر بھی تھے مگر پیغمبر موعود کو از خود نسل اسحٰق سمجھ رکھا تھا اور نہیں چاہتے تھے کہ شرف نبوت ان کی قوم سے کسی دوسرے کیطرف منتقل ہو۔ چونکہ پیغمبر صاحب اسحٰق کے بڑے بھائی اسمٰعیل کی نسل میں تھے یہود نے اپنی اعلیٰ خصوصیت کی بنیاد پر پیغمبر صاحب سے ضد او اسطہ کا بیر باندھ لیا تھا۔ لگے توراۃ کی پیشین گوئیوں میں طرح طرح کی تحریفیں کرنے غرض مدینے کے یہود پیغمبر صاحب کی مخالفت میں قریش مکہ سے بھی چند قدم آگے تھے یہود کے علاوہ خود مدینے کے اصلی باشندوں میں سے بھی ایک گروہ پیغمبر صاحب کے روز افزوں اقتدار کا حسد رکھتا تھا۔

باقی آئندہ

اِسلام اب کہاں رہتا ہے!

کل جو اک سنسان جنگل میں ہوا میرا گزر — آہ! اک ٹوٹی سی مسجد دور سے آئی نظر
اک کشش پیدا ہوئی ایسی کہ میں بے ساختہ — اوسکی جانب کچھ چلا، دل باختہ جاں باختہ
جا کے دروازے کے اندر جب رکھا میں نے قدم — صحن میں گھاسوں کو پایا قدِ آدم کم سے کم
جم گئی تھیں کائیاں گچ کی ہوئی دیوار پر — سبز مخمل کا غلاف اک تھا چڑھا مینار پر
ایک کونے میں تھا واں پختہ کنواں بطرز خام — غسلخانہ ایک گوشے میں قریبِ انہدام
آشیانے طائروں کے تھے کسی محراب میں — جاگتے تھے جن میں کچھ بچے تو کچھ تھے خواب میں
سر سے پا تک بے مرمت تھی وہ بے تعمیر تھی — الغرض مسجد نہ تھی، حسرت کی اک تصویر تھی

مجھکو اک حسرت ہوئی یہ ہو کا عالم دیکھکر — گھر کو مالک کے غم و یاسِ مجسّم دیکھکر
صحن میں آکر میں سوئے آسماں تکنے لگا — جوشِ غمناکی میں آکر اس طرح بکنے لگا
پہلے جو کچھ شک و شبہ تھا، وہ زائل ہو گیا — آج تیری بے نیازی کا میں قایل ہو گیا
کالعدم اسلام، اور مفقود یاں ہو تو ہو — اپنے گھر کی بھی نہیں پروا، ویراں ہو تو ہو

میں اسی جھنگی میں تھا گویا، کہ اک خوش رو جواں — ایک گوشے سے اسی مسجد کے نکلا ناگہاں
صحنِ مسجد رشکِ عرشِ معلا ہو گیا — محوِ حیرت تھا جو میں، محوِ تجلا ہو گیا
ہاے وہ قامت کی سج دھج، اور پیشہ دو زلفِ دراز — ابروے پُرخم تنی، چتون میں بل تیور میں ناز
چین پیشانی پہ صدقہ سو ہلالِ ماہِ عید — چشمِ حق بیں وہ، کہ جس کے پیرِ کنعاں بھی مرید
سامنے میں مصطفےٰ صورت شرحِ بلور — سینۂ صافی مثالِ سطحِ دریاے نور

ہو ابھی محشر بپا، انداز یہ رفتار کا
آرزوئیں جی اٹھیں اعجاز یہ گفتار کا

عرض کی میں نے کہ اے سرمایۂ حسن و جمال
سچ بتا مجھکو، کہ ہے تو کس چمن کا نونہال
اس گھنے جنگل میں پیارے! کیا غرض رکھتا ہے تو
ہائے یہ سنسان مسجد، اور تجھ سا خوبرو!
حور ہے تو، یا فرشتہ، یا پریزادوں میں ہے؟
یا ہمیں ناکام جیسے خانہ بربادوں میں ہے؟

کھینچکر اک آہ اوس نے، تھام کر ہاتھوں سے دل
کیا کہوں کیونکر سنایا یہ جواب جاں گسل
میں فرشتہ ہوں نہ جن و انس، اک ناکام ہوں
میں زمانے کا ستایا مذہب اسلام ہوں

اب جگہ ملتی نہیں لوگوں کے دولت خانوں میں
اس لیئے رہتا ہوں چھپ کر میں انہیں ویرانوں میں

تمنائے عمادی پھلواروی عظیم آبادی

عصمت جسطرح یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ قوم کی ترقی کا انحصار تعلیم النسوان پر ہے اسی طرح اس مین بھی کلام نہین کہ رسالہ عصمت لڑکیون کے واسطے ایک بیش بہا نعمت ہے جس مین خانہ داری تعلیم و تربیت ـ مذہب وغیرہ پر منتخب اہل قلم کے مضامین نکل رہے ہیں

عصمت کواری لڑکیون کو فرمانبردار بیویان اور بیویون کو سلیقہ شعار گھر والیان اور سگھڑ مائین بنانے کے واسطے ایک لاجواب چیز ہے ـ جوبش قیمت کاغذ اعلے درجہ کی لکھائی چھپائی رنگین تمثیل سنہری بیل اور تصویر سے مزین ہوکر ہر مہینہ شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ عہ

منیجر عصمت و تمدن دہلی

کیا مذہب بنی نوع انسان کیلئے مفید ثابت ہوا ہے

یہ ایک فیصل شدہ سوال ہے مگر چونکہ مذہب کی تحقیق انسان کے لیے ایک نہایت ضروری فرض ہے اس لیے اس پر بحث کیے جانا تو تعجب خیز نہیں لیکن ایک اجتہادی رائے سے غلط خیال قایم کرلینا بیشک تعجب کی بات ہے۔

حضرت زمزم نے جون کے تمدن میں ایسی ہی غلط رائے قایم کرنے کے لیے کہ مذہب فضول اور نقصان پہونچانے والی چیز ہے) جن وجوہ پر استدلال کیا ہے وہ ایک عجیب پیرایہ تحقیق ہے فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ مذہب کے لیے عام طور پر دو خیال ظاہر کیے جاتے ہیں۔

اول یہ کہ مذہب ایک فضول چیز اور انسان کے لیے سخت نقصان پہونچانے والا ہے۔

دوسرا یہ کہ مذہب ایک نعمت ہے اور انسان کے لیے مذہب مفید ثابت ہوا۔ میرا خیال ہے کہ ہر چیز کے لیے اسیطرح متضاد خیال قایم کیے جاسکتے ہیں اور جس طرح یہ خیالات آسانی سے قایم کیے گئے ہیں اوسی طرح آسانی سے صحیح نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے۔ مثلاً ہر قول کے قایل اور ہر خیال کے مدعی کو پیش نظر رکھکر اوس کی لیاقت اور قابلیت کے ساتھ کثرت اور قلت پر نظر کرلی جائے

اگر ہم (الف) اور (بے) دو امتیازی نشان قرار دے لیں اور پھر (الف) کے نیچے پہلے خیال والوں کو اور (بے) کے سایہ میں اوس کے مخالفوں کو جمع کریں تو ظاہر ہے کہ مغربی افریقہ کے مادر زاد برہنہ انسان کا گوشت رغبت سے کہا جانے والے وحشی۔ اسٹریلیا۔ اور اوس

غیر ترقی یافتہ جزائر کے جنگلی۔ اسکیمو قوم کے آدمی کھجوروں کے جھاڑ دار پتوں سے ستر عورت چھپائے ہوئے۔ یا قطب شمالی وجنوبی کے برفستانی۔ جانوروں کی ایسی کھالوں سے ڈھکے ہوئے جن پر بڑے بڑے بال نہیں نظر آئیں گے اسوجہہ سے کہ یہ کسی مذہب کے ماننے والے آدمی نہیں ہیں۔ ان کو الف کے نیچے ہی جگہ پانے کا حق ہے۔ کچھہ اور آدمی ایسے نظر آئیں گے کہ جن کو کرامت اور اور استدراج معجزے اور شعبدے میں تمیز کرنے کی لیاقت مرنے کے وقت تک حاصل نہیں ہوتی۔ ایسے آدمی جو انسانی کمزوری کیوجہہ سے نفسانی خواہشوں کے شکار ہو گئے ہیں۔ یا وہ جنھوں نے مذہبی تعلیم کو حاصل نہیں کیا اور اسوجہہ سے اونکو ترقی حاصل کرنے کے لیے کوئی سیدھا راستہ نہیں ملا ہے۔

قس علیٰ ہذا۔ مذہب کے نہ ماننے والے یا مذہب کو فضول اور نقصان رساں کہنے والے یا وحشی اور جنگلی ایسے آدمی ہوں گے۔ جن کے لیے شایستہ مخلوق اون کے انسان یا حیوان ہونے کی ہنوز تحقیقات نہیں کر چکی ہے۔ یا ایسے آدمی ہوں گے جو۔ مذہب کی شایستہ بنانیوالی تعلیم سے نفور اور معذور رہے ہیں برخلاف اس کے (ب) کے سایہ میں انبیاء علیہم السلام۔ اولیاء کرام علماء عظام حکماء نیک نام۔ مہندس اور ستارہ شناساں ہند۔ و دانایان فرنگ ایسے شایستہ اور ترقی یافتہ لوگ نظر آئیں گے جو انسان کہلانے کے مستحق ہیں اور جن کی تعداد نسبتاً (الف) والے گروہ سے اس قدر زیادہ ہے کہ جنپر کل بنی نوع انسان کے کہلانیکا اطلاق ہو سکتا ہے۔

الغرض اگر ان دونوں خیالوں کے آدمیوں کو ہی دیکھہ لیا جاتا تو نتیجہ نکالنے میں غلطی واقع نہ ہوتی عقل سلیم کا عام مسئلہ ہے۔ کہ دانشمند غلطی پر مصر نہیں ہوا کرتے ÷

کسی اچھی اور نہایت مفید چیز کی ہزاروں لاکھوں بلکہ بے شمار مسلمہ خوبیوں سے قطع نظر کرنا۔ اور اپنی غلط فہمی اور کجرائی سے ایک ایسی برائی کو جو اُس چیز میں نہ ہو تراش کر بہ اصول غلط اوس اچھی چیز پر الزام قایم کر لینا عقل معاملہ فہم کے نزدیک مضحکہ انگیز بات ہے مذاہب کے پیرو اور احکام مذہب کی پابندی کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ

مذہب نے انسان کو جہالت کے تاریک گڈھے سے نکالا۔
مذہب نے آدمی کو ترکیب اور تہذیب کا جامہ پہنایا۔
مذہب نے امن وامان قایم کیا۔
مذہب نے غصہ کی آگ پر صبر وتحمل کا پانی ڈالا۔
مذہب نے جذبات انسانی کی حفاظت کی۔
مذہب نے انسان کو ہمدردی کا سبق پڑھایا۔
مذہب نے روحانی ترقیات کا راستہ دکھلایا
مذہب نے معرفت اور حقیقت کے پر اسرار راز کہولے۔

اور یہ دعویٰ ہی نہیں اس کا ثبوت بھی پیش کر دیا ہے۔ اگر مذہبی کتابوں کو دیکھا جائے تو ظاہر ہو سکتا ہے کہ مذہب نے سب سے پہلے اپنی صداقت کا ثبوت دیا ہے اور اپنا مفید ہونا۔ اتمام حجت کے لیے قوی دلیلوں سے ثابت کر دیا ہے

حیرت کی بات ہے کہ سوال تھا مذہب کے اچھے یا بُرے ہونے کی بابت۔ اور مذہب کے بُرے ثابت کرنے ثبوت میں بُرائیاں پیش کیجاتی ہیں۔ حالانکہ رسم ورواج اور ظالمانہ کیفیات رذیلہ کی۔ یہ بعینہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص صداقت پر الزام لگانے کے لیے کذب وبطالت کی برائیاں گنوا کر سچ کو جھوٹا ثابت کرے۔ بھلا مذہب کو مغربی افریقہ کے وحشیوں کی اس جاہلانہ رسم ورواج

سے کیا علاقہ ہے کہ کسی مردہ سردار کے ساتھہ زندہ چار آدمی دفن کر دیے جاتے ہیں۔ یا جاہلوں کے کسی مردہ بادشاہ کے ساتھہ صدہا زندہ آدمیوں کو مار ڈالا گیا یا جادو کے وہم پرستیہ آدمیوں کو پڑھا ہوا زہر کھلایا گیا۔ یہ توہمات رذیلہ کی اتباع ہے۔ نہ کسی مذہب حقہ کی پابندی۔

سلی بات ہے کہ مذہب نے تو ایسے ذمایم قبیحہ کی بیخکنی کی ہے۔

الغرض جاہلانہ رسم و رواج اور عامیانہ وہم پرستی کے کارناموں کو مذہب کے کارنامے قرار دینا امتیازی قابلیت کی دلیل ہے۔ ایک سی صفات میں اگر غلط فہمی ہوجائے تو تعجب نہیں مگر متضاد چیزوں میں۔ ایسی غلطی کا پیش آنا آمنت خطائے عقل یا فہم کی کمزوری ہے۔

فاضل گریجویٹ کا یہہ کہنا کہ نامعلوم کے معلوم کرنے کی خواہش کا نام مذہب ہے صریح غلط اور انوکھا خیال ہے۔ سلی بات یہ ہے کہ روحانی ترقی سے خدا کی معرفت حاصل کرنے کا نام مذہب ہے۔ مذہب کے لیے ضرورت ہے ایک نبی کی اور نبی کے لیے ضرورت ہے اپنی نبوت کی حجت کو ثابت کر دینے کی معجزات سے خدا کی کتاب ہے الہامات، اور صحائف وحی سے۔

خدائے پاک نے نبیوں کو اگرچہ وہ آدمی ہی تھے اتمام حجت کے لحاظ سے ایسی شان و شوکت سے بھیجا کہ بعض کو ان کے انسان سمجھنے میں ابتک تامل ہے بعض نے نبیوں کو خدا کا مظہر قرار دیا۔ اور بعض نے ان کو خدا کا بیٹا۔ یا فرشتہ مان لیا۔ بعض نے اون کو انسان کامل سمجھہ کر یہہ کہدیا کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مذہب کے فضول اور نقصان رساں ہونے کے ثبوت میں فاضل گریجویٹ نے کلیساؤں کی حسام کاریاں صلیبی لڑائیوں کی خون ریزیاں۔ وہ پادریوں کی

انتظامی ناقابلیت۔ مذہب ہنود میں ستی وغیرہ کے مذموم مراسم کا جو ذکر کیا ہے یہ حجت پہلی حجت سے زیادہ مبتذل اور کمزور ہے اگر کوئی مذہب کا پابند کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔ یا انسانی کمزوری سے کسی بدکرداری کو اپنا شعار بنالے۔ تو کیا کسی ایسے ذاتی گناہ کا بار مذہب کے سر تھوپا جا سکتا ہے۔ مذہب پر اسوقت تک کوئی الزام عاید نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس مذہب میں ایسے احکام نہ دکھلائے جائیں۔ انجیل پاک میں زنا کے جواز کا کوئی حکم دکھلائے اور پھر عیسائی مذہب پر الزام لگائے صلیبی لڑائیاں پرجوش تعصب اور جاہلانہ شجاعت کا ولولہ قرار پاتا ہے۔ نہ کسی مذہب کا حکم انجیل مقدس۔ یا قرآن کریم سے ایسا حکم دکھلا کر عیسائیوں اور مسلمانوں کے مذہب پر حملہ کرنا چاہیے۔

ستی کی رسم ہندوؤں کے ویدوں کا کوئی مذہبی حکم نہیں ہے۔ بلکہ محبت کی فلسفی کا نہایت گہرا اور پُر اسرار راز ہے۔ فاضل ہندوؤں نے اس سر راز کی اپنی کتابوں میں پوری توضیح درج کردی ہے۔ لہٰذا اعتراض سے پہلے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

یونانی۔ یہودی۔ عیسائی۔ اور مسلمانوں کے نام کے ساتھ تمام مذاہب قدیمہ اور جدیدہ کو ملا کر صرف مذہب اسلام میں انسانی قربانی کی نظیر دکھلائی ہے۔ اور اس ایک نظیر سے تمام مذہبوں کو متہم اور ملزم قرار دے لیا ہے۔

پہلی غلطی یہ ہے کہ ایک مذہب کی نظیر تمام مذاہب قدیمہ اور جدیدہ کیلئے کیونکر ثبوت الزام بن سکتی ہے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ خود یہ نظیر انسانی قربانی کا ثبوت نہیں قرار پاتا معلومات پہلو یہ تو درس رہا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت

اسحق علیہ السلام کو ذبیح بتایا جارہا ہے اور معاملہ فہمی کی حد یہاں تک پہونچگئی ہے کہ ایک مذہب کی غلط مثال سے ہر مذہب پر الزام قائم کیا گیا ہے کہ ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت سے انسانی قربانی کا ثبوت پایا جاتا ہے دلیل ہے یا بجیم صاحب کی گولیاں اچھی منطق ہے اور عجیب استدلال ہے

مخدوم مخاطب حضرت ذبیح علیہ السلام کی قربانی کا قصہ۔ خدا اور خدا کے نبی کے تعلقات اور راز و نیاز کا ایک دلچسپ راز ہے۔

مذہب اسلام کی کتابیں اس کی توضیح اور تشریح سے بہری پڑی میں اعتقاد کی نظر سے نہ سہی اعتراض کرنے سے پہلے تحقیق کی نظر سے تو اُن کو دیکھ لیا ہوتا۔

کہاں خدا اور اُس کے حبیب کے راز و نیاز کا افسانہ کہاں انسانی قربانی کا حکم ظالمانہ قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت کیجئے کہ خدا نے مسلمانوں کو اس آیت قرآنی سے انسان قربانی کا معتقد اور پابند کیا ہے۔ معاذ اللہ جس مذہب کی یہ تعلیم ہو من سلم المسلمون من اللسانہ و یدہ۔ اوس میں انسانی قربانی کا تلاش کرنا اور ایسے مقدس مذہب پر خونریزی کا الزام لگانا کسی طفل کا کام ہے مذہب اسلام کی برکات عظیمہ اور رحمت کریمہ کی کیا تفصیل کیجائے سب جانتے ہیں کہ شیوع اسلام سے پہلے عرب جاہل وحشیوں کا کیا حال تھا۔ اور پھر مذہب اسلام کے اصول اور بانئے مذہب کی اصلاح نے چند روز میں اون کی کیسی کایا پلٹ دی۔

معترض کا یہ دعوٰے بھی غلط ہے کہ چاند سورج دریا۔ اور پہاڑ بجلی اور بادل کی مذہب نے انسان سے پوجا کرائی۔ کون سے مذہب نے ایسا کیا اگرچہ اسکی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ تاہم مذہب اہل ہنود پر شاید

یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے مذہب کی بابت جس قدر تحقیقات کی گئی ہے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ امتداد مدت کی وجہ سے اس مذہب کا شیرازہ ڈھیلا ہو گیا ہے ایسے آدمی جنکو نفس امارہ نے مغلوب اور مسخر کر دیا تھا قابو یافتہ ہو کر۔ اصول مذہب میں رخنہ انداز اور احکام ملت پر متصرف ہو گئے اور بہت سی باتیں جنپر اعتراض ہو سکتا ہے انہوں نے مذہب میں شامل کر لیں ایک عام اصول کے موافق اگر وید آسمانی کتابیں ہیں تو ان میں ہرگز کسی قابل اعتراض غلطی کی گنجایش نہیں اور اگر وہ انسان کی بنائی ہوئی کتابیں ہیں تو اُن کی لغزشوں سے مذہب حقہ کے دامنوں پر دھبہ نہیں آسکتا۔ ان ہنود میں ایک فرقہ ہے جو اپنا نام آریہ تبلاتے ہیں۔ اُن کا دعوےٰ ہے کہ ویدوں نے مخلوق پرستی کا کہیں حکم نہیں دیا۔ فاضل گریجویٹ کو اگر تحقیق منظور ہے تو وہ اپنا خیال آریوں کے خیال سے ٹکرالیں۔

فاضل مضمون نگار نے اعتراض کے پیرایہ میں یہ بھی دکھلایا ہے کہ ہر آنے والے نئے مذہب نے پہلے مذہب کی برائیاں ظاہر کی ہیں۔ فی الحقیقت اعتراض گزشتہ کی یہ توضیح ہے اگر غور کیا جاتا تو آسانی سے سمجھ میں آجاتا کہ دوسرے مذہب کے۔ یا یوں کہئے کہ دوسرے نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت ہی یہ ہے کہ پہلے مذہب میں بدکردار آدمیوں نے اپنی بدکرداری سے یا محض انسانی کمزوری سے کچھ تصرف کر لیا تھا۔ خدا نے اپنے دوسرے نبی کو بھیجکر اوسکی اصلاح کرادی اس کا ثبوت ہے مذاہب کے اصولی مسائل۔ جو اسوقت تک ہر مذہب میں متحد قائم اور لائق اتباع چلے آرہے ہیں۔

فاضل معترض کے خیال کے موافق اگر دماغی ترقی اور روحی معراج کی یہی انتہا ہے کہ آدمیوں میں صرف کوّوں کا سا اتفاق ہو جائے۔ یا وہ ڈنگروں کیطرح

ایک تیندوے سے اپنے ابنائے جنس کو بچا لیا کریں۔یا سویٹ زرلینڈ کے جھیل کے باشندوں کی طرح گاؤں بسا کر ایک جگہہ آباد ہو جائیں اور کاتنے اور بننے کی صنعتوں کو حاصل کریں۔یا آسٹریلیا کے باشندوں کی طرح اون کی طرز معاشرت رہے تو ہم بھی فاضل گریجویٹ کی رائے سے اتفاق کریں گے۔اور ہم مانے لیتے ہیں کہ فاضل معترض نے بشری نشو و نما کا راز اور انسانی ترقی کا مرکز بخوبی سمجھہ اور پا لیا ہے۔

ہم کو صرف اسباب کے ظاہر کرنے کا حق تہا کہ فاضل گریجویٹ جس دعوے کے مدعی ہوئے ہیں اوسکا انہوں نے کوئی مبتذل اور نامعقول ثبوت بھی پیش نہیں کیا۔اگر وہ دلائل اور براہین سے ثابت کر دیں گے کہ مذاہب حقہ نے انسان کو نقصان پہنچایا اور مذہب فضول چیز ہے، تو ہم انشاءاللہ اسکی تردید کے ساتہہ مذہب کے نفع رساں ہونے کا علمی اور عقلی ثبوت پیش کرینگے۔

مذاہب حقہ نے انسانی خونریزی کا جواز درکنار باتوں سے انسان کا دل دکھانا بھی کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔جو لوگ مذہب کے پابند ہیں اور جن کو مذہبی تعلیم سے حصہ ملا ہے اور جن کی روحانی قوتیں مدارج علیا پر صعود کرتی جاتی ہیں اون کو بہشت یعنی خدا کی رضامندی اور دوزخ یعنے خدا کی نارضامندی کے امید و بیم نے ایسا منکسر المزاج اور صلح کل بنا دیا ہے کہ گناہوں کا ارتکاب گویا اون کی ذات سے مسلوب ہو چکا ہے۔خدا سے ڈرنیوالے محض خدا کے عز اسمہ کے نام سے اسطرح کانپنے لگتے ہیں جسطرح شریر چور سولی کے خوف سے نہیں کانپتا غرض مذہب نے دماغ کو ترقیات روحانی کے مدارج طے کرنے سے نہیں روکا۔بلکہ خود رائی سے راہ غلط پہ چلنے کے خطرہ کو میٹ دیا ہے۔اور ترقی کے سب سے اونچے مقام پر پہونچنے کا ایک سیدھا اور آسان راستہ بتلا دیا ہے جس سے بیشمار آدمی اوس مقام پر پہونچ گئے ہیں اور پہونچتے

برسات کی بہار

شکر برسات کی بہار آئی
پھر مری طبع شگفتہ لہرائی

ہر طرف ہیں نشاط و عیش کے رنگ
ہر طرف ہیں سرور و لطف کے ڈھنگ

ابر کے گانا اپنا جوشش طرب
آج رخصت ہیں عقل و ہوش و ادب

رنگ لانے لگا دلا شوق ضرور
ہے تمنائے دل دہی کا وفور

دل میں ہے آج اُن کے گھر جاؤں
جس طرح بن پڑے منا لاؤں

دلربا سے اگر رہی ان بن
لطف کچھ بھی نہ دے گی سیر چمن

کر لوں سامان عیش سب تیار
شاید آجائے آج وہ دلدار

اب تو نام خدا جوان بھی ہے
آجکل مجھ پہ مہربان بھی ہے

رنگ جب سے جما ہے ساون کا
خوب دلکش سماں ہے گلشن کا

ہے جوبن پر ہر ایک چمن کا نہال
رنگ پھولوں سے لائی ہے ہر ڈال

روشوں پر ہے سبزۂ خودرو
اس کی سج دھج ہے دلفریب و نکو

یہ درختوں کا لہلہانا خوب
اور یہ پھولوں کا دل لبھانا خوب

جمع اسباب دلربائی ہیں
لوگ مصروف خودنمائی ہیں

واہ کیا ہلکی ہلکی نکلی دھوپ
کیا زمانہ بدل رہا ہے روپ

دیکھنا کھیل دھوپ سایے کا
دیکھنا میل دھوپ سایے کا

وہ چلی دھوپ دوڑی پیچھے چھاؤں
کیا عجب دھوپ کو پکڑ لے چھاؤں

اک ذرا دیر میں چھپا خورشید
اب بر آئے گی اپنے دل کی امید

لے لو وہ دھوپ ہو گئی مفقود
سایہ اوسکی جگہ ہوا موجود

خوب سی چھائی ہے گھٹا اسوقت
کس قدر سرد ہے ہوا اس وقت

آئے بادل کے دل کے دل کالے
جھومتے ہیں یہ جیسے متوالے

اس ایہ دن ہو کہ رات آئی ہے
کیا اندھیری گھٹا ہے چھائی ہو

کیسی آواز آئی رم جھم کی
کس نے ہم کو سنائی رم جھم کی

ننھی ننھی ہے کیا پھوار اسوقت
کیسی بوندوں کی ہے قطار اسوقت

کتنی دل کش ہے یہ فضا دیکھو
دیکھو برسات کی گھٹا دیکھو

ہلکی ہلکی ہوائیں آئی ہیں
بوئے خوش بھینی بھینی لائی ہیں

اب تو کچھ زور شور اور بڑھا
سنسناہٹ سی ہوگئی پیدا

ابر کھلنے پہ لطف آئے گا
سبزہ تر ہو کے رنگ لائے گا

سیر کو سوئے باغ جائیں گے
لطف برسات کا اٹھائیں گے

ساتھ ہوں گے ضرور چند احباب
ہم ہیں پھلورے ہیں اور کباب

خوب پکوان جا کے کھائیں گے
غم نہ ہوگا مزے اڑائیں گے

اب نہ آئیں گے آٹھ دس دن گھر
باغ ہی میں جمائیں گے بستر

سوچتے کیا تھے ہو گیا لو کیا
نظر آتا ہے دوسرا نقشا

زور پکڑا پھوار نے بڑھ کر
عالم آب اب ہے پیش نظر

زور پانی میں کس غضب کا ہے
موسلا دھار اب برستا ہے

چھپ گئی آب سے زمیں ساری
بہتے دریا ہر اک طرف جاری

یہ لو وہ زور و شور سے آیا
وہ چٹانوں سے جا کے ٹکرایا

ایسا برسا کہ چھپ گئی ہے ریت
خوش ہیں دہقاں کہ بھر گئے ہیں کھیت

ناامیدی سے جو یہ برسا
ساحل سے ابل گئے دریا

دیکھو دیکھو برستے ہیں بادل
دیکھو دیکھو وہ بھر گئے جل تھل

مینہ برسا ہے کس قدر شفاف | شجر کہیں دھل دھل کے ہو گئے ہیں صاف
سارے میدان سبزہ زار ہوئے | سارے کہسار پُر بہار ہوئے
ہو گئے سبز باغ کے اشجار | ہر جگہ پر گلوں کے ہیں انبار
گل کے چہرے پہ رنگ تازہ ہے | یا رُخِ دلربا پہ غازہ ہے
ہر طبیعت میں تازگی آئی | دل کی افسردگی ہوئی راہی
زندہ دل آجکل نہ مانیں گے | سیر دشت و چمن کی ٹھانیں گے
سبزۂ دشت لہلہاتا ہے | لطف کیا کیا ہوا سے آتا ہے
راغ اور باغ ہو گئے یکساں | پیڑ سرسبز، پھول ہیں خنداں
اُف چلی کس غضب کی تیز ہوا | دل کچھ ایسا ڈرا کہ کانپ اُٹھا
پھر زمانہ بدل رہا ہے رنگ | ہو نہ جائے کہیں یہ رنگ میں بھنگ
ہے یہ نیرنگِ قدرتِ خالق | جس سے ظاہر ہے حکمتِ خالق
کھُل گیا ہے برس کے اب پانی | ابھی بہ جائے گا یہ سب پانی
گو ہے پوشیدہ ابر میں خورشید | اب برسنے کی کچھ نہیں اُمید
لو وہ قوسِ قزح نکل آئی | یہ کئی رنگ خوشنما لائی
نچلے بیٹھیں گے اب نہ اہلِ شباب | آنکھیں بے چین ہیں تو دل بیتاب
آؤ کر آئیں سیرِ گلشن کی | رنگ رلیاں منائیں ساون کی
جشنِ برسات کا منائیں آج | سیرِ گلزار کی کر آئیں آج
کیا سہانا ہے آج کا منظر | ہر طرف کیا فضا ہے کیا منظر
پھر کہاں یہ بہارِ یاراں کی | پھر کہاں یہ نمودِ بستاں کی
سیر و تفریح میں نہیں پھر لطف | بعد کو ملتے ہیں کہیں پھر لطف
پھر میسر نہ ہوں گے یہ آرام | پھر نہ دلبستگی کے یہ ایام

پھر نہ یہ عنفوانِ برنائی + پھر نہ ہوگی یہ سیرِ رعنائی - محمد حسین محوی لکھنوی -

مُلکی کفایت

پہلا باب

دولت

سلسلہ کے لئے تمدن جون ملاحظہ ہو

دولت منتقل ہوسکتی ہے - منتقل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شے ایک شخص سے دوسرے شخص کے پاس جاسکے بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ہم اپنے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں دے سکتے ہیں - مثلاً پنسل - کاغذ - قلمدان - گھڑی وغیرہ - بعض ایسی ہیں کہ ہاتھ سے اٹھاکر نہیں دے سکتے - مثلاً زمین یا مکان کہ اُن کے دینے کے لیے ہم کو قبالے اور دیگر سرکاری کاغذات کی ضرورت ہوتی ہے - اسی طرح ایک خدمت گار اپنی خدمت منتقل کرسکتا ہے یعنی ایک آقا کی نوکری چھوڑکر دوسرے کے پاس نوکر ہوسکتا ہے - اسی طرح جب ہم مولوی صاحب کو وعظ فرمانے کے لیے بلاتے ہیں تو عموماً اُن کی تکلیف کے بدلے کچھ نقدی نظر کردیتے ہیں یا شادی بیاہ کے موقعوں پر ڈومنیوں اور بھانڈوں کو گانے بجانے کے بدلے بیل وغیرہ دیتے ہیں - مگر دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا منتقل کرنا ناممکن ہے امیر آدمی اپنے روپے کے زور سے جنگل میں منگل کرسکتا ہے - ہزاروں آدمیوں کو اپنی خدمت کے لیے نوکر رکھ سکتا ہے لیکن اگر وہ خود بیمار ہے اور بیماری لاعلاج ہے تو اپنا سارا مال ومتاع خرچ کرکے بھی کسی

دوسرے کی صحت نہیں خرید سکتا ہے۔ ولایت کے اثنائے قیام میں ایک تصویر میری نظر سے گزری جس میں مصوّر نے نہایت خوبی کے ساتھ اس مسئلے کا ایک پہلو دکھایا تھا۔ چونکہ میرے خیال میں وہ اِس مضمون سے بڑا تعلق رکھتی ہے اس لیے یہاں بیان کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ تصویر پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہار کے موسم میں شام کا وقت ہے آفتاب ابھی غروب ہوا ہے اور جھٹ پٹا سا ہوتا جاتا ہے۔ دریا کے دوسری جانب بہت فاصلہ پر ایک عالیشان قلعہ واقع ہے جسکی دوری کے سبب اونچے اونچے برج بادلوں سے ڈھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس قلعہ کے دروازے سے ایک پکی سڑک لبِ دریا تک چلی آتی ہے اور دریا کے کنارے ایک نوجوان لڑکی ایک سن رسیدہ انگریزی خاتون کے ساتھ ساکت کھڑی ہے۔ ان کے چہرے اور لباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں بڑی عالی خاندان ہیں اور اغلب ہے کہ سن رسیدہ خاتون تو انگلستان کی کوئی بڑی نواب زادی ہیں اور نوجوان لڑکی اُن کی بہو۔ شام کے وقت ہوا خوری کے لیے دریا کے کنارے ٹہلنے آئی تھیں اور اب اندھیرا ہوتا دیکھکر گھر کی طرف پلٹی ہیں۔ ان کا رُخ اُس عالیشان قلعے کی طرف ہے جو فاصلہ پر استقبال کے لیے استادہ ہے۔ راستے میں نوجوان خاتون ایک دفعہ ہی ٹھٹھک گئی ہے اور اپنی صراحی دار گردن موڑ کر چشمے کے دوسری جانب کسی چیز پر حسرت آمیز نگاہیں ڈال رہی ہے چشمے کے اس طرف پھونس کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی پڑی ہے اور اُس کے دروازے کے باہر ایک تپائی بچھی ہوئی ہے جس پر ایک جوان عورت دہقانوں کے سے کپڑے پہنے گود میں اپنے ننھے بچے کو لیے بیٹھی ہے اور میٹھی میٹھی۔

نظروں سے اُس کے مکھڑے کو تک رہی ہے۔ برابر ہی اُس کا نوجوان خاوند پھٹے پُرانے کپڑے پہنے بچے کی طرف مُنہ جُھکائے کھڑا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کشتی کو ابھی کنارے لگا کر اُترا ہے اور اپنے بچے کی صورت دیکھ دیکھ کر خوشی کے مارے پُھولا نہیں سماتا۔ اِس تصویر کے نیچے یہ الفاظ تحریر تھے "فقط دولت ساری نعمت نہیں" جن سے اِس سارے منظر کی حقیقت معلوم ہوتی تھی۔ اصل یہ ہے کہ دنیا کے ہزاروں کام دولت کے ذریعے کی ہو سکتے ہیں مگر وہ باتیں جو زر و جواہر سے زیادہ قیمتی ہیں اس سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتیں۔ دولت ہی صرف ایک اچھی چیز نہیں کہ لوگ اسکی تمنا کریں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ دولت ہماری ہزاروں حاجتوں کو رفع کرتی ہے اور ہم کو سخت محنت اور فاقوں سے محفوظ رکھتی ہے اس لیے ہم کو اُس کی قدر کرنی لازم ہے۔

دولت کی فراہمی محدود ہے۔ دولت کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ یہ بے حد نہیں ہوتی بلکہ اس کی ایک محدود مقدار ہمکو میسّر آسکتی ہے۔ اس دعوے کو بعض لوگ غلط خیال کریں گے اور وہ یہ کہیں گے کہ ہم تو روزمرہ دیکھتے ہیں کہ دولت کو دولت کھینچ رہی ہے۔ امیر دن بدن زیادہ امیر ہوتے جاتے ہیں اُن کے پاس تو دولت کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی۔ امریکہ کے باشندوں کو دیکھو کہ جن کے پاس روپیہ پانی کی طرح بہتا ہے۔ مگر مثال سے اس کی اصلیت اچھی طرح معلوم ہو جائے گی ہوا جو ہم کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور ہماری زندگی کے لیے اتنی ضروری ہے دولت نہیں کہی جا سکتی کیونکہ جتنی مقدار کی ہم کو ضرورت ہوتی ہے سانس سے کر اتنی ہی سے لیتے ہیں اور اُس کی کچھ قیمت نہیں دینی پڑتی مگر اسی ہوا کی

مقدار کو محدود کر کے دیکھو تو فوراً دولت کی خاصیت پیدا ہو جائیگی مثلاً آجکل جو پانی کے نیچے تیرنے والی کشتیاں ایجاد ہوئی ہیں اُن میں لامحالہ ہوا ایک محدود مقدار میں رکھی جاتی ہے تاکہ کشتی چلانے والوں کے کام آسکے اور ہر ایک شخص کی صحت اور زندگی کے لیے جتنی ضروری ہے اُس کے حساب سے اندر کسی خانے میں ہوا بھری جاتی ہے۔ اسی طرح گہری گہری کانوں میں ہوا کے محدود ہونے سے اُس کی قیمت پیدا ہو جاتی ہے اور اس لیے کان میں کام کرنے والے کو اور قسم کی دولت کی طرح بعض اوقات اس کے خرچ میں بھی کفایت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن سطح زمین پر رہنے والوں کے لیے سارا کُرہ ہوائی موجود ہے جس وقت چاہیں سانس لیں اور جتنی چاہیں استعمال کریں۔

یہ تو ہم نے دیکھا ہے کہ ہوا اگرچہ اتنی ضروری چیز ہے لیکن اُس کی کچھ قیمت نہیں اب اس کے بالکل برعکس ہیرے کا حال ہے کہ اگرچہ اتنا قیمتی پتھر ہے کہ کوئی اور شے قیمت میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی لیکن بہت کم استعمال میں آتا ہے زیادہ تر تو زیورات میں صرف ہوتا ہے اور بہت سا شیشہ کاٹنے میں کام آتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس کے قیمتی ہونے کی بڑی وجہ کمیابی ہے مگر یہ بھی لحاظ رہے کہ کسی چیز کے کمیاب ہونے کا اثر ضروری طور پر یہ نہیں ہوتا کہ وہ قیمتی ہو۔ کیونکہ بہت سی ایسی دھاتیں ہیں کہ جو بہت کم ملتی ہیں لیکن چونکہ اُنکا ابھی تک کوئی استعمال نہیں معلوم ہوا اس لیے کچھ بھی قیمتی نہیں۔

دولت مفید یا کارآمد ہوتی ہے دولت کی تیسری شرط اُس کا کارآمد ہونا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل دنیا اُسکی

استنے شائق ہیں بلکہ اگر دیکھا جائے تو دولت کو ہم عام طور پر دولت اس سبب سے کہتے ہیں کہ وقت پڑے پر وہ ہمارے کام آتی ہے مثلاً ہمارے پاس اگر کھانے کے واسطے کوئی اشیائے خوردنی موجود نہیں اور بھوک کے مارے قل ہو رہا ہے اسوقت ہمکو روٹی میسر آئے تو وہی ہمارے لیے دولت ہے کیونکہ وہ فاقہ کی تکلیف سے بچاتی ہے یا اگر ہمارا اسیوقت خوشبو سونگھنے کو جی چاہتا ہے اور ہمارے پاس ایسے ذرائع موجود ہیں جن سے مطلوبہ خوشبو حاصل کر لیں تو وہ چیز جو اس خوشبو کا باعث ہوگی دولت کا ایک جزء ہے۔ علیٰ ہذا بخار اُتارنے کی غرض سے جو دوا پی جاتی ہے اور اُس کے اثر سے بخار کی حدت جاتی رہتی ہے تو وہ دوا بھی دولت کا ایک حصہ کہلائیگی غرض ہر ایک چیز جو براہ راست یا بالواسطہ ہماری خوشی کا سامان مہیا کرے یا رنج و کلفت کی مانع ہو دولت میں شامل ہے۔ البتہ یہ سوال در اصل طلب ہے کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جو براہ راست ہم کو فائدہ بخشتی ہیں اور وہ جو بالواسطہ مفید ہیں براہ راست سے یہ مراد ہے کہ مثلاً روٹی کا نوالہ جو منہ میں جاتا ہے وہ درحقیقت براہِ راست ہمکو نفع پہونچاتا ہے مگر وہ چکی جس میں آٹا پیسا گیا ہے اور وہ توا جس پر روٹی پکائی گئی ہے بالواسطہ ہمارے آرام کا باعث ہوتے ہیں مگر بعض اوقات اس میں فرق دریافت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ انگلیوں سے جو نوالہ بنایا ہے تو اُن کو بالواسطہ ذریعہ آرام کہیں یا براہ راست؟ بہرحال اس فرق پر زیادہ زور دینا اس مقام پر ضروری نہیں ہاں یہ بتا دینا لازمی ہے کہ چونکہ دولت کی اصطلاح میں مختلف

اقسام کی کار آمد اشیا شامل ہیں اس لیے آیندہ ہم ایک جزو دولت کو مال کر کے بھی خطاب کریں گے جیسے روئی۔ اون۔ چمڑہ۔ لکڑی وغیرہ مگر ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ چیزیں اسوقت تک مال نہیں ہو سکتیں جب تک کہ ہمارے کار آمد نہوں۔ مثلاً جنگلوں میں بڑے بڑے تناور درخت وہاں کھڑے کھڑے مال نہیں کہلائے جا سکتے کیونکہ اس صورت میں وہ ہمارے کسی کام کے نہیں لیکن اگر انہیں کو کاٹ کر اور ان میں سے اچھے اچھے شہتیر نکال کر بازار میں فروخت کرنے کے لیے لایا جائے تو وہ مال کی قسم میں شمار ہوں گے۔ اس حالت میں انکی قیمت اٹھ سکتی ہے اور وہ ہمارے گھروں میں چھتوں کی کڑیوں یا چوبی ستونوں کے کام آسکتے ہیں۔ اسیطرح چکنی مٹی کہ جس کی شہر کے باہر اتنی افراط ہوتی ہے اور جسکی وہاں پڑے پڑے کوئی قیمت نہیں لیکن اسی کو گدھوں پر لاد کر ایسی جگہ پہونچا دیا جائے جہاں ضرورت ہو تو وہی مٹی مال کی ایک صنف ہے اور اس کا بیچنے والا بھی اور تاجروں کی طرح اپنے مال پر نفع کما کر زندگی بسر کرتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ اشیا کہ جن کی ہم کو دراصل ضرورت ہو اور جو ہمارے کار آمد ہوں اور جن کی لوگ آخرید و فروخت کر سکیں ان کو اصطلاح میں مال کہتے ہیں۔

دؤف

ناظرین تمدن براہ کرم خط و کتابت مین نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دین

مینیجر عصمت و تمدن دہلی

اسلام

الٰہی کیا ہوئی آخر وہ حشمتِ اسلام   کسیکے دل میں نہیں ہے وہ حرمتِ اسلام
وہ دبدبہ نہ وہ صولت نہ احتشام ہے وہ   کہاں ہے اب وہ زمانے میں شوکتِ اسلام
بسانِ مہر کبھی سربلند تھا - اب تو   خمیدہ مثلِ مہِ نو ہے رایتِ اسلام
نجومِ بخت کے پستی میں آج سارے ہیں
نہ آسمانِ حشم ہے نہ وہ ستارے ہیں

تھی اک زمانے میں مشہور طاقتِ اسلام   ہر ایک ملک تھا زیرِ حکومتِ اسلام
یہ اوج پر تھا ستارہ بلند بختی کا   کہ پہونچی عرشِ معلیٰ پہ شہرتِ اسلام
مگر زمانے کی گردش نے کھو دیا سب کچھ   کہاں ہے زر کدھر ہے وہ دولتِ اسلام
کہوں میں کیا کہ کوئی حد نہیں غریبی کی
یہ مفلسی تو علامت ہے بدنصیبی کی

جہاں میں غیرتِ خلدِ بریں تھا یہ گلشن   خزاں نے کر دیا تاراج اسے بچشمِ زدن
کھلے نہ پھول وہ اور پھر نہ وہ بہار آئی   بدل چکا کئی باری نظامِ چرخِ کہن
لیا ہے لوٹ زرِ گل کو خوشہ چینوں نے   نصیب دیکھو کہ گلچیں نے بھر لیا دامن
اُجاڑ دشت کی صورت یہ لالہ زار رہا
مگر زمانے کی آنکھوں میں پھر بھی خار رہا

جو زیردست تھے کرتے ہیں اب زبردستی   چڑھی ہے بادۂ دولت کی ایسی کچھ مستی
خدا کی شان ہوئے پست اوج کے طالب   جو اوج والے تھے انکو نصیب ہے پستی
خیال سر میں ہے سودائیوں کے شاہی کا   بناتے پھرتے ہیں اپنی نئی نئی بستی
یہ چاہتے ہیں پہنچ جائیں جب حکومت کو

نکالیں شہر سے تیرے نبی کی امت کو

ہمارے پاس وہ اب زور و زر نہیں۔ نہ سہی ہمارا دورِ حکومت اگر نہیں۔ نہ سہی۔
وہ مال باد اگر ہیں تو کچھ نہیں پرواہ وہ جانتے ہیں ہمیں کچھ خبر نہیں نہ سہی
ہمیں جو کرتے ہیں بدنام سنگدل ناحق ہماری آہ سے انکو حذر نہیں۔ نہ سہی

بگڑ گئے تو مصیبت کا دن دکھائیں گے
جو روئے ہم تو ابھی اشکِ خوں رلائیں گے

تجھے بھی کیا نہیں یا رب نبی کے دین کا پاس ہماری خواری و زاری کا کچھ تو کر احساس
سنائیں حالِ دلِ بیقرار ہم کس کو ہمیں تو تیرے سوا اور نہیں کسی کی آس
مٹانا گر تجھے منظور ہے جہاں سے ہمیں پلائے گھول کے پانی میں ہیرۂ الماس

نشانِ دینِ نبی مٹ کے خاک ہو جائے
عدو ہوں خوش جو یہ قصہ ہی پاک ہو جائے

تجھے خبر ہے جو اسلام نے کئے ہیں کام کیا جہان میں روشن اسی نے تیرا نام
نشان خلق کو تیرا کہیں نہ ملتا تھا بنا گئے ترا گھر بندگانِ نیک انجام
بھرا تھا کفر و ضلالت سے خانۂ باری صفائے قلب سے کس نے کیا تھا صاف تمام

جمائے مہرِ نبوت پہ پھر قدم کس نے
زمیں پہ پھینک دیئے توڑ کر صنم کس نے

بلند شہرہ کیا کس نے تیری وحدت کا دکھایا خلق کو جلوہ تری جلالت کا
دکھا کے معرکہ اسلام کی شجاعت کا بٹھایا سکہ زمانے پہ اپنی ہیبت کا
دبا دبا کے زبردست زیر دست کیے دکھایا زور اک عالم کو اپنی قوت کا

رہ گریز ہی دشمن پہ جب کہ تنگ ہوئی
کہاں زمانے میں خیبر سی کوئی جنگ ہوئی

عراق و شام پہ پھر کون حکمران رہا بلند چین میں کس قوم کا نشان رہا
وہ کوئی اور تھا اسلام جس کے زیر نگیں؟ بغیر تیری خدائی کے سب جہان رہا
جو پہلے تہا وہی اسلام اب بھی ہے لیکن غضب تو یہ ہے کہ تو ہی نہ مہربان رہا
نہیں غلط ہے۔ یہ گستاخی ہے کمال میری
خطا معاف کرے رب ذوالجلال میری

تو مہربان ہے عادل ہے بندہ پرور ہے ہمیشہ امت احمد پہ سایہ گستر ہے
ہمیں کو بیخبری ہے تیری مشیت سے خبر جہاں کی تجھے غیب دان بہتر ہے
تری کتاب سے ظاہر ہے الغرض کہ تجھے پسند مذہب اسلام سب سے بڑھکر ہے
یہ کیا سبب ہے کہ ہمکو نصیب ہے پستی
زمانے کو ہے ترقی ہمیں تہی دستی

یہ کہہ رہا تھا کہ ہاتف نے دی ندا ارشد کہی جو تو نے ابھی بات تھی بجا ارشد
سُن اسکو ہوش سے کہتا ہے فیلا ارشد میں سُن رہا ہوں ترا نالۂ رسا ارشد
نہ میرے عرش کو فریاد سے ہلا ارشد قبول ہے کرے اسوقت جو دعا ارشد
پسند آیا نہایت ہمیں سخن تیرا
کہ ہے تو لعل و گہر سے بھرا دہن تیرا

مگر یہ ساتھ ہی کہتا ہے تجھکو تیرا رب کہ حال پوچھ نہ اس قوم کا زیادہ اب
دیے تھے ہم نے خزانے تو بیشمار انہیں انہوں نے زر کو کیا صرف بزم عیش و طرب
کہاں جہاں میں اب ہیں وہ کام کے بندے انہیں تو کام سے نفرت ہے ہیں عیش طلب
غرض ہے کچھ انہیں صنعت سے اور نہ حرفت سے
رہیں نہ لوگ تہی دست کیوں نہ دولت سے

کہو پکار کے ارشد کہ اے مسلمانو! رہو نہ اسطرح بیکار کچھ ہنر سیکھو

اگلے پرچہ میں کے ... ذر موعودہ صدائے جلوہ۔ آغا غلام حسین ارشد

عمارات لکھنؤ

شمالی ہند میں لکھنؤ سب سے زیادہ قدیم اور تاریخی شہر ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے اور جس کے گزشتہ افسانے زبانِ زدِ خاص و عام ہیں۔ اس کا قدیم نام "لکھنا پُری" تھا جو اس کے بانی "لچھمن جی" کے نام سے مشتق تھا اور ہندوؤں کی کتب قدیمہ میں اس کا ذکر موجود ہے اسلامی تاریخوں میں اس کا نام "لکھنوتی" درج ہے اور بعد کو کثرت استعمال سے صرف "لکھنؤ" رہ گیا۔ سورج بنسی خاندان کے عہد حکومت میں جب "اجودھیا" کو سارے ہندوستان کا دارالسلطنت ہونے کا فخر حاصل تھا اور "راجندر جی" نے لنکا (سیلون) کو فتح کر کے اپنی موروثی سلطنت کے حدود اور بھی وسیع کر لیے تو اُن کے وفادار بھائی "لچھمن جی" نے اجودھیا کے قریب لکھنا پوری کی بنیاد ڈالی۔ اُس قدیم عہد کی ایک نشانی "لچھمن ٹیلہ" اب تک موجود ہے جو سارے شہر سے زیادہ بلند ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس زمانے کے کسی قلعہ کے آثار ہوں۔ کیونکہ ہندوؤں کے قدیم شاستروں میں قلعہ کی تعمیر کے لیے سب سے زیادہ بلند مقام کی ہدایت کی گئی ہے۔

یہ سرزمین سورج بنسی خاندان کے زیر حکومت کب تک رہی اسکی صحیح تاریخ بتانا غیر ممکن ہے۔ کیونکہ رامائن کے عہد سے موجودہ زمانے تک بے انتہا انقلابات ہو چکے ہیں اور ہزاروں خانہ جنگیوں کے علاوہ مشہور بودھ مذہب اتنا بڑا سیلاب تھا جو ویدک تہذیب و تمدن کے نشانات تک کو بہا لے گیا تھا۔ صدیوں کے عروج کے بعد بودھ مذہب کو بھی

زوال ہوا اور برہمنی دور شروع ہوا، لیکن مٹے ہوئے نشانات پھر نہ قائم ہوسکے۔ برہمنوں کے سب سے بڑے حامی راجہ وکرما دت کی کوشش سے اجودھیا پھر آباد ہوگئی اور اس کو اس قدر مذہبی عظمت دی گئی کہ وہ ایک تیرتھ یا زیارت گاہ ہوگئی۔ لیکن لکھنؤ میں بجز اس کے کہ برہمنوں کا ایک مرفہ حال قصبہ آباد ہوگیا۔ اور راجپوت دوبارہ حکومت کرنے لگے اور کچھ پتا نہیں چلتا۔ جب ہندوستان کی حکومت اہل اسلام کے ہاتھ آئی اور افغان اس ملک کے حکمراں ہوئے تو ہند کے دوسرے حصوں کے ساتھ اودھ بھی اُن کے زیر نگیں ہوگیا جو اس سے پہلے قنوج کے چوہان راجپوتوں کے زیر نگین تھا۔ امتداد زمانہ سے ان افغانوں کے بھی کئی فرقے ہوگئے اور بالآخر ایک فرقے نے اودھ میں اپنی مستقل حکومت قایم کرلی جس کے فرمانروا شرقی پٹھان کہلاتے تھے اور جن کا دار الحکومت جونپور تھا۔ جونپور اور اس کے مضافات میں ان کے عہد کی کثیر التعداد بےنظیر عمارتیں اب تک موجود ہیں +

لیکن لکھنؤ میں اس عہد کی کوئی عمارت نہیں پائی جاتی۔ ایک عرصہ دراز کے بعد جب مغلوں نے حملہ کیا اور افغانوں کی حکومت تاتاریوں کے ہاتھ میں چلی گئی تو ۱۵۳۰ء کے قریب مسلمانوں کا ایک فرقہ لکھنؤ میں آباد ہوا۔ انہیں عام طور پر شیوخ لکھنؤ کہتے ہیں۔ انہیں اور قدیم برہمنوں میں نہایت دوستانہ برتاؤ قایم تھے اور دونوں اپنے اپنے فرائض مذہبی نہایت آزادی سے ادا کرتے رہے۔ البتہ دونوں فرقوں کی آبادی کے مرکز جدا جدا تھے۔ اس زمانہ میں یہاں صرف ایک پرانا قلعہ موجود تھا جو لکھنا[1] قلعہ کہلاتا تھا۔ اس کے بعد شاہ مینا صاحب کی درگاہ تعمیر ہوئی

[1] لکھنا ایک امیر سردار کا نام تھا جو مسلمانوں کے ابتدائی عہد میں یہاں کا حاکم تھا۔

جو موجودہ عمارات میں سب سے پرانی عمارت تھی یہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ غدر میں مسمار ہوگئی جس کی جگہ پر شاہ موصوف کی موجودہ درگاہ قایم ہے یہ "پیر جلیل کا روضہ" بھی اسی زمانے کی یادگار ہے جو نہایت خستہ حالت میں اب تک موجود ہے۔

جب دربار اکبری سے شیخ عبد الرحیم کو لکھنؤ اور کورج کے علاقہ بطور جاگیر عطا ہوئے تو انہوں نے لکھنا قلعے کی از سر نو مرمت کرائی اور اس کے ساتھ کئی نادر عمارات کا اضافہ کر کے اسکو اپنا محل قرار دیا۔ ان شیوخ کو یہاں بہت عرصے تک عروج حاصل رہا حتیٰ کہ بہادر شاہ اوّل کے عہد میں "شیخ ابو المکارم" کو اودھ کی صوبہ داری بھی عطا ہوگئی۔ اس سے پہلے اورنگ زیب کے عہد میں فدائی خاں" یہاں کا صوبہ دار تھا۔ ان سب کا صدر مقام لکھنؤ ہی تھا۔ یہاں تک کہ خاندان نیشاپور کے اول حکمراں" نواب برہان الملک" کا دار الحکومت بھی یہیں قایم رہا۔ لیکن ان کے جانشین" نواب صفدر جنگ" نے فیض آباد میں چند عمارتیں تعمیر کرا کے وہاں بود و باش اختیار کی۔ ان کے بعد نواب شجاع الدولہ نے فیض آباد میں بہت سی عمارات کا اضافہ کیا اور اُن کے عہد تک اودھ کا دار الحکومت فیض آباد ہی رہا لیکن آصف الدولہ کے عہد میں اس صوبے کا دار الحکومت پھر لکھنؤ کو منتقل ہو گیا اور موجودہ لکھنؤ درحقیقت اسی عہد کی یادگار ہے جو رفتہ رفتہ ایک عظیم الشان شہر کے درجے پر پہونچ گیا اور جس کی شان و شوکت نے سیاحانِ عالم کی آنکھوں میں خیرگی پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ اس کے مجموعی نظارے کے متعلق

(بقیہ نوٹ) اس زمانے میں بہت سی نیچ قومیں مثلاً "بھار، تھارو، اور اہیر وغیرہ" اس قدر قوت پکڑ گئی تھیں کہ انہوں نے اپنی حکومتیں قایم کر لی تھیں ۱۲

بعض مغربی سیاحوں کی رائے حسب ذیل ہے:-

"یہ شہر خوبصورت اور عالیشان عمارتوں کا ایک گنجینہ ہے جنکی سفیدی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کرتی ہے۔ ان پر طلائی گنبد جگمگا رہے ہیں اور بے شمار بلند مینار دیز سنہری کلیاں نصب ہیں جو اپنی اُس عالیشان عظمت کا ثبوت دیتے ہیں جن کے لیے وہ مشہور ہیں۔"

(منٹرن)

"آفتاب غروب ہو رہا ہے اور اس عظیم الشان شہر کا شور و غل کسی قدر کم پڑ رہا ہے۔ سرسبز و شاداب باغات پر تاریکی چھا رہی ہے اور ہمارے اردگرد، دور و نزدیک بیشمار طلائی برج و مینار ہیں جو شعلوں کی طرح دہک رہے ہیں۔ یہ نظارہ نہایت ہی تابناک ہے جو بہشت کے بیرونی پھاٹک سے مشابہ ہے۔"

(ڈیسلر)

"اس شہر (لکھنؤ) کا نظارہ جو مشرق میں نہایت ہی خوبصورت شہر ہے تمام نقائص سے پاک ہے۔ صرف بنارس اس کا مقابل یا مشرقی قاہرہ جنھیں میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ اس کا نظارہ اس قدر خالص مشرقی انداز پر مبنی ہے کہ ایک ایسے شخص کے لیے جو مشرقی ممالک میں نہ رہا ہو اسکی حقیقت بیان کرنی غیر ممکن ہے۔ بیشمار شاہی محلات، پبلک عمارات، مندروں اور مسجدوں کے عالیشان گنبد اور مینار شہر کو اس طرح اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہیں جس طرح چاند کے گرد ہالہ۔"

(Ireland's From Wall Street to Cashmere 1853)

"ایک پرستان ! ایک عالیشان محلوں - میناروں - برجوں -
اور سنہرے گنبدوں - چہل ستونوں منقش کھمبوں اور پل پایوں کی
لمبی قطاروں - ہموار چھتوں کے مرتفع ایوانات (جو ساکن تاہم
چمکیلے سبزہ زاروں کے سمندر سے نکالے ہوئے) کا پرستان ہے
میلوں تک دیکھتے چلے جاؤ تاہم یہ منظر پیدا کنار ختم نہ ہو جس کے
وسط میں خوبصورت شہر کے گنبد جگمگا رہے ہیں آفتاب کی
شعاعوں سے سونے کی چمک دمک کا لطف سنہری کلس اور
گنبدوں کی چمک سے شہر پر منطقۃ البروج کا گمان ہوتا ہے
سارے شہر میں کوئی بدنما عمارت نظر نہیں آتی - یہ شہر لکھنو
پیرس سے بہت زیادہ وسیع ہے ... فن معماری کے اعلیٰ نمونے
جن سے سارا شہر بھرا ہوا ہے ہماری آنکھوں میں خیرگی
پیدا کرتے ہیں - طلائی میناروں اور گنبدوں کی چمک دمک سے
مثلاً قیصر باغ منور ہو رہا ہے - روم - ایتھنز - قسطنطینیہ اور جتنے
شہر میری نظر سے گذرے ہیں ان میں کوئی اس کے برابر
خوبصورت اور دلکش نہیں ہے جس قدر میں اسے زیادہ
غور سے دیکھتا ہوں اسی قدر مجھ پر اس کی خوبیاں زیادہ واضح
ہوتی ہیں"

(Russell's diary 1858)

خصوصیات تعمیر و اقسام تعمیرات

لکھنؤ کی تمام عمارتیں عموماً خشتی ہیں جن میں اینٹ اور چونے کے سوا دوسری چیزیں نہیں استعمال کی گئیں پتھر یہاں عموماً کمیاب تھا۔ اور لکڑی اگرچہ کثرت سے موجود تھی تاہم وہ بھی خال خال استعمال کی گئی ہے

پتھر کی کمیابی نے یہاں کی عمارتوں کو دہلی و آگرہ کی عمارات کی طرح بلند و مرتفع نہیں ہونے دیا، لیکن یہاں کے معماروں نے اینٹ اور چونے سے وہ کام لیا ہے کہ اون کی تعمیرات میں پتھر کی سی صفائی اور استحکام پیدا ہو گیا ہے۔ ان کی منبت کاری میں سنگتراشی کی صناعی اور آب و تاب موجود ہے اور صدیوں کی بے مرمتی پر بھی آن کی مضبوطی میں فرق نہیں آیا ہے۔ بعض بعض عمارات میں اگر پتھر استعمال ہوا ہے تو محض چھوٹی چھوٹی برجیوں اور طاق و رواق میں جہاں خشتی صناعی کی گنجائش نہ تھی اور وہ بھی عمارت کے بالائی حصے میں تاکہ اسکا نظارہ دلفریب ہو جائے۔ ان عمارات میں عموماً بہت چھوٹی قسم کی اینٹیں استعمال کیجاتی تھیں جو چونے کے ساتھ اس طرح پیوستہ ہو جاتی تھیں کہ انہیں ایک کو دوسرے سے جدا کرنا مشکل تھا۔ چونا عام طور پر سیپ اور گھونگوں کو پھونک کے بنایا جاتا تھا۔ چھوٹی اینٹوں کے استعمال سے نہ صرف عمارت کا استحکام مدنظر تھا بلکہ فن معماری کے بہت سے صیغوں میں مدد ملتی تھی خصوصاً منڈیروں اور کارنسوں کی نازک صناعی میں آسانی ہوتی تھی جو دوسری صورت میں ممکن نہ تھی۔ عمارات کے بالائی

حصوں میں جو دوسرے نظر آتے تھے زیادہ شاندار بنانے کے لیئے سنڈیروں کی بجائے مختلف قسم کی برجیوں، گلدستوں اور طاقتوں کی قطاریں قایم کیجاتی تہیں اور دوسرے کھلے حصوں میں بھی عمدہ قسم کی صناعی دکھائی جاتی تھی۔ چنانچہ پردے کی قناتی دیواروں میں بھی فرضی محرابیں وغیرہ قایم کرکے عمارت کے بیرونی حصوں کو دلفریب کردیا جاتا تھا۔ لیکن تعمیری صناعیوں کی زیادہ کثرت عمارت کی روکار اور اس کے اندرونی حصوں میں ہوتی تھی اور محرابوں میں منبت کاری کی انتہا کردیجاتی تھی جو لکھنو کی طرز تعمیر کی خاص خصوصیت تھی۔

اقسام تعمیرات میں۔ محلات و مکانات، مساجد و مقابر وغیرہ ہر قسم کی عمارتیں شامل ہیں۔ انہیں معمولی درجوں کے علاوہ حوض، حمام، تہ خانے اور بستان سرا بھی ہوتے تھے۔ بڑے بڑے محلات میں دیوانخانے بھی قایم کیئے جاتے تھے اور مجلسرائیں بھی ہوتی تہیں۔ بارہ دری بھی ایک قسم کی پبلک عمارت تھی جو شادی خانوں کا کام دیتی تھی۔ بیشتر یہ سب عمارتیں ایک ہی چاردیواری سے محدود ہوتی تہیں اور اس مجموعے کو "محل" کے نام سے خطاب کیا جاتا تھا۔ ان محلات کا صدر دروازہ عموماً نہایت بلند اور کشادہ ہوتا تھا جس میں عماری دار ہاتھی آسانی سے گزر جاتا تھا اور اس کے بالائی حصے میں نہایت خوبصورت درجے قایم کیئے جاتے جو "نوبت خانہ" کا کام دیتے تھے۔ عام پھاٹکوں میں "تاج" اور "مچھلیاں" التزاماً بنائی جاتی تہیں جو شاہان اودھ کا خاص معرکہ تھا گنبد اور مینار مذہبی عمارات کے لیے مخصوص تھے تاہم بعض بعض شاہی محلات میں بھی نفیس گنبد نظر آتے انہیں" مگر کہیں "گنبد غالباً

نیشاپوری طرز تعمیر کی خاص خصوصیت ہے۔ چنانچہ آصف الدولہ کی مشہور مسجد اور حسین آباد و جامع مسجد وغیرہ میں اسی قسم کے مینار نظر آتے ہیں شمس الدولہ کی "کاظمین" اور نصیر الدین حیدر کی "کربلا" میں خالص عربی طرز کے گنبد و مینار ہیں جو شاید سارے ہندوستان میں فرد ہیں۔

محلات و معابد کے علاوہ اور بھی بہت قسم کی تعمیرات میں جو لکھنؤ میں خاص حیثیت رکھتی تھیں مثلاً تالاب، اور پل، نہر اور باؤلی وغیرہ۔ انکی شہر میں خاص کثرت تھی۔ تالاب عموماً مربع ہیں جن کے چاروں طرف پختہ سیڑھیوں کی قطاریں قایم ہیں۔ انمیں بعض بالکل کھلے ہوئے ہیں جیسے راجہ ٹکیت رائے، کا تالاب۔ اور بعض مختلف قسم کی عمارات کا مجموعہ ہیں۔ جن میں مردانے اور زنانے گھاٹ جدا جدا قایم کئے گئے ہیں اور ان کے ساتھ دوسری عمارات کا بھی الحاق ہے جن سے اُن کا نظارہ بہت دلفریب ہوگیا ہے۔ اس قسم کے تالابوں میں "حسین آباد" کا تالاب اور "پتھری والا تالاب" واقع دولت خانۂ آصف الدولہ خاص طور پر قابل الذکر ہیں حسین آباد کا تالاب جس کی بیشتر عمارات اب منہدم ہوگئی ہیں متعدد عمارتوں کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر طرف نہایت خوبصورت برج اور اور کوشکیں قائم تھیں اور شاہراہ کی جانب زندہ حیوانات کے کمرے تھے جن میں شیر، ریچھ، پاڑے اور دوسرے جنگلی درندے بند رہتے تھے۔ پلوں کی ساخت مختلف قسم کی ہے اور سب میں محرابیں لازمی طور پر موجود ہیں۔ انمیں زیادہ بالکل خشتی ہیں جیسے آصف الدولہ کا پل جو عرف عام میں "پکا پل" کہلاتا تھا اور حال ہی میں منہدم ہوا ہے۔ زمانہ شاہی میں اس کے ارد گرد بہت گنجان آبادی تھی اور خاص پل پر سپہر کو

بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ موتی محل کا پل بھی بالکل خشتی اور عظیم الشان پل ہے دھنیا مہری کا پل بھی خاص شہرت رکھتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ خوبصورت آہنی پل ہے جس کے پرزرے نواب سعادت علیخاں نے انگلستان سے منگائے تھے اور جس کی تعمیر کی نوبت اُن کی چوتھی پشت میں محمد علیشاہ کے عہد میں ہوئی۔ غالباً سارے ہندوستان میں یہ پہلا آہنی پل ہے کیونکہ اُس وقت تک اس ملک میں ریل کا نشان بھی نہ تھا جس کی ضرورت سے لوہے کے پل بنائے گئے ہیں۔ اسمیں تین آہنی محرابیں ہیں جو خشتی پایوں پر قائم ہیں اور اپنی خوبصورتی میں لاجواب کہی جا سکتی ہیں۔ یہاں ایک چوبی پل بھی ہے جو "کاٹھ والا پل" کہلاتا ہے اور شہر کے مشرقی حد پر واقع ہے۔ اسی کے قریب ۱۸۰۰ء میں میجر بروس نے بھی ایک خشتی پل تعمیر کر دیا تھا جسکی ساخت بہت ہی معمولی تھی۔

باقی

(نوبت رائے نظر لکھنوی)

حالِ دل

وہ نہ ہوگا تا قیامت دلِ بیقرار تیرا۔
نہ چلے پہ بس اُس پہ کوئی اختیار تیرا۔

تو یہاں تڑپ رہا ہے اوسے کچھ خبر نہیں ہے
تو بلا میں مبتلا ہے اوسے کچھ خبر نہیں ہے

وہ ہے محو عیش و عشرت تری جان پر بنی ہے
وہاں غمگسار اعدا تری یاں بیکسی ہے

تو ہے نیش خوردہ غم وہ سرور عیش میں ہے
تو وفور درد میں ہے وہ وفور عیش میں ہے

تو بلا کشِ جدائی اوسے وصل غیر حاصل
تو ہے وحشی اور اسکو ہے چمن کی سیر حاصل

یہ محال ہے کہ اوس پر تری آہ کا اثر ہو۔
تری بیقراریوں کی اُسے کس طرح خبر ہو

اوسے کچھ نہیں ہے پروا کوئی جان سے گزر جائے
کوئی صدمہ جدائی نہ اٹھا سکے تو مر جائے

تری آنکھ سے ہے جاری تو بلا سے جوئے خوں ہو
اوسے کیا خیال تیرا اوسے تیری چاہ کیوں ہو

وہ ستم شعار اسکو ترے حال پر نظر کیا
دل سنگدل میں اے دل تری آہ کا اثر کیا

ترے روز و شب مصیبت سے کٹیں تو اوسکو غم کیا
تری تلخ زندگی ہو تو اوسے غم و الم کیا

تجھے گرچہ نیند شب میں کبھی ایک پل نہ آئے
مگر اوسکی خواب راحت میں کبھی خلل نہ آئے

تجھے چین دن میں حاصل نہیں گرچہ اک گھڑی ہے
اُسے کیا خیال تیرا اوسے تیری کیا پڑی ہے

تری چشم اگرچہ گریاں رہے شام سے سحر تک
نہیں ہوتی اسکو لیکن ترے حال کی خبر تک

ترے درد دل کی اسکو خبر آجتک نہیں ہے
تری حالت زبوں پر نظر آجتک نہیں ہے

ترا حال ہے جدائی میں بہت خراب اے دل
مگر اسکو وہ سمجھتا ہے خیال و خواب اے دل

تری نالہ و فغاں کو تو وہ کھیل جانتا ہے
ترے اضطراب دل کو بھی کہاں وہ مانتا ہے

وہ فریب جانتا ہے خلش دل و جگر کو
وہ فسوں سمجھ رہا ہے ترے گریہ سحر کو

وہ سمجھتا ہے فسانہ ترے ماجرائے غم کو
وہ غلط سمجھ رہا ہے تری قصہ ہائے غم کو

یہ بیانِ دکھوں سے تجھے کیا گلا ہے حامد
کہ یہی ترے مقدر میں لکھا ہوا ہے حامد

حامد حسین قادری

مخمس بر غزل خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ

تا دل اندر خم آن زلفِ دوتا افتادم ۔۔۔ عقل و دین ہوش و خرد جملہ بہ تشویش دادم
مذہب و ملت و آئین ہمہ رفت از یادم ۔۔۔ فاش میگویم و از گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہان آزادم

طاقتم گشتہ ز بیداد تو اے گردون طاق ۔۔۔ زہد افزون و دل من ہست فنا را مشتاق
قدسی است بسے بر من محنت زدہ شاق ۔۔۔ طائر گلشن قدسم چہ دہم شرح فراق
کہ درین دامگہ حادثہ چون افتادم

نہ ہمیں مسکن و جا عالم بالائم بود ۔۔۔ بلکہ بر کنگرۂ عرش برین جایم بود
چہ دہم شرح کجا مسکن و ماوائم بود ۔۔۔ من ملک بودم و فردوس برین جائم بود
آدم آورد درین دیر خراب آبادم

قصر و نہر لبن و جام بلور و لب حوض ۔۔۔ روبرو جلوۂ دیدار حضور و لب حوض
چہ دہم شرح دلا حور و قصور و لب حوض ۔۔۔ سایۂ طوبیٰ و دلجوئے حور و لب حوض
بہ ہوائے سر کوئے تو برفت از یادم

ناصحا پند و نصیحت تو مدہ دیگر بار ۔۔۔ گرچہ صد بار نمودی و نمائی تو ہزار
من نہ آنم کہ ز خاطر روم ہر نگار ۔۔۔ نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار
چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

بر سرم چرخ جفا پیشہ بلاہا انداخت ۔۔۔ بلکہ از آتش حسرت جگرم را بگداخت
چہ کنم قسمتم این است و بہ دو باید ساخت ۔۔۔ کوکب بخت مرا ہیچ منجم نشناخت
یا رب از مادر گیتی بچہ طالع زادم

شدہ تا منزل من گوشہ ویرانہ عشق گشتہ ام عاشق و سرگشتہ و دیوانہ عشق
مست گشتم بہ یکے جرعہ ز پیمانہ عشق تا شدم حلقہ بگوش در میخانہ عشق

ہر دم آید غمے از تو بہ مبارکبادم

آنچہ گویم بتو اے دل ہمہ آن باشد راست گر شوی خون و چکی از مژہ ہا بر تو رواست
دیدہ از گریہ اگر کور شود ہم باجاست میخورد خوں دلم مردمک دیدہ سزاست

کو چرا دل بجگر گوشہ مردم دادم

شہید۔

یاسمین ۔ پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب ایم۔ اے مصنف خواب ہستی کا دوسرا ناول اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کے واسطے عرصہ سے لوگ بے چین تھے چھپ کر تیار ہوگئی ہے اس کتاب میں قابل مصنف نے بنگالہ کی ایک نازنین یاسمین کا واقعہ اس قدر دلچسپ اور پرلطف لکھا ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے قابل مصنف کا اسم گرامی بتا سکتا ہے کہ کتاب کس پایہ کی ہوگی قیمت ایک روپیہ (۱عہ) علاوہ محصول ڈاک وغیرہ

لڑکیوں کی انشا حامیان تعلیم نسوان کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی انشا لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبدالراشد صاحب الخیری کی قلم سے نکلے لطف زبان کے واسطے کچھ لکھنا بے سود ہے ہر خط ایسا موثر ہے کہ ایک ایک حرف کلیجہ پر گرتا ہے قیمت ایک روپیہ ناظرین عصمت و تمدن سے آٹھ آنے (۸) منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجیے

بیوی

میری نظر سے اکثر ایسی مثالیں گذری ہیں جن میں عورتوں نے بڑی بڑی مصیبتوں کا مقابلہ نہایت ہمت اور صبر کے ساتھ کیا ہے۔ وہ مصائب جو مردوں کے بھی کمر ہمت توڑ ڈالتی اور ان کو بالکل عاجز کر دیتی ہیں۔ عورتیں ان کا مقابلہ اپنی تمامتر قوت کے ساتھ کرتی ہیں جن سے ان کی کیریکٹر کی عظمت اور بالاتری ثابت ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض مرتبہ ان کی جدوجہد بڑے بلند پایہ پر پہنچ جاتی ہے۔

ایک عورت کا جس کے قوائے جسمانی کمزور ہیں اور وہ ہر امر میں اپنے خاوند کے مطیع ہے۔ جو زندگی کی چھوٹی چھوٹی مشکلات کا سامنا روزانہ کرتی رہے اور باوجود اس کے آرام آسایش سے بسر کرتی ہو کسی ناگہانی آفت کے آجانے پر اپنی دماغی قوت سے کام لے کر اپنے خاوند کا بُرے وقت میں معاون و مددگار رہنا، اور نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ مصیبت کا سامنا کرنا، اس سے زیادہ اور کیا بات دلوں پر اثر کر سکتی ہے؟

جس طرح کہ انگور کی بیل کسی بڑے درخت کے تنے کے ارد گرد چڑھی رہتی ہے اور جب وہ مستحکم درخت بجلی کے گرنے کے اثر سے گر پڑتا ہے تو انگور کی بیل اسی طرح اس کو چمٹی رہتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہ وہ اپنی نازک بیلوں سے اس کو تسلی دے رہی ہے اور اس کی ٹوٹی ہوئی شاخوں کو ملائے رکھنے کی کوشش کر رہی ہے، اسی طرح اس صانع عالم نے یہی بات عورت میں رکھی ہے جو اپنے خاوند کے عیش و آرام

کے زمانہ میں اسکی مطیع اور گھر کی زینت ہے، مگر اس کے کسی بلائے ناگہانی میں گرفتار ہوجانے پر وہی بیوی اُس کی مونس اور مددگار بن جاتی ہے ہمت بڑھاتی ہے، اور اس کے شکستہ دل کو ڈھارس نبدھاتی ہے اور شریک حال ہوجاتی ہے،

میں ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو اُس کی شادی کی مبارکباد دے رہا تھا۔ اُس کی بیوی بچے اس کے چاروں طرف جمع تھے ان میں باہم بڑی محبت تھی۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا کہ میں تمھارے لیے اس سے زیادہ اور خوش قسمتی نہیں سمجھتا کہ تم بھی بیان کرلو اگر تم مالدار ہو تو وہ تمھاری دولت کی شریک ہوگی اور اگر تم غریب ہو تو تمھاری راحت و آرام کا ذریعہ،،

اور اس بات کا مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ ایک تنہا آدمی کی نسبت ایک شادی شدہ مرد کو کسی مصیبت سے نجات پانے کا زیادہ موقع حاصل ہے کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ ان لوگوں کا خیال کرکے جن سے اُس کو محبت ہے اور جن کا دارومدار اس کی روزی کما کر لانے پر ہے، خوب دل لگا کر ہر قسم کی محنت و مشقت کرتا ہے لیکن زیادہ تر اس وجہ سے کہ کچھ تو اس کے تفکرات گھر کی دلچسپیوں سے کم ہوتے ہیں اور کچھ یہ سمجھکر اس کو تقویت ہوتی ہے کہ خواہ دنیا میں اُس کے لیے سوائے تاریکی کے کچھ بھی نہ ہو تاہم گھر کے اندر محبت کی ایک چھوٹی سی دنیا قایم ہے اور وہ اس کا حکمران ہے۔ لیکن ایک تنہا آدمی ایسی صورت میں اپنے آپ کو اس دنیا میں اکیلا اور بے یار و مددگار پاکر اپنی تمام ذمہ داریاں بھول جاتا ہے اور اُسکا دل مانند اُس عمارت کے جس میں کوئی آباد نہو چاروں طرف ویران منظر دیکھ کر بیٹھ جاتا ہے +

یہ باتیں مجھکو ایک واقعہ کی یاد دلاتی ہیں جس کو اگر ایک گھر کی چھوٹی سی کہانی کہیں تو بیجا نہ ہو گا - میرا ایک دوست لزلی نام تھا۔ اس نے ایک خوبصورت اور سلیقہ شعار لڑکی سے شادی کی تھی - یہ لڑکی فیشن کی بڑی دلدادہ تھی اگرچہ وہ کچھ مالدار نہ تھی لیکن میرا دوست متمول آدمی تھا - وہ یہ خیال کرکے کہ اُسکی بیوی ہر ایک دلچسپ کام میں شریک ہوا کرے گی، بہت خوش ہوتا تھا وہ اس خیال پر بہت خوش ہوا کرتا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے لیے عمدہ مذاق کی تمام چیزیں مہیا کرے گا، جن سے عورت کی دلربائی پر خوشگوار اثر پڑتا ہے، یہاں تک کہ اس کے زندگی ایک طلسمات کا نمونہ اور وہ ایک پری تمثال بن جائے گی +

ان دونوں کے طبیعتوں کا اختلاف ایک نہایت عمدہ مجموعہ بن گیا - میرا دوست ذرا سا سنجیدہ اور خیال پرست تھا اور اس کی بیوی زندہ دلی کی مجسم تصویر تھی - میں نے بارہا دیکھا ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی بیوی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا - اور جب کبھی میں اُس کی بیوی کی تعریف کرتا تھا تو اُس کی نگاہ فوراً اپنے خاوند کی طرف پڑتی تھی گویا اسپر پسند اور ناپسند کا انحصار ہے - جب وہ اُس کے کندھے پر جھک کر کھڑی ہوتی تھی تو اس کا نازک اندام اور اس کا قوی بدن، دونوں کر ایک دلکش سین، پیش نظر کرتے تھے - جب یہ ایک مشتاق اور پُر اعتماد نظر سے اس کی طرف دیکھتی تھی تو اُس کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں ہو جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کے بار محبت سے دبا جاتا ہے - آیندہ خوشیوں کی اُمیدوں کے ساتھ شادی کے گلریز راستہ میں ان سے بہتر کسی اور میاں بیوی کو چلنا نصیب نہیں ہوا -

بد قسمتی سے میرے دوست نے اپنا تمام روپیہ تجارت میں لگا دیا۔ اور شادی ہوئی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ اُس کو نقصان اُٹھانا پڑا اس کی تمام دولت برباد ہوگئی۔ وہ بالکل مفلس ہوگیا۔ ایک عرصہ تک اُس نے، اپنی حالت کسی کو نہ بتائی۔ لیکن اس کا دل ٹوٹ گیا اور اُس کے چہرہ پر افسردگی چھاگئی۔ اُس کی زندگی کے حالات جان کنی کی تکلیف سے کم نہ تھی۔ اور وہ اُس واقعہ کو اُس پر ظاہر کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ لیکن محبت کے تیز اور دور بین نظر تاڑ گئی اور وہ اُس کے دل کا حال جان گئی اس لیے اُس کا خاوند جو اصل حال چھپانے کی کوشش کرتا وہ اب رائگاں جاتی، وہ اُس کے خوش کرنے اور دل بہلانے کی باتیں کرتی تاکہ اس کا غم غلط ہو لیکن اس سے غم کا تیر اور گہرا بیٹھتا چلا گیا، جس قدر وہ اپنی بیوی کو معمول سے زیادہ محبت کرتے پاتا اُسیقدر اُس کو یہ خیال کرکے رنج ہوتا، کہ میری بیوی پر بھی یہی غم کا پہاڑ ٹوٹنے والا ہے۔ وہ یہ سوچتا تھا کہ کچھ عرصہ بعد یہ خندہ پیشانی جاتی رہے گی، اس کے گیت، گانے چھٹ جائیں گے اور اُس کی آنکھوں کی چمک رنج سے دھندلی پڑ جائیگی اس کا خوش و خرم دل جو اب سینہ کے نیچے نہایت آہستگی سے حرکت کر رہا ہے، اس مصیبت سے آگاہ ہوکر ایک وزنی شئے کی مانند بیٹھتا چلا جائے گا +

آخر کار وہ ایک روز میرے پاس آیا اور نہایت مایوسی کے ساتھ اپنا ماجرہ بیان کیا۔ جب میں سب سُن چکا تو میں نے دریافت کیا۔ کہ تم نے اپنی بیوی کو بھی خبر کی یا نہیں؟ اس سوال پر وہ بے اختیار زار و قطار رو دیا اور مجھ سے رو کر کہا "خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو، اور میری

بیوی کا نام مت لو اُسی کی مصیبت کا خیال تو مجھے پاگل کیے دیتا ہے"
میں نے کہا اس سے کیا فائدہ۔ آخر اُسے معلوم ضرور ہو جائیگا۔ تم اُس سے یہ واقعہ کب تک چھپاؤ گے۔ اگر اسکو یہ خبر اور ذرائع سے لگ گئی تو اُسی اور بھی زیادہ رنج ہوگا۔ تمہارے خود کہدینے سے اس کو کچھ اطمینان ہو جائے گا کیونکہ ایسے شخص کا طرز بیان جس کو ہم سے محبت ہو سخت سے سخت چیز کو بھی نرم کر دیتا ہے، علاوہ ازیں تم اپنے تئیں اُس کی ہمدردی سے بھی محروم کر رہے ہو، صرف یہی نہیں، بلکہ تم اُس رشتہ محبت کو بھی جو دو دلوں کو یکجا ملائے ہوئے ہے، کمزور کر رہے ہو اُسے بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ کوئی چیز پوشیدہ طور پر تمہارے دل کا شکار کر رہی ہے اور سچی محبت میں کوئی بات چھپایا نہیں کرتے، خاصکر اُس صورت میں جبکہ طرفین میں سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو، اور دوسرے کو خبر نہ کیجاوے کیونکہ اُسے یہ گمان پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید اُس کو میری محبت کم ہے جو مجھے اپنا رازدار تصور نہیں کرتا،

لزلی نے کہا "میرے پیارے دوست! بھلا یہ تو خیال کرو، کہ اسکی تمام آیندہ امیدیں کس طرح پامال ہو جائینگی؟ یہ کہکر کہ اب تیرے خاوند اور فقیر میں کوئی فرق نہیں، اس کی روح کو کیسے صدمہ پہنچاؤں؟ میں اس سے کیسے کہوں، کہ اب تجھے دنیا کی تمام نعمتوں اور سوسائٹی کے تمام تکلفات سے دست کش ہونا پڑے گا؟ اور میرے ساتھ تجھ کو بھی مفلسی اور گمنامی کا شکار بننا پڑے گا؟ آہ! میرا اس سے یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو اُس روشن راستے سے جس پر تو بے خوف چل رہی تھی، ہٹا کر ایک تاریک گڑھے میں ڈالدیا ہے! وہ بیوی جو ہر ایک آنکھ کو روشنی بخشتی

تھی اور ہر ایک جس کی تعریف کرتا تھا کس طرح مفلسی کے کٹھن راستے طے کر سکتی ہے ؟۔ وہ ناز و نعمت سے بڑھی پلی، وہ کس طرح، لوگوں کی بے پرواہی گوارا کرے گی ؟ وہ سوسائٹی کی دیوی تھی، آہ! اس کے بتا دینے سے اس کا دل ٹوٹ جائے گا! بے شک اس کا دل ٹوٹ جائے گا!"

میں نے یہ خیال کرکے کہ بے حد رنج کے باعث یہ اس قسم کی تقریر کر رہا ہے اسکو نہ روکا۔ جب اس کا جوش کچھ کم ہوا۔ اور وہ چپ ہوا تو میں نے نہایت احتیاط کے ساتھ پھر وہی ذکر چھیڑا۔ اور اس کو صلاح دی کہ وہ اپنی بیوی کو سب ماجرہ کہہ سنائے۔ اس نے میری بات کو قبول نہ کیا پھر میں نے کہا" تم کس طرح اس سے چھپا سکتے ہو؟ یہ ضروری ہے کہ وہ اس واقعہ سے آگاہ ہو اور پھر تم دونوں مل کر مناسب حال تدبیر اختیار کرو۔ تم کو اپنا طرز معاشرت بدلنا ہوگا (یہ دیکھ کر کہ اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی) نہیں نہیں اس سے تم اپنا دل مت دکھاؤ۔ میں جانتا ہوں ہوں کہ تمھاری خوشی کا انحصار کبھی نمائشی باتوں پر نہیں رہا۔ تمھارے اب بھی بہت سے دوست ہیں جو تمھاری اتنی ہی عزت کریں گے، وہ اس بات کا خیال بھی دل میں نہ لاویں گے کہ اب تمھاری مالی حالت بہت گری ہوئی ہے، اور حقیقت میں اصلی راحت کا لطف حاصل کرنے کے لیے محلوں ہی میں بسر کرنا ضروری نہیں۔"

اس نے ایک بار ہی چلا کر کہا اگر مجھکو غار میں ہی بند کر دیا جائے اور میری بیوی میرے پاس رہے تب بھی میں خوش رہونگا، اگر وہ میرے ساتھ رہے، تو میں مفلس کیا خاک میں ملنا بھی گوارا کروں گا۔ خدا اس پر رحم کرے! خدا اس پر رحم کرے!" یہ کہکر وہ رونے لگا اور اس کا چہرہ رنج اور محبت کی زندہ تصویر بن گیا۔"

میں نے آگے بڑھکر محبت سے اس کا بازو پکڑ کر کہا کہ میرے پیارے دوست تم یقین جانو، کہ اُس کی محبت میں بالکل کمی نہ ہوگی بلکہ اور زیادتی ہوگی، کیونکہ اُس کی تمام چھپی ہوئی قوتوں اور دلی ہمدردی میں از سرِ نو جان پڑ جائے گی، اور اب اُس کو بلا خیال دولت و ثروت، خاص تمھاری ذات سے الفت ہوگی خدا تعالےٰ نے ہر ایک راست باز عورت کے دل میں ایک ایسی صفت رکھی ہے، جو خوشحالی کے وقت میں تو ظاہر نہیں ہوتی لیکن مصیبت اور تنگدستی کے تاریک زمانہ میں اپنی روشن شعاعوں سے اعانت کرتی ہے کسی شخص کو، جبتک کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ دنیا کی دشوار گذار گھاٹیوں کو طے نہ کر چکا ہو اُس کی فرشتہ صفات کی قدر نہیں ہوتی"

چونکہ میں نے نہایت متانت سے گفتگو کر کے، چند مثالوں سے اُسکو سمجھانے کی کوشش کی تھی اس واسطے میری تقریر نے لڑکے کے دل پر بڑا اثر کیا۔ میں چونکہ اس کے مزاج سے واقف تھا اس لیے میں نے اپنی بات بہت زور دیکر بیان کی اور کہا کہ گھر جاکر اپنی بیوی سے تمام حال کہہ دو اور اپنے غمگین دل کے بوجھ کو کچھ تو ہلکا کرو"

اگرچہ میں نے یہ تمام باتیں کہنے کو تو کہہ دیں تاہم یہ اندیشہ پیدا ہوگیا کہ دیکھئے اس کا کیا نتیجہ ہو؟ اس عورت کے تحمل اور برداشت کا کون شخص صحیح اندازہ لگا سکتا ہے، جس کی گذشتہ زندگی عیش میں بسر ہوئی ہو؟ شاید اس کا عیش اور زندہ دلی اس نئی اتفاقیہ مصیبت کا سامنا کرنے سے گھبرا جائے، اور گذشتہ راحتوں کا خیال دلپر اور گہرا اثر کرے؟ نہ صرف اِس خیال سے کہ اب اعلیٰ سوسائٹی کی شرکت سے محروم رہنا ہوگا، بلکہ یہ بات اور اور مشکلات کا بھی پیش خیمہ ہوگی، اور اُن مصیبتوں کا

سامنا کرنا پڑے گا جن کا اُس کو اب تک خیال بھی نہ آیا تھا، جب کہ میں دوسرے دن صبح کو لزلی سے ملنے چلا، تو بھ مجھے بھی اندیشہ تھا۔ لزلی سے مل کر معلوم ہوا کہ اس نے اپنا راز اپنی بیوی سے بیان کر دیا۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری بیوی نے اسکو سُن کر کس طرح سہنا گوارا کیا" اس نے جواب دیا" ایک فرشتہ کی مانند۔ میرا ماجرہ سنکر اس کی تشویش رفع ہو گئی کیونکہ اس نے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈالدیں اور کہا" کیا یہی بات تھی جس نے تم کو اس قدر مغموم کر رکھا تھا" پھر لزلی نے یوں کہا" اے نادان! تو اُس مصیبت کا پورا اندازہ لگا سکی جو ہم پر گذری اور گذرے گی! تو افلاس کے معنی بجز اس کے کہ کہیں کسی نظم میں اس کا ذکر پڑھ لیا ہوگا، اچھی طرح نہیں سمجھی ہے! ابھی تک تو اپنی نئی حالت کی مصیبتوں کو کامل طور پر نہیں سمجھ سکی!۔ اور نہ بجھے اِن آسائشوں کے چھوٹ جانے کا کوئی رنج ہوا لیکن جب یہ دقتیں ہماری روزانہ زندگی میں پیش آئیں گی اور چھوٹی چھوٹی ضرورتیں لاحق ہونگی، اُس وقت تجھ کو پوری حقیقت کھل جائیگی اور اصل آزمایش اُس وقت ہوگی"۔

میں نے کہا" اب جبکہ تم نہایت دشوار گذار راستہ طے کر چکے ہو یعنے اپنی بیوی کو تمام حال سنا چکے ہو تو جس قدر جلد تم اور لوگوں کو اس سے آگاہ کر دو اتنا ہی بہتر ہے اس کے بیان کرنے سے تم کو ضرور صدمہ ہوگا لیکن اور تکلیفوں سے بچ جاؤ گے، ورنہ تم کو ہر وقت اس کا خیال رہیگا اور رنج تازہ ہوتا رہے گا، مفلسی کا ظاہر کر دینا اس قدر شرمندگی کا باعث نہیں، جتنا کہ شیخی خورے کا حال کھل جانا، مفلسی میں غرور کرنے والے اور خراب حالت کو اچھا ظاہر کرنے والے کی قلعی ضرور کھل

جاتی ہے۔ اپنی تنگدستی کو آشکار کرنے کی ایک فوعیت باندھ لو، پھر تمکو اس کے ظاہر ہو جانے کی خلش جاتی رہے گی"

اس بات پر میں نے لزلی کو بالکل آمادہ دیکھا۔ اس میں نمود نام کو نہ تھی، اور اس کی بیوی اس مصیبت میں اس کا ساتھ دینے کو ہر وقت تیار تھی، پھر لوگوں سے چھپانے میں کیا حاصل تھا؟

کچھ دن بعد لزلی میرے پاس شام کے وقت آیا۔ اس نے اپنے رہنے کا مکان فروخت کر ڈالا اور گاؤں میں ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا۔ گاؤں شہر سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس دن وہ اسباب بھیجنے کے کام میں مشغول تھا۔ نئے گھر کے لیے متعدد چیزوں کی ضرورت تھی، [illegible] کے، اُس نے اپنا تمام بیش قیمت سامان بیچ ڈالا، لیکن اپنی بیوی کے بجانے کا باجہ رہنے دیا۔ لزلی نے کہا کہ باجہ رکھ لینے کی خاص وجہ ہے وہ ہماری آپس کی ابتدائی محبت کا محرم ہے اور ہماری الفت کے قصہ سے اس کا تعلق ہے، میرا بہت سا دل خوش کن وقت وہ ہوتا تھا جبکہ میں باجہ پر جھک کر اپنی بیوی کی رسیلی آواز کو سنا کرتا تھا" یہ سنکر مجھے ہنسی آگئی۔

وہ اس وقت اپنے نئے مکان کو جا رہا تھا جہاں اس کی بیوی تمام سامان کو سلیقہ سے رکھ رہی تھی مجھے اس کے خانگی معاملات میں دلچسپی لینے کا شوق اور بڑھا، اور چونکہ وقت اچھا تھا میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ دن بھر کام میں مصروف رہنے کے باعث تھک گیا تھا۔ چلتے چلتے وہ کسی سوچ میں پڑ گیا، اور ایک سرد آہ کھینچکر یہ کہا "غریب بیوی" میں نے انجان بنکر پوچھا "اس کا کیا ذکر ہے؟ اس کو کیا ہوا؟" یہ سنکر اس نے بے چینی کے ساتھ میری طرف گھورا اور چلا کر کہا "کیا! ایک تباہ حالت میں مبتلا ہو جانا

کچھ حقیقت نہیں رکھتا؟ ایک چھوٹے سے گھر میں دن کاٹنا اور خدا ذرا کاموں کے لیے سخت تکلیف گوارا کرنا کیا یہ کچھ غیر معمولی بات نہیں"۔ میں نے پوچھا تو کیا اُسکو اپنی حالت کا بدل جانا کچھ ناگوار ہوا؟" اس نے متعجب ہو کر جواب دیا "ناگوار ہونا کیسا؟! وہ ہمیشہ کی خوش مزاج ہے اور اب پہلے سے زیادہ میں اسکو خوش پاتا ہوں، اس نے مجھے ہمیشہ آرام دیا، اس کی محبت میں کبھی فرق نہ آیا" میں نے کہا "قابل تعریف بیوی ہے! میرے پیارے دوست تم اپنے کو غریب بتاتے ہو؟ تم اتنے کبھی مالدار نہ تھے۔ تم کو ان لاتعداد خوبیوں اور نیکیوں کے خزانوں کا کچھ بھی پتہ نہ تھا جس کے اب تم اپنی بیوی کی بدولت مالک و مختار ہو"۔

لزلی نے کہا "میرے اچھے دوست اگر نئے مکان میں پہلا دن ہنسی خوشی کٹ جائے تو میرا خیال ہے کہ میں باقی زندگی آرام سے بسر کر سکونگا کیونکہ اُس نے آج پہلی مرتبہ مصیبت کا تجربہ کیا ہے، وہ آج ایک چھوٹے اور حقیر مکان میں آئی ہے، اور تمام معمولی چیزوں کی دیکھ بھال میں مصروف رہی ہے۔ پہلی مرتبہ اس کو گھر کے کاروبار کی تکلیف کا حال معلوم ہوا۔ پہلی مرتبہ آج اس نے چاروں طرف ایسی دیواریں دیکھی ہیں جو آرائشی سامان سے خالی ہیں، اور تقریباً تمام آرام کی چیزیں گھر میں نہیں ہیں شاید اس وقت تھک کر وہ زمین پر بیٹھی ہوگی، اور اپنی اس مفلسی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی ہوگی"۔ میرے دوست نے جو کچھ کہا وہ درست ہے اور اسی واسطے میں اسکو رد نہ کر سکا۔ میں خاموش ہو رہا اور ہم دونوں آگے بڑھے بڑی سڑک سے مڑکر ہم ایک تنگ راستہ پر آئے۔ جس کے دونوں طرف اس کثرت سے خودرو درخت اگے ہوئے تھے کہ وہ ایک گوشہ تنہائی معلوم ہوتا تھا

آخرکار ہم مکان کے سامنے آ گئے یہ مکان شاعر کی طبیعت اور مذاق کے عین مناسب تھا، اس کی وضع گاؤں کے مکانوں کی سی تھی ایک انگور کی ہری بھری بیل اُس پر چڑھی ہوئی تھی، کچھ درختوں کی شاخیں اُس پر اپنا سایہ کیے ہوئے تھیں، دروازہ کے سامنے، پھولدار پودوں کے گملے ایسی خوبصورتی اور ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جس سے رہنے والے کے عمدہ مذاق کا ثبوت ملتا تھا۔ سامنے سبز گھاس کا ایک چھوٹا سا قطعہ تھا۔ لکڑی کے دروازہ سے لیکر مکان تک ایک چھوٹا سا راستہ جاتا جس کے دو طرفہ سبز سبز جھاڑیوں کی قطاریں تھیں۔ جونہی کہ ہم وہاں پہنچے، ہم کو گانے کی آواز سنائی دی۔ لزلی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہم دونو ٹھیر گئے۔ اور کھڑے سنتے رہے۔ یہ گانے کی آواز اس کی بیوی کی تھی اور راگ بہت سادہ اور مؤثر تھا جسے اس کا خاوند خاص طور سے پسند کرتا تھا۔

میں نے دیکھا کہ لزلی کا ہاتھ جو میرے بازو پر رکھا ہوا تھا، کانپ رہا ہے۔ وہ ذرا آگے بڑھا تاکہ آواز صاف طور سے سن سکے۔ اس کے قدموں کی آہٹ کسی کے کان میں پڑ گئی اور ایک خوبصورت روشن چہرہ کھڑکی کے باہر نمودار ہوا اور پھر نظروں سے چھپ گیا۔ ہلکی ہلکی قدموں کی آواز مکان میں سے آنی شروع ہو گئی۔ اور اس کی بیوی خوش خوش ہم سے ملنے کو آگے بڑھی۔ وہ گنواری وضع کا خوبصورت سفید رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی اور کچھ تازہ پھول اس کے بالوں میں لگے ہوئے تھے، اس کے رخساروں پر تازگی تھی، اور اس کا تمام چہرہ مسکرانے کے باعث چمک اٹھا۔ مجھے اس وقت اس کی صورت بہت ہی

بھلی اور اچھی معلوم ہوئی۔

اُس نے کہا میرے پیارے جارج! مجھے تمھارے آنیسے بہت خوشی ہوئی، میں تمھاری بے حد منتظر تھی، اور تھوڑی دیر بعد اُس چھوٹے راستہ تک تم کو دیکھنے کو جاتی تھی۔ میں نے مکان کی پشت پر ایک میز درخت کے نیچے لگا رکھی ہے، اور ان کیاریوں میں سے کچھ ترکاری توڑ کر رکھ لی ہے، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم کو ترکاری بہت مرغوب ہے۔ ہمارے ہاں بہت عمدہ ملائی ہے، اور ہر ایک چیز اس قدر خوش ذائقہ ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ اوہ! اوہ!! ہم کسقدر خوش ہیں"

بیچارہ لزلی بے اختیار ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو گلے لگا، اس کے بائیں اپنی گردن کے گرد ڈال لیں، اور اس کو بار بار پیار کیا، اس سے بالکل نہ بولا گیا لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے"

اس واقعہ کے بعد لزلی نے مجھے اکثر مرتبہ اس بات کا یقین دلایا ہے کہ اگرچہ میری مالی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی ہے اور میری بیوی بھی بہت خوش رہنے لگی ہے، لیکن مجھے اس وقت سے زیادہ، کبھی حقیقی اور کامل خوشی نصیب نہ ہوئی"

زنِ نیک خوش سیرت و پارسا
کند مرد درویش را پادشاہ

صدرالاسلام حقی دہلوی

مسئلہ مشرقیہ تاریخ کی عینک سے

نمبر (۱)

یورپ کی سیاسی تاریخ سے باخبر یا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کی تو میں کہتا نہیں، ورنہ مسئلہ مشرقیہ کی ماہیت سمجھنا تو در کنار، ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کیا چیز ہے اور کس خطّہ زمین پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ باوجود اس امر کے کہ جب سے سرزمین طرابلس پر جنگ چھڑی ہے حریفوں کی سنگینوں کی چمک، غارتگر انسان انجنوں کی دھمک، کبھی چشمک برق کا ہول، کبھی تبسم شرار کی سرخوشی، پیدا کر رہے ہیں، اور اخبار نویسوں کے اشہب فکر کی جولانیوں کے لیے نئی نئی زمینیں نکال رہے ہیں، چنانچہ نظریات جنگ، ان کی چشم قلم عنوان بالا پر بھی اشارے مار جاتی ہے، کیونکہ جنگ طرابلس، ترکوں کے جسم سیاسی کے اس ناسور کی ایک شاخ ہے، جس نے سو سو برس سے زیادہ سے ان کی زندگی تلخ کر رکھی ہے، لیکن "سمجھے سو گدھا۔ اور نا مارڑی کی جانے بلا" کے مصداق اخبار بیں حضرات ان مبہم لفظوں پر سے گذرتے ہیں، اٹکتے ہیں اور "کچھ وہیں کا جھگڑا ہوگا" کہہ کر اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں، مگر وہ بیچارے بھی کیا کریں، ہماری مادری زبان میں سیاسی لٹریچر و اسلامی تاریخ ہی سرے سے الشاذ کالمعدوم ہے

مسئلہ مشرقیہ کے جنم لینے سے پہلے یا اُنیسویں صدی کے آغاز میں یورپ کی حالت بہت دگرگوں ہو گئی تھی، نپولین کی مافوق العادت فتوحات نے تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے

کہ فرنگیوں کی ساتوں ٹوپیوں کو ایسا ناچ نچایا تھا کہ اگر وہ اتفاق و اتحاد کر کے خوفناک غنیم عام سے اپنی ہستی کو نہ بچاتے، تو وہ تمام یورپ پر چھا جاتا، یورپ دعا دے برطانیہ عظمے کو، کہ اس کی زوردار تحریک سے، ولنگٹن کی سرکردگی میں، دول یورپ کا متفقہ ٹڈی دل لشکر اس شخص کے سامنے آ کھڑا ہوا جس کے نام سے اگیمنمن[۵۱] اور اکیلیس[۵۲] کی ہڈیاں بھی قبر میں لرزتی ہیں، اور چند سال تک سرگرم پیکار رہ کر آخر اسکو بساط یورپ سے مطلقاً ہٹا دیا +

نیپولین کی دول یورپ سے بیس سالہ قیامت خیز معرکہ آرائیوں سے ہنڈرڈ ایرز وارز (صد سالہ جنگ) کی داستانیں بھی دل سے محو کرادی تھیں، آدم زاد تو آدم زاد، زمانہ کا دل بھی توپ و تفنگ کی گرج و کڑک سے سہم گیا تھا، فوق الانسان کوششوں کا ایک ابنائے جنس کو نیچا دکھانے میں مونہ پھر گیا تھا، سلاطین یورپ کا دُو دُو قرن سے جنگ کے متوحش خواب دیکھتے دیکھتے خون خشک ہو گیا تھا، لیکن اس عظیم مہم سے فارغ ہوتے ہی دول کا دل ہلکا پھول ہو گیا اور امن و امان کی زندگی بصد ہزار حسن و فریب ان کی نگاہوں میں کھبنے لگی، وہ نہایت بیقراری سے اس کے دامان سے لپٹ گئے، اور فوراً قرارداد باہمی ہوئی، کہ یورپ کا اخلاقی و تمدنی شجرہ جس کا تار و پود بھی باقی نہ رہا تھا، از سر نو لگایا جائے، یورپ کا سیاسی محل جسکی بونا پارٹ نے اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اسنئے سرے سے چنا جائے اور تیز یورپ کی نہایت ایمانداری سے سیاسی تقسیم کر کے خیر و امن کا

۵۱ agamemnon. ۵۲ achilles.

ایسا مستحکم منارہ بلند کیا جائے، جو قیامت تک جنبش نہ کھائے، ان عافیت اندوز تجویزوں کو معرض عمل میں لانے کے لیئے سلاطین یورپ نے وائنا دارالسلطنۃ آسٹریا میں ایک کانگرس ۱۸۱۴ء میں منعقد کی جسکو یورپ کی پولٹیکل ہسٹری کی داغ بیل، اور عیسائی طاقتوں کے اتحاد و ترقی، اور ترکوں کے انحطاط کی آیات بینات سمجھنی چاہیئے!!! اور جس کے واقعات کی لڑی کا ایک ناموزوں ضمیمہ جنگ طرابلس ہے۔!

مذکورہ بالا کانگرس کے چند اجلاس ہفت اقلیم مغرب کے نظام سیاسی و اتحاد ملی کو راہ پر لگانے کے لیئے ظاہرا کافی تھے، اس لیئے ایک طرف تو دول اپنے اپنے ملک میں اصلاحوں کی ریل پیل کر رہے تھے، بالخصوص فرانس جس کا معرکہ آرائیوں اور خانہ جنگیوں سے شیرازہ بکھر گیا تھا، اس کے مجتمع کرنے میں مصروف تھا، موجودہ جرمنی اپنی اقلیم کے پراگندہ و منتشر اعضا کو جوڑ رہا تھا، ہسپانیہ اور پرتگال اپنے مطلع سیاست پر سے بغاوتوں کی گھٹا دور کر رہے تھے، اور اٹلی اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ایک مرکز اتحاد پر لا رہی تھی، دوسری طرف یورپ کے جال سیاست متفرق مقامات پر سال بسال بین الاقوامی جلسوں میں غیر معمولی فصاحت و بلاغت کے ساتھ گونج رہے تھے، اور اپنے اپنے سیاسی و اقتصادی فوائد کے جوڑ توڑ کے ساتھ یورپ کی تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو ایک سلک اخوت میں منسلک کر رہے تھے کہ دفعتاً بلقان کے پہاڑوں پر سے ایک ہیبت افزا سیاہ بادل اٹھا، اور آن کی آن میں دولت عثمانیہ پر چھا گیا، الکزنڈر اوّل زار روس، جنہوں نے مسیحی برادری کے پاک اتحاد کا بیڑا اٹھایا تھا، لیبانک کی کانگرس کی کارروائیوں پر مبصرانہ و ناقدانہ نظر ڈال رہے تھے، کہ ۱۹۔ مارچ ۱۸۲۱ء کو پیغامبر یہ خبر لیکر

پہنچا، کہ دریائے ڈینیوب کے اردگرد کی تمام عیسائی ریاستوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے، اور عزم بالجزم کر لیا ہے کہ دولت عثمانیہ کو دا خاکم بدہن ابیخ بن سے اُکھاڑ دیں اور قدیم بائزنطائن سلطنت کو اُس کی جگہ بحال کر دیں۔

یہی ابتدا تھی اس نحوست آثار اور امن سوز مسئلہ کی جس میں دولت عثمانیہ کی قسمت کا فیصلہ سربستہ ہے اور جس کا نام دول یورپ کی قسیسی بارگاہ نے، اپنی سیاسی خط وکتابت کی سہولت کے لیے، ایسٹرن کوئسچن یا مسئلہ مشرقیہ رکھا۔

جب اس ناہنجار مسئلہ مشرقیہ نے جنم لیا، تو اسوقت ترکوں کو سرزمین یورپ پر قدم رکھے ہوئے چار سو برس گذر چکے تھے لیکن اس مدت دراز میں عمرانی اصول کے تباین سے نہ مفتوحین کو اپنے میں ملا سکے نہ خود ان میں مل سکے، مذہب، طرز معاشرت، انداز خیالات سب میں زمین آسمان کا فرق تھا، یورپ بہمیت سے انسانیت کی طرف صعود کر چکا تھا، مسلمان اپنے علوم وفنون کو کھو چکے تھے، ان کا آفتاب کمال نصف النہار پر جگمگا کے، اپنی عالمگیر ضیائے ایک عالم کو مستنیر کر کے جانب غروب ڈھل چکا تھا، اقوام مغرب نے اسے دیکھکر اسکی تاباں شعاعوں سے اپنے فانوس عقل وہوش کو روشن کر لیا تھا، اور پھر ان لوگوں کے سامنے، جو انہیں حقیر، خوشہ چین اور اپنا ذلہ ربا سمجھتے تھے، جدید علوم وفنون کے پر لگا کے آسمان ترقی پر اڑنے لگے تھے، یہی سفید غول جن کے دلوں پر مسلمانوں کی عظیم الشان محاربات کے نہ ہٹ سکنے والے بیٹھے ہوئے تھے رب النوع جنگ کہلانے لگے تھے،

بھلا اب ترکوں کو کیوں خاطر میں لاتے وہی صدی کے دور میں انکی طرز ماندو بود پر موبنہ آنے لگے، ان کو یورپی کف میں ایک بے میل عنصر سمجھکر ترقی یافتہ عیسائیوں پر حکمرانی کے ناقابل سمجھا ان کے مغربی تہذیب کے دوش بدوش نہ چلنے اور اس کے قبول کی فقدان صلاحیت کے باعث اپنی سطح مرتفع سے نیچا خیال کیا۔ انتہا یہ کہ ان کے وجود کو حشر شورش وفساد قرار دیکر ان کے اخراج کی تدبیر لانے لگے، اللہ اللہ ع

آنانکہ نیم خوارۂ ما بود خوردشاں

اکنوں ز نیم خوارۂ ایشاں خوریم آہ

وہ جسکو خدا رکھے، اس کو کون چکھے کے بموجب رب العلی نے دول یورپ کی رقیبانہ چشمکوں کو ترکوں کے قیام کے لیے سد سکندری بنا دیا ورنہ (خدا وہ دن نہ دکھلائے) آج تک ان کا یورپ میں نام ونشان بھی نہیں ہوتا۔

ترکوں کی خداداد مہارت حربیہ دول یورپ کے امور تنازعہ فیہ کی سربراہی کے لیے اوّل اوّل نعمت غیر مترقبہ سمجھی جاتی تھی، چنانچہ یہ اسی کا طفیل ہے کہ مملکت فرانس اس احسان عظیم کے اعتراف میں جو سلیمان اعظم نے نہایت نازک وقت میں فرانسس اول شہنشاہ فرانس کی مدد پر آسٹریا کے خلاف اپنے پر جبروت جوانان ترک کا لشکر بھیجکر کیا تھا باوجود اپنے گوناگوں وقیامت خیز انقلابات حکومت کے آجتک اپنے محسن کا منت پذیر اور قدیم روایات دوستی وخوشنودی باب عالی کا خیال کرتا رہا۔ مملکت آسٹریا بھی روس کی کشورکشایانہ ہوس کو ممالک اسلام کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور خطرناک سمجھنے لگی آسٹریا کو روس کے غول بیابانی کی رَو کا جنوباً سد باب کرنے کا ایسا خوف پیدا ہوا کہ وہ

اپنے تمام مذہبی تعصبات کو بھی بھول گیا، اور دولت عثمانیہ کی سلامتی کا وظیفہ
پڑہنے لگا، ورنہ اس سے قبل اپنے ہمنوا روس کے مانند سلاطین عثمانیہ کو یورپ
کے جائز سلاطین میں شمار کرنا یورپ کی توہین شان سمجھتا تھا لیکن اب اپنے
ندح کی خیر مناتے ہوئے اس نے بخوشی سلطان المعظم کو یورپ کے جائز سلاطین
ین تسلیم کر لیا۔ علیٰ ہذا انگلستان نے بھی بحیرۂ قلزم اور مشرق کے تمام
تجارتی رستوں پر اپنا قبضہ واقتدار جمائے رکھنے کی غرض سے دولت
عثمانیہ کی بقا کو اپنی مذہب سیاسی کا رکن اولین قرار دیا، دول یورپ
یں صرف ایک زار روس وقت ایسا باقی رہ گیا تھا، جس کا خون بائزنطائن
سلاطین سے ملتا تھا، اور اسی بنا پر انہی کا لقب سیزر اختیار کیا تھا
وہ جانتا تھا کہ یہ ترک وہی ترک ہیں، جنھوں نے ہمارے آبا واجداد کو
اک سے چنے چبوا کر صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا، اور ان کی سلطنت کا ورق الٹ
یا تھا، چنانچہ طبیعت بشری کے اقتضار سے اسے ابًا عن جدٍ ترکیں
رکوں کے خلاف معاندانہ جذبات پہنچے تھے، وہ ترکوں کا جانی دشمن اور
ن کے خون کا پیاسا تھا۔

اگر برطانیہ عظمیٰ جیسی طاقتور سلطنت کا جس کی ہمدردی ترکوں کے
ساتھ یقینی تھی خوف نہ ہوتا۔ تو وہ ترکوں کی بربادی میں کوئی دقیقہ نہ
ٹھا رکھتا اور ۱۸۱۵ کی کانگریس کبھی کی کامیاب ہو چکتی۔

"شوکت"

ظرین تمدن براہ کرم خط وکتابت وقت نمبر خریداری ضرور تحریر
یا کریں ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔ مینجر

سیمونہ

رات کے سنسان وقت میں اٹلی کے مشہور پہاڑ الپس کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ چاند تین سے زیادہ منزلیں طے کر چکا تھا اور اس سکون مطلق میں جو چاروں طرف طاری تھا صرف آبشار کی آواز رات کو الوداع کہہ رہی تھی دامن کوہ میں ایک خانقاہ تھی جس کے مکین علایق دنیوی کو خیرباد کہہ کر اپنے معبود کی تسبیح کرتے تھے +

خانقاہ رنگ برنگ کے پھولوں سے آراستہ تھی سرسبز و شاداب پودے لہلہا رہے تھے اور ہوا پھولوں کو گدگدا گدگدا کر چادر مہتاب پر لٹا رہی تھی دفعۃً ایک مہ جبین جو روشوں پر ٹہل رہی تھی اور جس کو تنہا پاکر ہوا نے اپنے دستِ گستاخ بڑھا دیے تھے الکتا کر گلاب کے پودے کے پاس آئی پھولوں نے اس کا استقبال کیا پودوں نے اسے سجدے کئے چاند اس کے پاؤں میں لوٹا اور درختوں نے سر سرا سرا کر اس کی آمد پر مبارکباد کے نعرے لگائے +

حسینہ صنعت حقیقی کا ایک نمونہ تھی اور سن و سال سمند ناز پر ایک تازیانہ لباس سادہ اور چال مستانہ۔ رسیلی آنکھیں بیباکانہ پھولوں پر وار کر رہی تھیں کہ ایک نوجوان قریب پہنچا جس کی صورت دیکھتے ہی مہ جبین پہلے جھجک کر پیچھے ہٹی اور پہچان کر یہ کہتی ہوئی آگے بڑھی - ایلسٹن آ گئے -

ایلسٹن بڈ شاہی گرجا کا گھنٹہ دو بجا رہا تھا جس وقت میں یہاں پہنچا ہوں تمہارا پیغام جس وقت میرے پاس پہنچا ہے آفتاب غروب ہونے کی

تیاریاں کر رہا تھا بس گریٹ کیس اور دیاسلائی کے لینے میں ضرور توقف ہوا ورنہ اسی آفتاب کے ساتھ جو آخر کار مسافرت میں مجھکو دغا دے گیا روانہ ہوا ہوں۔ چاندنی رات اور دریا کا کنارہ ٹھنڈی ہوا اور یہاں تک پہونچنے کی اُمید دلکی جو کیفیت تھی بیان نہیں ہو سکتی۔

مہ جبین " میرے واسطے حضور اقدس نے جو کچھ حکم دیا ہے تم نے سن لیا گو

الیشن " میں نے یہ اُڑتی سی خبر کل دوپہر کو کرائپ میں سُنی تھی کہ شہنشاہ معظم نے پانچ سال کے واسطے اپنی پیاری بیٹی اور میرے دل و جان کی مالک سیمونہ کو جلاوطن ہونے کا حکم دیا ہے۔

سیمونہ " ہاں اس حکم کی تعمیل میں چند گھنٹے باقی ہیں اور محض ماں کی سفارش اور چچا کی ذمہ داری پر مجھے آج پورے تین سال بعد آنے کی اجازت ملی ہے کہ مقدس پوپ کی زیارت کرلوں الیشن اب میں تم سے پانچ سال کو رخصت ہوتی ہوں تم خاندان شاہی کا ایک رکن ہو اس خیال کو اپنے دل سے دور کرو مجھے اُمید نہیں کہ اب جانبر ہو سکوں گی۔ مادہ وفا میری سرشت میں ودیعت تھا میں تم پر نہیں اپنے خیال پر قربان ہوئی خوشیوں بھری دنیا تم کو مبارک ہو بدنصیب سیمونہ کی یہ انگوٹھی اس کی یادگار اپنے پاس رکھنا۔ بس خدا حافظ"

الیشن کی آنکھ سے اسوقت آنسو گر رہے تھے ضبط نہ ہو سکا تو سیمونہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا آنکھوں پر رکھا اور اس کے سوا کچھ نہ کہا،

"ہوا کے جھونکو اسوقت کے شاہد رہنا"

سیمونہ اس فطرتی اصول کے بموجب جس نے اس کے منہ پر مہر سکوت لگا دی تھی ہر چند کوشش کر رہی تھی کہ حالت ظاہری کیفیت قلب کو

آشکار نہ کر دے مگر واقعات مؤثر تھے اور وقت نازک گو رشت نے شکایت زبان تک نہ آنے دی۔ مگر اس کا لازمی نتیجہ دماغ کی پریشانی اور اضطراب قلب تھا آگے بڑھی الیشن کے کندھوں پر سر رکھدیا اور بیہوش ہوگئی۔

(۲)

خانقاہ کے اندر مقدس پوپ جس کا آخری نبوی فعل شہنشاہ سلاپسٹو کے باپ کے سر پر تاج شاہی رکھنا تھا ایک مٹی کے ڈھیر پر بیٹھا کر ایطالیہ کا مشہور پرندہ ابلیکو صبح کا پیغام سے آیلہے سامنے کی دیواروں پر تین تصویریں لٹک رہی ہیں داہنی طرف یسوع مسیح۔ بائیں طرف ہولی درجن اور بیچ میں صلیب عیسوی۔

شہنشاہ بیگم مقدس پوپ کے آگے سجدے میں پڑی ہے تاج شاہی خاک پر لوٹ رہا ہے لباس گرد آلود ہے اور گو خانقاہ سے باہر شاہی باڈی گارڈ ننگی تلوار کا پہرہ دے رہا ہے مگر اس موقعہ پر کوئی آتا بھی نہیں کہ ملکہ کا سر اٹھا کر اسکو تسکین دے جب بیگم کی تمام رات اس حالت میں بسر ہوگئی تو پوپ نے گردن اٹھائی سفید پلکیں انقلاب زمانہ کی تصویر تھیں آنکھوں سے شعلہ نکل رہے تھے خنجر براں ہاتھ میں تھا اور قہر آلود نظریں ملکہ کے سر پر کچھ تامل کے بعد مقدس پوپ کھڑا ہوا اس کا تن بدن کانپ رہا تھا خنجر زور سے پھینکا اور کہنے لگا۔ ملکہ! تو میری گودیوں کی کھلائی ہوئی ہے گو پچاس برس سے زیادہ ہوگئے۔ مگر میرے سامنے ہی وہ وقت جب تو پنگوڑے میں پڑی تھی بھولا نہیں ہوں میں وہ دن جب میں نے تجھ کو اصطباغ دیا کل تو ایک لاشئے محض تھی اور آج اقلیم ایطالیہ کی شہنشاہ بیگم تو اپنے گذشتہ پچاس سال میں روز بروز ترقی کرتی رہی سینکڑوں ان

تیرے آگے سر بسجود ہیں اور ہزاروں جانیں تیرے قبضۂ قدرت میں مگر یہہ بچاس سال جو تیرے واسطے نعمت تھی میرے لیے مصیبت۔ اور اب میری دلی آرزو یہہ ہے کہ اگر زندگی کے کچھ تھوڑے روز باقی ہیں تو ایسی سرزمین پر بسر ہوں جہاں یورپ کا سایہ تک نظر نہ آئے۔ ایسٹن اور سیمونہ کی محبت پر دھوکا نہ کھانا یہہ عیسائی نژاد یورپ کے باشندے مہر و محبت سے بالکل آشنا نہیں شباب کا بھوت دو نو سرو نپہ سوار ہے جو اچھی طرح مٹی خراب کرے گا۔ مگر خلوص جو شیوہ انسانیت ہے اس سرزمین سے مدتیں ہوئیں کہ گم ہوگیا اُٹھہ اُٹھہ ملکہ سرہانا صبح صادق کا سہانا وقت ہے ٹھنڈی ٹھنڈی محل سدہار جا ایسا نہ ہو تمازت آفتاب رخ نازک کو تکلیف دے مبارک ہوگا وہ وقت جب میرے پاؤں اس غدار وطن کو خیرباد کہیں یہ لہلہاتے ہوئے مرغزار بہتے ہوئے چشمے گاتے ہوئے پرند جن میں عمر بسر ہوئی ہمیشہ ہمیشہ کو رخصت ہوں ''

شہزادی! مقدس انسان! میری یہ مجال نہیں کہ آپ سے کسی امر پر بحث کرسکوں ہولی ورجن کا سایہ آپ کے سر پر (تصویر کیطرف دیکھ کر) خداوند میری التجا اثر دے وہ پاک ذات جس کے آگے میرے باپ اور دادا نے سر تسلیم خم کیا میرے اوپر رحم کر اور کلیجے کے ٹکڑے سیمونہ کو جلاوطن ہونیکی مصیبتوں سے بچالے۔

پوپ '' جا جا! چلی جا! چلی جا! ملکہ اٹالیہ کی بسنے والی کوئی روح رحم کی مستحق نہیں یہہ جو کچھہ ہو رہا ہے نہایت خفیف سزا ہے تمہارے اعمال و افعال کی بیدردو! ظالمو! سنگدلو! ایک بچی کی چند روزہ جدائی نے دیوانہ بنادیا مگر اودغا باز ملک کی ملکہ جا . . جا . . چلی جا . . چلی جا

۳

بحیرۂ روم کے مشرقی کنارہ پر ایریٹریا میں ایلعالیہ کا وہ محل آسمان سے باتیں کر رہا ہے جو خاندان شاہی کے قیدیوں کے واسطے مخصوص ہے یہ محل جو ساٹھ برس کے قریب غیر آباد رہا اب ایک مہ جبین کا مسکن ہے، ہر چہار طرف سنگین پہرہ ہے اور پرندہ کو بھی اجازت نہیں کہ اندر جا سکے سیمونہ ایک نواڑی پلنگ پر مردوں کی سی صورت لیٹی ہے، اس کے گلابی رخسار زرد ہو چکے ہیں اور گو وہ نہایت ذلت کے ساتھ قیدیوں کی سی زندگی بسر کر رہی ہے مگر محبت کا تاج اس کے سر پر جگمگا رہا ہے کپڑے چکٹ ہیں اور بال پریشان مگر یہ حسن کی پوٹ اسوقت بھی خدا کی قدرت کی ایک تصویر ہے دو حبشی باہر سرگوشیاں کر رہے تھے کہ ایک سہیلی حاضر ہوئی جھک کر سلام کیا اور ایک پھول نذر کیا۔

سیمونہ کا پھول کو ہاتھ لگانا تھا کہ خیالات کہیں سے کہیں پہنچے، یاد دلدار نے اسکو خون کے آنسو رلوا دیے الیشن کی تصویر اس کے سامنے تھی اور باپ کے ظلم اس کا کلیجہ توڑ رہے تھے کہ ایک فوجی جوان سگریٹ پیتا ہوا اس کمرہ میں داخل ہوا جسکو دیکھ کر سیمونہ چیختی ہوئی بھاگی اور یہ کہتی ہوئی باہر آئی۔ اے نمک حراموں یسوع کا واسطہ مجھکو اس ظالم میجر سے بچاؤ،

میجر "شہزادی صاحبہ میری طرف سے مطلق خوف نہ کیجئے میں اپنی فوج کے ایک جانباز کپتان کی وصیت پوری کرنے آیا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو میرے پاس آپ کی ایک امانت ہے وہ پیش کر دوں"

میجر گیفنس کی زبان سے ان الفاظ کا ادا ہونا تھا کہ سیمونہ سہم گئی،

قریب آئی اور نہایت لجاجت سے کہا فرمایئے،

گیلفس :- ٹریپولی وار تو آپ کے سامنے ہی شروع ہو چکی تھی اس معرکہ میں آپ کے اقبال سے اٹلی نے جس شجاعت کا ثبوت دیا ہے اس نے نہ صرف دشمن کے چھکے چھڑا دیے بلکہ تمام یورپ کو دہلا دیا میں آجکل اس فوج کا سپہ سالار ہوں جو بنغازی میں مکار ترک اور عربوں کا قیمہ بنا رہی ہے۔ پرسوں کا خونریز معرکہ قابل دید تھا جس میں ہزاروں مسلمانوں کے سر اطالیہ کی تلوار نے تن سے علیحدہ کر کے شہر پر پورا قبضہ کیا مگر افسوس ہمارے بھی دو افسر اور تین سپاہی زخمی ہوئے جس میں سے ایک مجروح المیٹن آج صبح کو جانبر نہ ہو سکا آخر وقت اُس نے مجھے یہ انگوٹھی دی اور کہا شہزادی سیمونہ کی امانت ہے پہونچا کر میری روح کو خوش کرنا،

یہ بیان ایک بجلی تھا جس نے اندر ہی اندر سیمونہ کو جلا کر خاک کر دیا آنکھ میں آنسو نہ تھے لب پر آہ نہ تھی۔ مگر چہرہ کا رنگ یہ پتہ دے رہا تھا کہ دل مجروح اس صدمہ کی تاب نہ لا سکا۔ وہ گم سُم بیٹھ گئی انتہائے مصائب و تکالیف میں امید کی جو جھلک کبھی تر و تازہ کر دیتی ہے اس وقت اس کا انقطاع درحقیقت سیمونہ کی زندگی کا خاتمہ تھا تاہم اس نے استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا اور میجر گیلفس سے کہا تو کیا المیٹن کی لاش دفن کر دی گئی

میجر :- کل صبح کو میری موجودگی میں دفن ہو گی۔

سیمونہ :- کیا آپ کی عنایت سے یہ ممکن ہے کہ میں بھی رسم تدفین میں شریک ہو سکوں۔

(۴)

دوپہر کے سنسان وقت میں عدالت العالیہ کا شاندار کمرہ وکیلوں اور گواہوں سے بھرا ہوا ہے دروازہ پر دو رویہ فوج کھڑی ہے مگر خلقت کا ہجوم اس قدر زیادہ ہے کہ مسلح گارد بھی بہ مشکل انتظام میں کامیاب ہو سکا ایک متبرک صورت نیک سیرت بزرگ ماخوذ ہیں اور ہر شخص گردن نیچے کئے ساکت کھڑا ہے دفعۃً چیف جج نے گردن بلند کی اور فرمایا۔

"مقدس پوپ ! ملکہ معظمہ کی موجودگی میں جو الفاظ آپ نے فرمائے اس سے سرکار عالیہ کی توہین و تذلیل ہوئی بلکہ آپ نے تمام یورپ کو ظالم و سفاک بنا کر مذہب عیسوی کی وہ ہتک کی ہے جس نے گورنمنٹ کو نہ فقط صدمہ پہنچایا بلکہ آپ کی طرف سے بالکل بدظن کر دیا آجکل جبکہ اسلام سے ہمارا معرکہ ہو رہا ہے اندیشہ ہے کہ آپ کا وجود بغاوت کا باعث ہو اور رعیت بھڑک اٹھے اس لیے میں آپ کو موقعہ دیتا ہوں کہ اگر آپ اپنی بریت میں کچھ کہنا چاہیں تو کہیں۔"

پوپ "معزز ججو ! مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے فرض منصبی کو اس خوش اسلوبی سے انجام دیا اور انصاف کے کسی پہلو کو جس کی آپ سے توقع ہے نظر انداز نہ فرمایا ! ازیل ججو ! درحقیقت میں نے شہزادی کے سامنے یہ لفظ کہے اور اگر یہ کہنا جرم ہے تو میں واقعی اس کا مرتکب ہوں لیکن انصاف کے مدعیو ! ایمان کو ہاتھ سے نہ دو اور بتاؤ ! کیا مذہب عیسوی کی تلقین یہی تھی کہ ہزاروں بندگان خدا کو خانماں برباد کر دو بوڑھوں اور بچوں کو تہ تیغ کر دو اور محض اس لیے کہ تمہارے جسم میں طاقت ہے کمزور کو ذبح کر دو !

اُس نے جس بیدردی سے بوسینا اور ہرزیگوینا کے واقعات میں لکھوکھا انسان تہ تیغ کیے ہیں۔ تاریخ اسکو فراموش نہیں کر سکتی جس چالبازی اور مکر و فریب سے فرانس نے مراکو میں قتل عام کیا ہے عالم بالا کے شاہد اس سے اغماز نہیں کر سکتے اور اے بے ایمان حکومت کے بے ایمان حجو تم نے طرابلس میں بیگناہ اور مظلوم بڈھوں اور بچوں کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا دنیا اسکو بھول نہیں سکتی۔ کیا ایسے عیسائی منہ دیکھنے کے قابل ہیں اور کیا یہ سرزمین کسی سچے عیسائی کے بسنے کے لائق ہے۔ جلد حکم دو اور مجھکو پھانسی چڑھاؤ کہ میں تم مکاروں کے پھندے سے رہائی پاؤں +

(۵)

رات چاندنی ہے اور جاڑا گلابی ایک بجے کے قریب اس ناپید اکنار سمندر میں جو بحیرۂ روم کے نام سے مشہور ہے ایک تارپیڈو کشتی شمال مشرق کی طرف بہی چلی جارہی ہے۔ میجر گیلفس اور بدنصیب سیمونہ دونوں خاموش بیٹھے ہیں مگر سیمونہ کا عکس پانی میں چاند کیطرح لوٹ رہا ہے کچھ دیر سکوت کے بعد گیلفس اٹھا سیمونہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور بہ منت کہا۔

شہزادی! مجھپر رحم کرو

سیمونہ:۔ میجر گیلفس آپنے ایک ایسی عورت کو دہوکا دیا ہے جسکا دل محبت سے چور ہے یہ آپ کی شان کے خلاف تہا اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں گے تو یقین کیجیے کہ یہ بہتا ہوا پانی سیمونہ کا خاتمہ کردے گا +

میجر گیلفس کی آنکھیں غصہ سے بھڑک اٹھیں اس نے خنجر کمر سے نکالا اور سیمونہ کو گرا۔ اُس کے سینہ پر رکھ کر کہا

اگر تو اب بھی ہٹ سے باز نہیں آتی تو یہ خنجر تیرا فیصلہ کردیتا ہے"

ٹھیک اسوقت جب میجر گیلیفنس نے خنجر کی چمکتی ہوئی دہار نازک اندام سیمونہ کے سینہ پر رکھی ہے ایک کشتی پاس سے گذری جس کی آواز سنکر سیمونہ اس طرح چلائی "

"کیا اس آدھی رات کے سناٹے میں جبکہ ایک ظالم میری عصمت برباد کرنے کے درپے ہے اس سمندر میں جس کا کوئی کنارہ نہیں کوئی شخص ایسا ہے جو میری عصمت کے بچانے میں مجھے مدد دے"۔

میجر "بحری اور بری آس پاس کی تمام دنیا اسوقت میرے قبضۂ قدرت میں ہے کسکی ہستی ہے کہ میرے پنجہ سے تجھکو چھڑا سکے سیمونہ اگر زندگی عزیز ہے تو میری درخواست قبول کر ورنہ یہ خنجر اب سینہ کے پار ہوتا ہے۔

میجر گیلیفنس کے یہ لفظ ختم ہی ہوئے تھے کہ برابر کی کشتی ہٹکی اور ایک نوجوان مسلح ترک نے اس کشتی میں آنے کی کوشش کی میجر گیلیفنس یہ دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا غصہ کی کوئی حد نہ تھی للکار کر کہا کہ او کافر خبردار اگر ادھر کا قصد کیا چشم زدن میں روح عالم بالا کو پرواز کر جائے گی۔

نوجوان ترک کے واسطے یہ بڑی مصیبت کا سامنا تھا اسکو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ظالم کشتی تارپیڈو ہے مگر ارادہ کا پکا تھا پہلی ہی جست میں اندر داخل ہوا۔ اب میجر گیلیفنس کو تاب نہ تھی اس نے دور ہی سے رائفل کا فیر کیا رات چاندنی تھی اور ترک کو اتنی مہلت نہ ملی تھی کہ وہ اپنے ہتیار نکال سکتا سر اور سینہ کو بچا کر گولی ہتیلی پر لی۔ اور خنجر نکال کر آگے بڑھا میجر گیلیفنس نے دوسرا فائر اور کیا اور اگر ترک اسوقت بیٹھ نہ جاتا تو اس کی لاش کشتی میں تڑپتی ہوئی دکھائی دیتی وہ بیٹھتے ہی اُٹھا اور خنجر کھینچکر سر پر جا پہونچا۔

اب ہتیھاروں کا وقت نکل چکا تہا اور محض گاؤزوری تہی لیکن ترک کا ایک ہاتہہ
کمزور ہو چکا تہا مگر اس نے ایک نعرہ مار کر اس زور سے گیلفس کو نیچے پہنکا کہ
عاشق بدنصیب چیخ اُٹہا اور آناً فاناً کشتی پہیر گیلفس کے خون سے سُرخ ہوگئی۔
سیمونہ کی رسیلی آنکہیں یوں تو شروع ہی سے جوان ترک کی شجاعت کی داد
دے رہی تہیں مگر اب وہ اُٹہی قریب آئی اور کہا۔
میں کن الفاظ میں آپ کا شکرادا کروں۔
ترک۔ میں شکریہ کا محتاج نہیں میری کشتی تیار ہے میں جاتا ہوں آپ
صرف اتنا بتایئے یہ مرنے والا کون تہا اور آپ کو کہاں سے لایا۔
سیمونہ۔ میں کون ہوں یہ دریافت نہ کیجئے یہ پہیر گیلفس افواج ایطالیہ کا
کمانڈر تہا۔ آپکو تکلیف تو ضرور ہوگی مجہکو بنغازی یا طرابلس پونہچا دیجے
آپ کا کیا نام ہے؟
ترک۔ میرا نام حسن ہے میں نہایت خوشی سے آپ کو طرابلس پونہچا دیتا ہوں
مگر ساحل پر ایطالیہ کی پچاس ہزار فوج میرے خون کی پیاسی ہے
طرابلس سے کچہہ دور ادہر آپ کو اُتار دوں؟
سیمونہ۔ ایطالیہ کے کسی متنفس کی اب اتنی مجال نہیں ہے کہ آپ کی طرف
ٹیڑہی آنکہہ سے دیکہہ سکے آپ اطمینان سے چلیں ایطالیہ کے
آپ مہمان ہیں؟
کشتی نے طرابلس کا رخ کیا یہ کہنا مشکل ہے کہ سیمونہ کی ان نظروں میں
جو بار بار جوان ترک پر پڑرہی تہیں محبت شامل تہی یا نہ تہی مگر یہ ظاہر
ہے کہ ایلسٹن کی موت کا صدمہ وہ فراموش کر چکی تہی اور اس نے مکرر کہا
کیا کوئی چیز دنیا میں ایسی ہے جو آپ کے احسان سے مجہے سبکدوش کر دے

حسن:۔ ہاں ہے، صرف یہی کہ آپ مجھ کو اپنا محسن تصور فرمائیں۔
سیمونہ۔ مجھکو اجازت دیجئے کہ میں آپ کے اس ہاتھ پر پٹی باندھدوں جس سے اب تک خون جاری ہے۔
حسن:۔ یہ خود ہی تھم جائے گا آپ اس کا خیال نہ کیجئے
سیمونہ یہ سنکر اٹھی بلاؤس میں سے رومال نکالا۔ اور حسن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر رومال باندھا۔
حسن:۔ آپکے نازک ہاتھ ان کاموں کے قابل نہیں آپ کی عنایت نے مجھکو اور بھی گھائل کیا۔ آپ کی فوج کی روشنی نظر آنے لگی۔
ساحل کے قریب کشتی جا کر ٹہری حسن اور سیمونہ اترے اور کیپ کیطرف چلے مگر اس سے پہلے کہ یہ دونو پہنچیں ملاح نے میجر گیلفس کے قتل کی واردات کی رپورٹ کی اور گو سیمونہ ہرچند چیخی چلائی مگر حسن پاشا گرفتار کر کے کورٹ مارشل میں پیش کر دیا گیا۔ باقی آئندہ

"راشد الخیری"

یاسمین۔ پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب ایم اے مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب نتیجہ خیز ناول ہے اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کا عرصے سے ملک کو انتظار تھا تیار ہو گئی ہے یہ کتاب جو درحقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلباء کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے یاسمی جو اس تمام قصہ کی جان اور بنگالہ کی ایک مشہور نازنین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفہ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت ہے۔ قیمت فی جلد (عمر)
منیجر عصمت و تمدن۔ دہلی

غزلیں

جناب حاجی محمد باقر صاحب مرحوم طباطبائی

من نمی گویم کہ جاں از اقلیم بیگانہ است　　اینقدر دانم مکیں خانہ ام جانانہ است
از شراب ذوق مستم میرس از بیخودی　　ساقیم دل خون دل می دیدہ ام پیمانہ است
فہم حیران عقل سرگرداں بحسن ذات او　　دل بہ سودائے خیالش روز و شب دیوانہ است
آنکہ ماہ عالم تجرید شمع بزم اوست　　چشم ملئے محفلش پروین دل پروانہ اوست
دامن ہمت زخار آرزو بیروں کشید　　ہر کہ در گلزار ہستی عاقل و فرزانہ اوست
در دل حق بین بجز عشق حقیقی رہ نیافت　　ہر کجا عشق مجازی ہست آں بتخانہ است

باقر! معموری دلہا ز فیض عشق اوست
ہر دلے کز عشق او خالی بود ویرانہ است

چشم میگوں سے مجھے آنکھ لڑانا کیا تھا　　ہوش کھو بیٹھا ہوں میخانے میں آنا کیا تھا
پھول جو نکلا وہی چاک گریباں نکلا　　بلبل زار ہے تجھے شور سے گانا کیا تھا
آتش عشق سے دل خاک ہوا ہے یکسر　　راکھ کو او بت بیدرد! جلانا کیا تھا
تیر دلدوز تھا یا آہ شرر بار تھی یہ　　کوئی بلبل ہی سے پوچھے کہ ترانا کیا تھا
غم سے یاری نہ تھی مجھ کو نہ الم سے کھٹکا　　ہائے افسوس وہ بچپن کا زمانہ کیا تھا
آشیانے ہی میں سہتے صحن گلستاں کے مزے　　موسم گل کا بھی واللہ زمانہ کیا تھا
تیرے افضال نہ ہوتے جو میرے شامل حال　　قعر دوزخ کے سوا میرا ٹھکانا کیا تھا

سائیہ ابر کرم سے نے تجھے گھیرا فوراً
اے حزیں وادی عشاق میں آنا کیا تھا

اصل قیمت (عہ) رعایتی (عہ) علاوہ محصول۔ آخر اگست ۱۹۱۲ء تک محصول معاف

وصلِ حبیب کے متعلق ایک تازہ رائے

(از مولوی حکیم بشیر احمد خان صاحب دہلوی چیف میڈیکل آفیسر ریاست دوجانہ)

ناول وصلِ حبیب بذریعہ وی پی موصول ہوا۔ خدا معلوم آپ کی تحریر میں کیا کشش متناطیسی ہے کہ باوجود عدیم الفرصتی بغیر ختم کئے چھوڑنے کو دل گوارا نہیں کرتا۔ برخلاف تمام ناولوں کے آپ کا رنگ مخصوص ہے اور یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ آج کل علاوہ مشاغل دربار۔ انتظامات طاعون میں سخت منہمک ہوں۔ اور ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں۔ مگر آپ کے مصنفہ ناول کے واسطے دو راتوں کی پیاری نیند کو قربان ہی کرنا پڑا۔ علاوہ میرے جس شخص نے دیکھا بے حد پسند کیا۔ اور غائبانہ آپ کے مشتاق ہیں۔

۱۹۔ اپریل ۱۹۱۲ء

مندرجہ ذیل کتب بھی رعایت پر ملسکتی ہیں

سیر ظلمات ...	عہ	وگمز دقیتیدا	۱۲ار	حسلوہ ایثار	۱۲	
فسانۂ لندن ہر دو حصہ	۸ر	فتح اندلس	۱۲ار	عیار شہزادہ	۱۲	
انتقام کامل	۸ر	مقدس نازنین	۱۲ار	روزا البرٹ	[illegible]	
غیثال دہن	۱۲ار	حسن انجلینا	۱۲ار			

المشتہر محمد عبد العلیم مہتمم کتب خانہ حبیبیہ ڈاکخانہ گوہر گنج ریاست بھوپال

جلد ۱ ستمبر ۱۹۱۲ء نمبر (۱)

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹرز۔ محمد عبد الراشد الخیری۔ شیخ محمد اکرام

:- فہرست مضامین :-

تصویر ... سلطان عبد الحمید خان۔

امہات الامہ شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم۔ ۱

بنی نوع انسان کے لئے مذہب مفید ثابت ہوا (مولوی نبی بخش صاحب مولوی فاضل و منشی فاضل) ۹

غم۔ نیاز محمد خاں صاحب نیاز فتحپوری ۱۹

حادثہ۔ سلطان حیدر صاحب جوش (علیگ) ۲۱

سراپا نبی کریم صلعم۔ مولانا تمنا عمادی صاحب پھلواروی ۳۳

تاریخ اسلام کا دردناک واقعہ (مولوی محمد شفیع الدین خاں صاحب نگرام آبادی) ۳۷

جلوۂ دربار دہلی ... حضرت اکبر ۴۸

فلسفہ تصبیر۔ سید ابو الحسن صاحب الہ آبادی ۵۱

تصور ارشد۔ مولوی محمد حسین صاحب مجیبی لکھنوی ۵۹

انتظام مجالس۔ جناب افضال احمد صاحب طالب علم بی۔ اے ۶۱

خمریات ضیغم جنگ بہادر حیدرآبادی (مولانا سید یاور حسین صاحب شاگرد دبیر انیس مرحوم لکھنوی) ۶۳

سیمونہ۔ محمد عبد الراشد الخیری۔ ۶۵

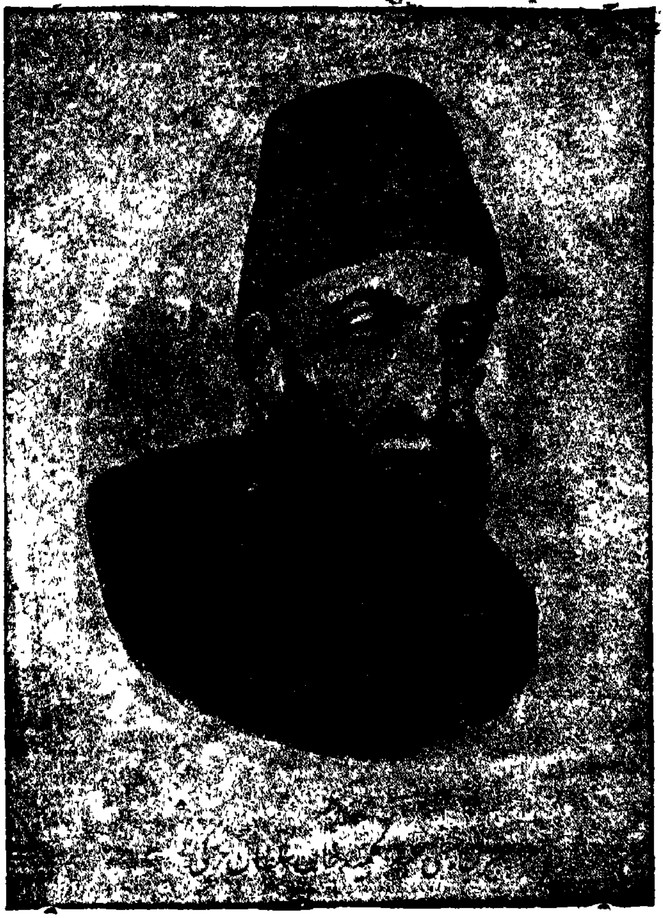
رباعیات مہر۔ منشی سمیع الرحمن صاحب مہر ۷۲

باہتمام محمد عبد الراشد الخیری دہلوی

تمدن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا

قیمت سالانہ قسم اول ہے قسم دوم ۶ قیمت فی پرچہ

کتبہ جعفر علی خاں



تمدن

اُمہات الاُمہ

گذشتہ سے پیوستہ

(از شمس العلماء مولوی حافظ محمد نذیر احمد صاحب - ایل - ایل - ڈی - مرحوم)

یہ لوگ در پردہ یہودیوں سے میل جول رکھتے تھے مگر مسلمانوں کے مقابلے میں تھے مغلوب اور اسی لیے ظاہر میں مسلمان بنتے تھے غرض یہ لوگ ایسا جوا کھیلتے تھے کہ طاق اور جفت دونوں داؤں اپنے۔ قرآن میں منافقوں کو جابجا سرزنش کی گئی ہے منافقوں سے یہی لوگ مراد ہیں ان کا رئیس تھا ایک شخص عبد اللہ بن اُبی بن سلول مدینے کے رہنے والوں میں اوس اور خزرج دو برابر کی ٹکر کے بڑے زبردست قبیلے تھے ان میں پشت ہا پشت سے خانہ جنگیاں چلی آتی تھیں عبد اللہ حقیقت میں قبیلہ خزرج کا بڑا باوقعت سردار تھا پیغمبر صاحب کی ہجرت سے پہلے لوگ اسکو بادشاہ بنانے کی طیاریاں کر رہے تھے تاج شاہی تک

بنوایا تھا پیغمبر صاحب کی تشریف آوری سے منصوبے ناتمام رہ گئے تو عبد اللہ
کو پیغمبر صاحب کا جتنا حسد ہو تھوڑا۔ پیغمبر صاحب کے آئے پیچھے برسوں اسلام
مدینے میں کھچڑی رہا۔ عبد اللہ منافق اسلام کی بیخ کنی کے درپے پیغمبر
صاحب کو دیکھکر اندر ہی اندر اس کا خون کھولنے لگتا تھا اسی کا بیٹا جناب
ظاہر و باطن راسخ العقیدت مسلمان جہاں پیغمبر صاحب کا پسینہ گرے اپنا
خون گرانے کو موجود پیغمبر صاحب کو اس عبد اللہ سے کبھی ماں کی طرح کی بڑی
سخت تکلیفیں پونہچیں۔ از انجملہ یکے از ہزار مشتے نمونہ از خروارے یہ کہ ہجرۃ کے
دوسرے برس مسلمانوں سے اور قریش سے بدر کی لڑائی ہوئی اس لڑائی
میں باوجودے کہ لشکر قریش کے مقابلے میں مسلمانوں کی کچھ بھی حقیقت
نہ تھی قریش کو فاش شکست ہوئی۔ چوٹی کے سردار مارے گئے بقیۃ السیف
گرفتار۔ مگر بھاگتے بھاگتے بھی قریش دھمکی دیتے گئے کہ اگلے برس
اس اتفاقی شکست کا بدلہ لیں تو سہی چنانچہ اگلے برس لشکر جرار سے مدینے
کو آگھیرا چار و ناچار لڑنا پڑا پیغمبر صاحب کا قاعدہ تھا کہ جو بات کرتے تھے
سب کی صلاح سے پیغمبر صاحب کی اپنی رائے تو یہ تھی کہ مدینے کے باہر
چل کر لڑیں۔ لوگوں سے مشورہ لیا تو منافقوں نے بڑی سختی کے ساتھ
اختلاف کیا کہ نہیں شہر کے اندر مکانات کی آڑ پکڑ کر لڑنا مناسب ہے
لڑائی تو آخر کار پیغمبر صاحب کی رائے کے مطابق مدینے کے باہر دو
ڈھائی کوس کے فاصلے پر کوہ احد کے پاس ہوئی مگر منافقوں کے
اختلاف کی وجہ سے بہتیرے لوگ تو مدینے سے نکلے ہی نہیں اور
جو بادل ناخواستہ دکھاوے کو نکل بھی تھے انکو بھی عبد اللہ بہکا کر بے لڑے
لوٹا لایا بعض نے اسکو بہتیرا پس و پیش سمجھایا کہ اسطرح کی صریح مخالفت سے مسلمان

ہمیں مدینے میں نہیں رہنے دیں گے تو کہتا کیا ہے۔ لَئِن رَّجَعنَا اِلَی المَدِینَۃِ لَیُخرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنہَا الْاَذَلَّ۔ (سورۂ منافقون ع ۱) منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے گا۔

اس نے اپنے تئیں اعز سے تعبیر کیا اور پیغمبر صاحب کو نعوذ باللہ اذل سے۔ بیٹا یہ سنکر اپنے آپے سے باہر ہوگیا اور اگر پیغمبر صاحب اس کو نہ روکتے تو اس نے باپ کو قتل ہی کر دیا ہوتا اس ایک واقعہ میں کتنی باتیں مضمر ہیں عبد اللہ کی حد درجے کی گستاخی بیٹے کی عقیدت پیغمبر صاحب کا حکم۔ بالآخر وہ وقت آیا جو سب کو آنا ہے کہ عبد اللہ مر رہا ہے اس کو حب جاہ نے تباہ کیا اب آخری وقت میں اسکو جاہ کی طرف سے بالکل نا امیدی ہوئی تو اس نے اَلْغَرِیْقُ یَتَشَبَّثُ بِالْحَشِیْشِ[۵] کفن کے لیے تبرکاً پیغمبر صاحب کا کرتہ منگوا بھیجا پیغمبر صاحب نے اس کے بیٹے کی دلداری سمجھو تو یا گروہ منافقین کی تالیف و استمالت سمجھو تو یا عبد اللہ کے ظاہری اسلام کا لحاظ سمجھو تو بے تامل اُتار اپنا کرتہ بھجوا دیا عمرؓ کے منع کرتے کرتے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ شریک دفن ہوئے اور دیر تک قبر پر کھڑے ہوئے اس کے حق میں دعا کرتے رہے دشمن کے ساتھ اس کے مرے پیچھے اتنی عنایت کا اظہار پاک نفس پیغمبر کے سوائے کس سے ہو سکے بات کے سلسلے میں عمرؓ کے روکنے کا ذکر آ گیا تو ان کے منع کرنے کی وجہ بھی اسلام کی خیر خواہی تھی کہ یہی منافق اسلام کی چلتی گاڑی میں روڑے اٹکاتے رہتے تھے اور عمرؓ شدید الباس اور مزاج کے کسیقدر سخت بھی تھے نظر بہ حالات ملکی اس وقت کے اسلام کو پیغمبر صاحب کی نرمی اور انکی سختی دونوں کی یکساں ضرورت تھی جیسے کھیتی کہ اسکو وقت پر پانی چاہیئے

[۵] ڈوبتا ہوا تنکے کو سہارا پکڑا کرتا ہے ۱۲

اور وقت پر تابشِ آفتاب سے

درشتی و نرمی بہم در بہ است چو رگزن کہ جراح و مرہم نہ است

یہ عمری ہیبت ہی تو تھی جس کی وجہ سے پیغمبر صاحب ابتدائے رسالت میں یہ دعائیں مانگا کرتے کہ اللّٰھم اعز الاسلام بابی جہل بن ھشام۔ او بعمر بن الخطاب۔ یہ عمری ہیبت ہی تو تھی کہ عمرؓ کے اسلام سے پہلے مسلمان تھوڑے ہی سہی مگر کسی کی جرأت نہ تھی کہ ادائے نماز کے لیے خانہ خدا کی طرف رخ تو کرے ہاں عمرؓ اسلام لائے تو سب کو دندناتے ہوئے ساتھ لیکر کعبے گئے چھت پر چڑھکر اذان دی نماز پڑھی قریش خانہ کعبے کے گرد بیٹھے دیکھا کیے کسی نے چوں تک (نہ کی) یہ عمری ہیبت ہی تو تھی کہ پیغمبر صاحب کے مدینے گئے پیچھے باقی ماندہ مسلمانوں پر قریش کیطرف سے بڑی سختیاں ہونے لگیں رہتے ہیں تو ستائے جاتے ہیں جاتے ہیں تو جانے نہیں پاتے نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن۔ تو بیچارے چوری چھپے رات نکل بھاگتے اور کسی طرح گرتے پڑتے مدینے جا پہنچتے عمرؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو دن دہاڑے سازوسامان سفر درست کرکے ہتھیار لگائے اور پکار پکار کہتے ہوئے چلے کہ جسکو اپنی بیوی کو رانڈ اور اپنے بچوں کا یتیم کرنا منظور ہو وہ شہر کے باہر لے اور مجھے روکے یہاں سب کو سانپ سونگھ گیا تھا ایک سے نہ ہوسکا کہ جانے کو پکڑتے یہ عمری ہیبت ہی تو تھی کہ اسلام کی بنیاد تو پیغمبر صاحب نے رکھی اور عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں روم اور فارس جیسی زبردست سلطنتوں کو زیر کرکے اس بنیاد پر سلطنت اسلام کی ایک شاندار عمارت

سلہ خداوندا ہشام کے بیٹے ابو جہل یا خطاب کے بیٹے عمر سے اسلام کو غلبہ عنایت کر ۱۲

بناکٹری کی اصلہا[1] ثابت وفرعہا فی السماء عمرؓ کی خود خصلت کی پوچھو
تو مختصر یہ ہے کہ وہ اسلام کے آگے کسے باشد کسی کی لگی لپٹی نہیں رکھتے
تھے انہوں نے پیغمبر صاحب کے ساتھ منافقوں کا اور رئیس المنافقین
عبد اللہ بن ابی کا برتاو دیکھا تھا اور منافقوں کے بارے میں آیات
قرآنی سنی تھیں اور ان کے دل پر نقش تھیں از انجملہ استغفر لھم
او لا تستغفر لھم سبعین مرۃً فلن یغفر اللہ لھم اسلامی جوش
میں آکر انہوں نے پیغمبر صاحب کو عبد اللہ کے جنازے کی نماز پڑھانے
سے روکا اور سبعین سے ستر کا عدد خاص نہیں بلکہ مطلق تکثیر مراد لی
عمرؓ اصل عرب تھے ان سے بڑھکر محاورات زبان عرب سے کون
واقف ہو سکتا ہے ادھر پیغمبر صاحب نے باوجودیکہ افصح العرب تھے
سبعین سے ستر کا عدد خاص مراد لیا اور فرمایا کہ میں ستر بار سے زیادہ
بار عبد اللہ کے لیے استغفار کروں گا شاید خدا اس پر رحم
کرے بات اس پر چلی تھی کہ آیت فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ
وثلث وربٰع کے اعداد کی نسبت ہمارا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ عجب
نہیں اعداد خاص نہیں بلکہ مطلق تکثیر غیر محدود مراد ہو جیسا کہ اردو اور فارسی
زبانوں میں ہے پر زبان عربی سے سند لینی چاہی تو آیہ ان تستغفر لھم
سبعین مرۃ خیال میں آئی کہ پیغمبر صاحب نے سبعین سے ستر کا عدد
خاص سمجھا اور عمرؓ نے اسکو تکثیر پر محمول کیا اس کے ضمن میں ہم نے

[1] اے پیغمبر تم ان کے حق میں مغفرۃ کی دعا کرو یا ان کے حق میں مغفرۃ کی دعا نہ کرو
ان کے لیے یکساں ہی اگر تم ستر دفعہ بھی ان کے لئے مغفرۃ کی دعا کروگے
تو خدا ہرگز ان کی مغفرۃ نہیں کرے گا +

ہجرۃ اور منافقوں کا حال اور عمر شر کا حال بہت سے مضامین لکھ ڈالے ناظرین ان مضامین کو بھرتی کے مضامین سمجھیں گے۔ مگر ہمارا عذر یہ ہے کہ موسے کو کوہ طور پر پیغمبری اور معجزۂ عصا دیتے وقت خدا نے موسے سے اتنا ہی پوچھا تھا کہ وما تلک بیمینک یموسیٰ موسے نے جواب میں عرض کیا ھے عصای اتوکؤ علیھا واھش بھا علی غنمی ولی فیھا مارب اخرے۔ وما تلک بیمینک یا موسے کا جواب عصا سے بس کرتا ہے مگر موسیٰ کو شوق ہمکلامی پروردگار نے بس نہ کرنے دیا ہم کو بھی پیغمبر صاحب کی باتوں میں مزہ آتا ہے کچھ کہنا ہو ہو تو خود بخود بات جی سے نکلی چلی آتی ہے اسکو ہم اپنا ایمان اور اسی کو ہم اپنا اسلام اور اسیکو ہم اپنا عمل سمجھتے ہیں اور اسی کے بھروسے پر نجات آخرت کی آس لگائے بیٹھے ہیں بہرکیف ناظرین سے درازی سخن کی معافی مانگ کر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ گو عمرؓ بجائے خود زبان عربی کے محاورات اور اسالیب الکلام کے بڑے ماہر تھے اور قریش کی فصیح تر عربی ان کی مادری زبان تھی مگر پیغمبر صاحب کو زبان دانی کے اعتبار سے بھی ہر ہر سب سے برتر اور بہتر سمجھتے ہیں۔ اور خود صحابہ نے بارہا اس کا اعتراف کیا ہے پس آیہ ان تستغفر لھم سبعین مرۃ کے قیاس پر مثنےٰ وثلث وربع میں بھی اعداد خاص مراد لیتے ہیں نہ مطلق تکثیر۔ اور بخاری کی دو حدیثوں نے

سلہ موسے تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ ۱۲

سلہ میری لاٹھی ہے میں اسپر سہارا لگاتا ہوں اور اسی سے اپنی بکریوں پر درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اور (اسی لاٹھی) میں میرے اور بھی اغراض ہیں ۱۲

تو ہمارے خیال کو ظن فاسد قرار دے کر اس کا قطعی فیصلہ کر دیا عن ابی هريرة ان غيلان اسلم وتحته عشر نسوة فقال رسول الله صلى الله عليه قبل امسك ربعا وفارق باقيهن عن كعب ان نوفل بن معاويه اسلم وتحته خمس نسوة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم امسك اربعا وفارق واحدة۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ غیلان مسلمان ہوا تو اس کے پاس پوری دس عورتیں تھیں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار (عورتوں) کو رکھ لو اور باقی (چھ عورتوں کو) چھوڑ دے کعبؓ کہتے ہیں کہ معاویہ کا بیٹا نوفل مسلمان ہوا ہے تو اس کے پاس پانچ عورتیں تھیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار کو رکھ لو اور ایک کو چھوڑ دو +

غرض یہ بات تو طے پا گئی کہ مسلمانوں کو قرآن کی رو سے وقت واحد میں چار بیبیوں تک کے جمع کرنے کی مشروط اجازت ہے مطلق تکثیر کی نسبت تو بقدر کافی اوپر لکھا جا چکا جس سے ظاہر ہو گیا کہ تکثیر نسل آدم اور مرد اور عورت کی فطرۃ دو چیزیں تو متقاضی ہیں کہ مرد کو تکثیر ازدواج کی اجازت دی جائے تاکہ وہ نسل کو بڑھا سکے اور چونکہ عورت میں تکثیر ازدواج سے نسل کے بڑھانے کی صلاحیت نہیں اسکو تکثیر ازدواج کی اجازۃ دینا لاحاصل ۔ لیکن تکثیر نسل کے ساتھ اسکی بھی ضرورت ہے کہ مرد اور عورۃ یو میاں بی بی ہیں امن و عافیت کے ساتھ زندگی بسر کریں +

مشکل یہ ہے کہ تکثیر ازدواج حد شرعی کے اندر رہا یا باہر جائز ہو یا ناجائز

ہر حالت میں منافی امن وعافیت ہے جیساکہ دیکھا جاتا ہے اس سے تو ہر شخص یہی نتیجہ نکالیگا کہ تکثیر کی اجازت گو وہ مشروط اجازت ہے صرف قرآن میں لکھنے کے لیے ہے کوئی مرد اس سے بطریق جائز مستفید نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام جو دین فطرۃ ہونے کی شیخی مارتا ہے مِلَّۃً سَمْحَۃً سمعلۃ اور ما جَعَلَ علیکم فی الدین من حرج عیسوی دین ہوگیا مجموعہ محالات کہ عیسائیوں میں ناممکن التعمیل احکام بہت ہیں جیسے رہبانیت یا یہ کہ کوئی دائیں گلے پر طمانچہ مارے تو بائیں تامل تو بایاں کلہ بھی سامنے دے کرلے اور مارپا کل کے لیے ذخیرہ مت کر یا اپنے جانی دشمن کے لیے اپنے اکلوتے بیٹے کی طرح خلوص دل سے دعا کر۔ اسطرح کے احکام کتاب میں سکھے ہوئے شاندار ہیں عملاً ہیچ ایسے احکام کے ہوتے نہ دنیا چلتی ہے اور نہ چل سکتی ہے۔ ہاں اسلامی حکم جزاء سیئۃ مثلہا فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ ایک واجبی اور معقول بات ہے لیکن تکثیر ازواج کا حکم تو وہی عیسائیوں کی بات نظاہر میں تو یہ اعتراض بڑا قوی معلوم ہوتا ہے لیکن تکثیر ازواج شرعی کا ناممکن التعمیل ہونا تسلیم نہیں ہے۔

باقی آئندہ

مہر افروز بیگم - یہ وہ کتاب ہے جو ڈہونڈہے نہیں ملتی تھی اور اب عصمت ایجنسی نے نہایت محنت وصرف سے تیار کی ہے قصہ کی دلاویزیا زبان کی سلاست دیکھنے سے تعلق رکہتی ہے قابل مصنف مولوی سید احمد صاحب کا نام ہی اسکی خوبیوں کی کافی ضمانت ہے۔ قیمت ۸/

منیجر عصمت وتمدن دہلی سے طلب کیجئے۔

بنی نوع انسان کے لئے مذہب نہایت مفید ثابت ہوا

ہم زمزمہ زمزم کی دل سے قدر کرتے ہیں جس نے مدہوشان مذہب کو سرود کا کام دیا ہے اور بیخبروں کو ہوشیار کیا ہے!!

قبل اس کے کہ ہم ان خیالات و توہمات مملو از مغالطات کے مفصل جواب تحریر کریں اجمالاً اتنا ضرور عرض کر دیتے ہیں کہ مسٹر زمزم نے اپنی اس نوانجی میں علاوہ اس کے کہ محض مغالطوں سے کام لیا ہے اونکو مذہب کے معنی سمجھنے غلط فہمی بھی ہوئی ہے! چنانچہ کہیں تو عقائد باطلہ کو مذہب قرار دیا ہوا اور کہیں رسم و رواج اقوام وحشیہ کو!! اور کہیں مغلوبانِ شہوات نفسانیہ کے اصول و قوانین تحصیل لذائذ فانیہ وغیرہ وغیرہ کو!!! اور کہیں زہر قاتل پلیگ اور غضب الٰہی کو مذہب کا شعبہ قرار دیا ہے! اور کہیں جہالت و ضلالت کو مذہب کا مترادف ٹھیرایا ہے! اور آخر میں مذہب کی تعریف لامذہبان یورپ کے تخیلات سے اخذ کر کے صاحبان مذاہب کو اوس سے آگاہ کیا ہے یعنے "مذہب نامعلوم چیزوں کے معلوم کرنے کا نام ہے"

شاید مسٹر زمزم کو اُن کے تخیلات سمجھنے میں کسیقدر تغافل ہوا ہے کیونکہ اون کے نزدیک مذہب کی تعریف صرف اتنی ہی نہیں ہے "To Know The unKnown." بلکہ یہ بھی ہے:

the one thing which has been unknown and shall always be unknown

جس کا مطلب محض اوصاف باریتعالی میں تدبر و تفکر کرنا ہے! نہ دیگر اشیاء کے حقائق دریافت کرنا تو یہی ہے کہ جب ایسے عجیب و فریب تخیلات و توہمات کو مذہب قرار دیا جائیگا تو اوس سے وہی نتائج فاسدہ ظہور میں آئیں گے جو اس کے مقدمات سے متوقع ہیں بقول شخصے ؎

خشت اوّل چوں نہد معمار کج　　تا ثریا مے رود دیوار کج

پھر ایسے نتائج وہمیہ کو مطلق مذہب کے نتائج قرار دینا مغالطہ *Fallacy* اور ابلہ فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس لیے ہم پہلے مذہب فطرت (اسلام) کی صحیح تعریف و تحدید سے ناظرین کو آگاہ کر دیتے ہیں تا کہ نفس حقیقت سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

مذہب اُن اصول و ضوابط کا نام ہے جنکو خلاق عالم نے اولاً اپنی مخلوقات کی فطرت و نیچر میں ' ان کی درستی معاش و معاد کے لیے ودیعت فرمایا اور ثانیاً اپنے رسولوں کی وساطت سے اوس کو اون تک پہونچایا۔ تاکہ غلبۂ شہوات و تنازع بقار نوعی کی کشمکش میں آکر مذہب الٰہی محو ہونے سے محفوظ رہے اور جو امن امان سے زندگی بسر کرنا چاہیئے اوس صراط مستقیم پر رفتار کرے۔ اس لیے تدین تمدن اور اخلاق حسنہ سب ایک ہی حقیقت کے مختلف حیثیت متعدد نام ہیں۔ یعنے تدین صورت باطنیہ ہے اور تمدن و حسن خلق اس کے ظاہری اور بیرونی آثار ہیں۔ یا یوں سمجھہ لیجیے کہ تدین و مذہب صورت اعتقادی کا نام ہے اور تمدن سے اور اخلاق حسنہ صورت عمل کا نام ہے۔ پس مرتبہ اعتقاد تدین اور مذہب ہے اور مرتبہ عمل تمدن اور اخلاق و کریکٹر ہے۔

پس مطلق مذہب یعنی مذہب الٰہی اوسکی مخلوقات میں امر فطری ہے
خلاق عالم نے اپنی مخلوقات کی طینت بسرشت میں دین و مذہب کو ودیعت
فرمایا ہے۔ فقال عز و جل فطرۃ الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل
لخلق الله ذالک الدین القیم۔ مذہب الٰہی امر فطری ہے جس پر اللہ نے
لوگوں کو مخلوق فرمایا ہے اور اس مذہب فطرت کو بدلنا ناممکن ہے اور یہی
دین محکم ہے۔ گو بظاہر والدین یا احباب اپنے ساختہ پرداختہ اصول بنبوط
کا ان کو پابند بنا لیتے ہیں لیکن اوس کے مذہب فطری کو نہیں تبدیل کر سکتے
جب اسکو موقع ملے گا وہ اسپنے مذہب فطرت کیطرف مائل ہوگا۔

قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم کل مولود یولد علی الفطرة
فابواه یهودانه وینصرانه ویمجسانه۔ یعنی ہر مولود دین فطری لیکر آتا ہے
مگر اوس کے والدین اوسکو یہودی نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔

چونکہ ماسوا اسلام کے بعض مذاہب مخلوط اور افراط و تفریط سے پر ہوگئے
ہیں اور ان کے قائلین ہیں نور انسانیت علیہ ترقی کر رہی ہے جو اونکو اصول
فطری پر عمل کرنے کو مجبور کرتی ہے لیکن وہ اپنے مذاہب میں ان اصولوں
کو مفقود پاتے ہیں اس لیے انھوں نے بمقتضائے طبیعت دوسرے مذہبونکو
بھی بلا تحقیق ویسا ہی خیال کر کے مطلقاً مذہب کو امر غیر فطری قرار دیدیا
ہے لیکن یہ اون کا تحکم ہے ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اسلام مذہب
فطرت ہے چنانچہ ہم اپنے اس دعوے پر ایک محقق بابائی کا قول پیش کرتے ہیں
"معتقدات انسانی میں اسلام کو وہ درجہ حاصل ہے جو عدیم النظیر اور فقید المثال ہے"
اسلام مذہب فطرتی ہے اسلام کی بنیاد ان صداقتوں پر مبنی ہے جس کا جلوہ
ہم موجودات عالم میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسلام سائنس کی حقیقتوں سے

رہا بقیہ تنہا ہے اور ان تمام خواہشوں کو بوجہ احسن پورا کرتا ہے۔ جو مذہب سے کے متعلق انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں تثلیث پرستی اوہام پرستی اصنام پرستی وغیرہ سب لغو ہیں حقیقی پرستش وہی ہے جو اسلام نے سکھائی ہے یہ وہ مذہب ہے جو عابد و معبود کا درمیانی پردہ اٹھا کر بندے کو اپنے خدا کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے اور خالق سے مخلوق کا رشتہ جوڑ دیتا ہے خدا میں اسی کمال مذہب پر ہمیشہ نازاں رہے کہ ؎

شکر ہے ہم سے خلق میں تیرے اقربا نہ کی
کہتے ہیں سب جگہ حضرت شہدا تو نیاز کی

پس چونکہ کل بنی نوع انسان وحیوان میں مذہب امر فطری ہے اسی واسطے جب تک بنی نوع انسان میں خواہشات ناشروعہ نہیں پیدا ہوئی تھیں نہایت امن و امان سکون و اطمینان سے زندگی بسر کرتے رہے اور جب خواہشات نفسانی پیدا ہوئیں تو فتنہ وفساد کشت وخون کی بنیاد قائم ہوئی قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کیا بخت نصر نے بیت المقدس کو تاراج و برباد کیا اور بنی اسرائیل کو قید کر کے اپنی غلامی میں رکھا جنگ صلیبی میں لاکھوں نفوس ضائع ہوئے وقس علیٰ ہذا۔

ابتدائی آفرینش میں جبکہ ناجائز خواہشوں نے مذہب فطری پر غلبہ نہیں پایا تھا ہر جگہ امن و سکون اور سب کے اخلاق نہایت عمدہ تھے اور جب شہوات نفسانی کو ناجائز وسائل سے پورا کرنے کے درپے ہوئے تو فتنہ وفساد برپا ہوا اور خون کے ندی نالے زمین پر جاری ہوئے پس یہ سارے نتائج نتیجہ لامذہبیت کے کرشمے ہیں نہ مذہب کے کیونکہ اگر لوگ انہیں قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے جو انکو انبیاء علیہم السلام نے تلقین فرمائی تھی

تو وہ ہرگز دوسروں کے حقوق پر دندان آز دراز نہ کرتے اور اپنے نفوس اَمّارہ کو صبر و صلوٰۃ سے کنٹرول میں رکھتے حیوان اور انسان میں فرق ہے گو اُن کا مذہب فطری جس پر وہ روزمرہ رفتار کرتے ہیں بعینہ ہمارے مذہب فطری جیسا ہے۔ لیکن اون کی خواہشات نفسانی محدود ہیں اسواسطے وہ دوسروں کو مغلوب کرکے اپنی خواہش پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتے پس اون کا قدم دائرہ مذہب فطری سے باہر نہیں ہوتا کہ منجر کشت و خون کی نوبت آئے اور شیرازہ اخلاق و اتفاق درہم و برہم ہو انسانی خواہشات لاتعد و لاتحصے ہیں اور یہ اون سب کے پورا کرنے کی طمع میں بلاتامل مذہب فطرت کی زنجیروں کو توڑ کر آزادی کا اعلان کرتا ہے اور حالانکہ اپ لامذہبیت کی مضبوط زنجیروں میں مقید ہو جاتا ہے۔ پس یہ خیال کہ غیر مذہبی دنیا نسبتہً مذہبی دنیا سے زیادہ پُرامن اور جامع اخلاق حسنہ تھی۔ اس کی وجہہ یہ ہوگی کہ اُن لوگوں کا مذہب فطری تو بس نفس امارہ کی تگ و دو سے پامال نہیں ہوا ہوگا جس طرح اب تک حیوانات کا ملک محفوظ ہے۔ لیکن جب اون میں مقتضائے طبیعت بشری تنازع بقاء نوع کا خیال آیا ہوگا اور زیادہ کی حرص پیدا ہوئی ہوگی تو فتنہ و فساد برپا ہوا ہوگا۔ کیونکہ انسانی ترقی حیوانات کی طرح محدود نہیں ہے۔ اس لیے جب تک انسان درجہ حیوانیت میں رہا ہوگا بیشک اوس وقت تک پُرامن زندگی حیوانوں کی طرح بسر کرتا رہا ہوگا۔ لیکن جب اوس کی فطرت نے اوسکو زیادہ ترقی کرنے کے لیے اُکسایا ہوگا اور اوس کا کوئی رہبر پیغمبر بھی اُس کے ہمراہ نہ ہوگا تو ضرور ویسی ہی خونریزی ہوئی ہوگی جیسا معترض نے بیان کیا ہے۔

مذہب میں جو انسانی قربانی جائز سمجھی گئی ہے تو یہ مذہب فطری کا منشا ہرگز نہیں ہے۔ یہ اُن نفس پرست خودغرض پریسٹ اور پجاریوں کی ساخت پرداخت ہے جو اپنے چیلوں اور مندروں کے خداؤں کو زیادہ خوفناک اور مضر ثابت کر کے ناداقوں سے فوائد کثیر حاصل کرنا چاہتے تھے شاہد وہ ہے کہ جس مت کو زیادہ خونخوار اور مضر خیال کرتے ہیں اوسی کو زیادہ بھوگ اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں ؛؛

اسلام کی قربانی کا وہ مطلب نہیں ہے جو سمجھا گیا ہے۔ اصلیت اوسکی یہ ہے کہ ایک روز ابوالاضیاف جناب ابراہیمؑ نے دیر کے بعد مہمانوں کے آنے کی خوشی میں بچھڑے کو بیخبری میں اوس کی ماں کے سامنے ذبح کر دیا۔ جس پر اون کو تنبیہ ہوئی کہ اپنے فرزند کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر و مہر پدری کا مزہ چکھو۔ پس جب وہ مستعد ہو تو اونکو معاف کیا گیا اسلام نے انتہا درجہ کی مروت کی تعلیم دی ہے اور ہر طرح کی انسانی قربانی کو روکا ہے آپ زمانہ جاہلیت کی تاریخ کو ملاحظہ فرمائیں بنی نوع انسان کو زندہ درگور کرنے سے کس مذہب نے روکا؟ اسلام نے اُن بتوں کو جنپر انسانی قربانی ہوتی تھی چکنا چور کر دیا۔

معترض کا یہ طعنہ کہ اہل مذاہب سبب اور مسبب تک میں تمیز نہیں کر سکتے! پس اس کے جواب میں اگر ہم یہ کہیں تو بجا ہے کہ خود معترض کا دماغ سبب اور مسبب کے سمجھنے سے قاصر رہا ہے جبکہ حرکت بائیسکل کا سبب سیگریٹ کے دہوئیں کو بتلا کر اہالیان مذاہب کو لایعقل ٹہرایا اور خود مذہب اور غیر مذہب کا تلفظ بتا کر جو اثر اور نتیجہ اوس معجون فلاسفہ سے پیدا کیا ہے اوسکو بدا تو قف مطلق مذہب کا اثر اور نتیجہ

قرار دیدیا ہے۔ جو حقیقتاً مطلق مذہب کا نتیجہ اور سبب نہیں ہے اشہد میں زہر ملاکر دیدینا اور پھر شہد کو موت کا سبب بتلانا سبب اور مسبب کی عدم واقفیت نہیں تو اور کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ بد خلقی ظلم و تعدی کشت و خون اور سارے اخلاق ذمیمہ کا سبب لامذہبیت کا وجود میں آنا ہے جس سے بے روک ٹوک خواہشات نفسانی اور شہوانی پوری کی جاتی ہیں اور سارے اصول و ضوابط فطری طاق پر رکھے رہ جاتے ہیں۔

اگر مذہب فطرت کے مغلوب ہوجانے پر انبیاء علیہم السلام اوسکو دوبارہ رواج نہ دیتے تو یقیناً انسان اپنے جذبات کے پورا کرنے میں کمزوروں کو معدوم کرتا رہتا اور رفتہ رفتہ کل بنی نوع کا خاتمہ ہوجاتا۔ یہ مذہب کا ہی طفیل ہے کہ نوع انسان ابتک موجود ہے ورنہ کب کا خاتمہ بالخیر ہو چکتا۔

مذہب کی ترویج سے پیشتر جو قومیں Plain living high thinking[1] کے زرین اصول پر عامل تہیں یقیناً اون کا زمانہ پر امن ہوگا اس لیے کہ ان کا مذہب فطری جو مذہب تلقینی کی حالت اولی کا نام ہے اون کا بدرقہ تہا۔

رہا عیسائیوں کا عیسائیوں کو قتل کرنا یا مسلمانوں کو یا اوس کے برعکس پس اگر یہ قتل قصاصی تہا تو فطرت کا مقتضی یہی ہے کہ ظالم سے مظلوم کا قصاص لیا جاتے ورنہ وہ اور نفوس بہی ضائع کرے گا۔ اسلام نے قصاص کو نہایت ضروری سمجہا ہے قال عز و جل فی القصاص حیواۃ یا اولی الالباب اے صاحبان عقل تمہارے قصاص میں حیات ہے اگر تم قصاص لینا ترک کردو گے تو ظالم کا ظلم لاتناہی سلسلہ اختیار کرے اور تمہارے

[1] پلین لونگ ہائی تھنکنگ۔

بنی نوع کا ایک روز خاتمہ ہوجائے گا +

اور اگر حصول اغراض ذاتی کی خاطر تھا تو مذہب کا کیا قصور ہے ؟

مذہب اسلام تو فتنہ وفساد اور قتل وقمع کا سخت مخالف ہے قرآن جو اصل اصول اسلام ہے اسکو ملاحظہ فرمایئے لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا یعنے حالت امن وامان میں خرخشہ مت ڈالو!

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق کسی نفس کو ناحق مت قتل کرو۔

مذہب اسلام نے انسان کو ہرگز جائز ترقی سے نہیں روکا بلکہ اوس کے لیے تو خصوصیت سے تاکید فرمائی ہے۔ فقال عز وجل لیس للانسان الا ما سعیٰ یعنے اگر ترقی کی خواہش ہے تو کو خود کوشش کرو ورنہ حالت جمود ہی میں سڑ جاؤ گے! مذہب اسلام نے ہرگز مذہب فطرت کو غلط نہیں کہا اور نہ کبھی اسکی تردید کی ہے البتہ غیر فطری اصولوں کو اور جو اوس پر عمل کرتے ہیں غلط بتایا ہے قال عز وجل ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما!

جنت دوزخ کا خیال محض بے بنیاد نہیں ہے بلکہ ایک نہایت محکم اصل پر مبنی ہے وہ یہ کہ ہر شخص فطرۃً ظالم سے مظلوم کا قصاص چاہتا ہے۔ اگر صاحبان مذہب کو اس دنیا میں نہیں ملتا تو دوسرے عالم کی اُمید پر مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی لامذہب کو یہاں نہیں ملتا تو وہ فساد پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جب کچھ نہیں بنتا امن عامہ میں خلل ڈالدیتا ہے۔ بس اگر یہ خیال بھی ہوتا تو معلوم نہیں کہ کیا انجام ہوتا۔

اگر مذہب کی بنیاد محض توہمات پر مبنی ہوتی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار معصوم وصادق

اور امین اوس کی اشاعت اور ترویج میں تکالیف شاقہ کو ہرگز گوارا نہ کرتے ایک کو دیکھکر دوسرے کو نصیحت ہوجاتی۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ہر نبی نے پہلے سے زیادہ مصائب کا مقابلہ نہایت اطمینان ویقین سے کیا ہے اور اول سے آخر تک اپنے مشن میں ثابت قدم رہے ا

طبائع خبیثہ کو خواہ کیسی ہی سخت قید کی دہمکی دی جائے۔ یا شتر بے مہار کی آزاد کردیا جائے وہ ہرگز اخلاق حسنہ سے متخلق نہوں گے کیا آپ انارکسٹوں کو نہیں دیکھتے۔

مذہب اسلام میں حسن و قبح اشیاء عقلی ہے نہ تقلیدی اسی سے اسلام ہمیشہ برائی کو بحیثیت برائی کے سمجھاتا ہے فقال عز وجل لا تقربوا الفواحش ما ظہر منہا وما بطن یعنے برائیوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی برائی سمجھ اور اون کے قریب تک مت جاؤ کیونکہ برائی برائی ہے ا

اور یہ محض مغالطہ ہے کہ کیرکٹر اور مذہب دو علیحدہ اور جدا جدا چیزیں ہیں۔ ہم نے مذہب کی تعریف میں واضح کردیا ہے کہ مذہب مرتبہ اعتقاد ہے اور اخلاق وکیرکٹر مرتبہ عمل۔

نیکی ہمیشہ نیکی سمجھ کر کی گئی ہے۔ اور خوشنودی پروردگار اوس کا انعام ہے بدیہی ہے کہ تحصیل علم علم کی خاطر ہے نہ سکالرشپ کے لئے!

مذہب اسلام نے اپنے ہی اوپر بھروسا کرنا سکھلایا ہے فقال عز وجل من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ یعنے ہر جتنا عمل کرے گا اوتنا ہی اوس کا نتیجہ حاصل کرے گا وقال لا تزر وازرۃ وزر اخرے کوئی کسی پر ہرگز بھروسا نہ کرے کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کرے گا وقال لیس للانسان الا ما سعیٰ!

مذہب اسلام نے قوای ذاتی کی ترتیب کرنے اور اون سے فائدہ اُٹھانے کی سخت تاکید کی ہے قال عز وجل ان السمع والبصر والفواد کل اولٰئک کان عنه مسئولا قوۃ سامعہ قوۃ باصرہ اور قوۃ تمیز سے اگر تم کام نہیں لوگے تو اسپر تم سے سخت مواخذہ ہوگا۔ مذہب اسلام ہمیشہ انسان کی دماغی اخلاقی اور سوشیل ترقی کا سبب ہوا ہے کیونکہ وہ ہدایات جو ان ترقیات کا باعث ہوتی ہیں اون کا ماخذ محض انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام ہیں آپ تاریخ عالم کو ملاحظہ فرمائیں۔

خاکسار

نبی بخش مولوی فاضل و منشی فاضل

یاسمین } پروفیسر میرزا محمد سعیل صاحب ایم۔ اے مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب و نتیجہ خیز ناول اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کا عرصہ سے ملک کو انتظار تھا تیار ہوگئی ہے یہ کتاب جو درحقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے۔

قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلبا کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بیساختہ داد دینی پڑتی ہے۔ یاسمین جو اس تمام قصہ کی جان اور بنگالہ کی ایک مشہور نازنین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفہ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونیکی کافی ضمانت ہے۔ قیمت عہ م

منیجر عصمت و تمدن دہلی

غم

ہستی نا یک کا جزو فرزانہ ہے تو — طرح انداز سر ہنگامۂ محفل ہے تو
بے سکوں یابِ راحت انتہائے جادۂ — گو بظاہر خستگیِ ہمت راحل ہے تو
کامرانی ہے رہینِ اضطرارِ سعیِ گرم — اضطرارِ سعیہائے گرم کا منزل ہے تو
موج کی بیتابیوں سے عقدۂ گوہر کھل گیا — نغمۂ سیالِ جیحون بر لبِ ساحل ہے تو
ہے وفورِ یاس میں پنہاں نمودِ قیسِ نجد — دردِ بیتابیِ قلبِ صاحبِ محمل ہے تو
خنجرِ تلخیِ ناکامی سے ظاہر ہیں مگر — چشمِ حق بیں میں فراغِ خاطرِ بسمل ہے تو

تھا خلش تو آدم و حوا کی مار و ملیں ہو
برہمی خلد سے تو وجہ کا آئین ہوا

شادیِ ارباب ... ہے — رونقِ عارض ہوا گیسو ہے پیچاں ہے
خندۂ گل کی پریشانی پہ ہے تا بیت شام — گل شگفتہ فسطِ شبنم نفعلاں ہے
پارہ پارہ ہے تکدر سے ... — خندۂ ال ... غنچہ ... ہے
کیونکہ لعل لب کو تو موضعِ میری وثنائی — مہر عالم ... اپنی ہستی ... ہے
رقصِ پروانہ، سرودِ خندۂ بزمِ وصال — ایک شمعِ شب نشیں ہے ... گریاں ہے
مضرابِ زخمہ سے ہے مرتعش تارِ رباب — یعنی کیفِ سازِ ہستی نازِ افغاں ہے

گل گریباں چاک ہے تو نوحہ زن بلبل بھی ہے
ملال، ہے وقارِ تاک تو مینا بھی ہے قلقل بھی ہے

اٹھ، دلا مجھے آپ پیدا سر شوریدہ کر — آپ بھی غمدیدہ ہوا اور دل کو بھی غمدیدہ کر
پھونک جا سینہ کو آپے شعلۂ آواز سے — گرمیِ ہنگامہ سے ہر قلب کو تفسیدہ کر

سُرمہ آسا اہلِ بینش کی نگاہوں میں سما ذرۂ ہستی کو اپنے اور بھی سائیدہ کر
شور پیدا کر جہاں میں نالۂ بیتاب سے زخمہائے سینہ کو اپنے نمک پاشیدہ کر
کرکے عُریاں شمعِ ہستی کو دکھا اس کا فروغ یعنے نذرِ شعلۂ غم جامۂ بوسیدہ کر
اِک زمانہ دیکھ لے رفعت تری شکلِ ہلال اور بھی اپنے تنِ کاہیدہ کو کاہیدہ کر

کارواں کی چشمِ خوابیدہ کا ہو جا ورد تو
جب وہ سرگرمِ تگاپو ہو، تو بن جا گرد تو

ساقیا پھر جلوہ پیرا ہو اسی انداز سے زندہ کر دے اہلِ محفل کو اسی اعجاز سے
طائرِ سدرہ، ہماری خستگی پر کر نظر زورِ بازو گھٹ گیا، پر رہ گئے پرواز سے
جھانک لے پھر پردۂ بے ردیائی سے ذرا پھر سکھا طرزِ فغاں چشمِ نوا پرواز سے
وہ حدی خوانی کے نغمے، وہ سرودِ رجز راہ ہوگئے بیگانہ سب اپنے شکستہ ساز سے
ہمنوا ہوں غیر کا میں بھی، بھلا ممکن کہاں جب کراہا تک نہیں جاتا یہاں آواز سے
محو کردل سے خطا دلدادگانِ حسن کی روٹھتا ہے یوں بھی کوئی عاشقِ جانباز سے

بٹ گئی غیروں میں ساری سلطنت اسلام کی
راہ ہی دیکھا کئے ہم آپ کے اکرام کی +

نیاز محمد خاں نیاز، فتحپوری

لڑکیوں کی انشاء حامیان تعلیم نسواں کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی انشا لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبد الراشد صاحب الخیری کے قلم سے نکلے لطیف زبان کے واسطے کچھ لکھنا بے سود ہے ہر خط ایسا موثر ہے کہ اس کا ایک حرف کلیجہ پر گرتا ہے قیمت ایک روپیہ۔ ناظرین عصمت و تمدن سے عہ ۸ر لئے بھیجئے
منیجر عصمت و تمدن دہلی

حارث

(۳)

نیا رفیق

(سلسلہ کے پیے سنی کا تمدن ملاحظہ ہو)

میں بھی کچھ پستہ قامت نہیں ہوں۔ درمیانہ قد والوں میں ہی کچھ اونچا ہی سمجھنا چاہیئے۔ مگر وہ تو مجھ سے بھی ایک مٹھی نکلتا ہوا تھا! میں نے جس وقت اُسکی طرف دیکھا کسقدر غور کے ساتھ دیکھا۔ تو گویا خود بخود میں سمجھنے لگا کہ اس سے بیشتر خوبصورتی اور ذہانت کو، انسان کی ظاہری شکل و شباہت میں، اس قدر خوبی کے ساتھ اکٹھا کبھی نہیں پایا! سانچے میں ڈھلا ہوا سر، ایسا سر جس سے قوت و ادراک دونوں ظاہر ہوتے تھے، بھرے بھرے شانوں کے درمیان۔ رستم جیسے شانوں کے درمیان۔ بے عیب تناسب کے ساتھ نظر آتا تھا! چہرہ بالکل کتابی: رنگ نہایت عمدہ زرد: زرد رنگ میں شعلہ کی طرح چمکنے والی سیاہ بھونرالی آنکھیں، اور ان آنکھوں میں عجیب اور غضب کی کشش کچھ مسرت اور کچھ مصیبت ملی ہوئی کشش!! مگر اس شاندار چہرہ کا دہانہ۔ ناقابل تشبیہ دہانہ انتہائے خوبصورتی کے ساتھ گولائی لیئے ہوئے، اس قدر تنگ نہیں کہ زنانہ پن کی نزاکت جھلکے۔ بلکہ مضبوطی کی استقلال، اور مردانگی کی شان والا دہانہ سچ پوچھیئے تو تمام نقشے کی جان پیا تھا۔ مجھے اچھی طرح خیال ہے کہ، اطمینان کی حالت میں - یا بالفاظ آپ جانیں بغیر کسی تصنع کے۔ اس دہانے سے ایک قسم کی درشتی، نفرت، بلکہ ظلم

ٹپکتا ہے: اور محض ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ، وہی عجیب و غریب دہانہ ایک ایسی لطافت ظاہر کرتا تھا جس کی تشبیہ کسی انسانی جذبہ سے نہیں دیجا سکتی! ایک بجلی کی چمک کی طرح، چشم زدن میں میں حیرت زدہ تھا، مبہوت تھا، سکتہ کے عالم میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ یہ چیز، یہ راز، ناقابل بیان چیز کیا ہے؟ یہ تمام اثر ڈالنے والے نیچر کے نمونے۔ اپنے نووارد دوست کے ابھرے ہوئے خد و خال میں نے پہلے ہی غور بین نظر میں معلوم کر لیے تھے، اور جس وقت میرا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے چھوٹا، تب مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں اسے اپنی مدت العمر سے جانتا ہوں اور اب، میں اور وہ، لیمپ کی تیز روشنی میں بالکل آمنے سامنے کھڑے تھے کہ یکایک مجھے پھر اپنی ظاہری حالت کا خیال آیا! تھنڈا کمرہ، انگیٹھی نام کو بھی نہیں، بے فرش کی ٹوٹی پھوٹی زمین، میرا اپنا ذلیل حیثیت کا لباس؛ اور اس کے مقابلہ میں اس کا شاندار جسم، اس کا خوبصورت چہرہ، اس کا بیش قیمت سوٹ، اور اس کا اوور کوٹ کے بٹن کھولکر ایک تحکم آمیز انداز کے ساتھ کھڑا ہونا! بس، میں کچھ شرما رہا تھا، کچھ گھبرا رہا تھا، اور اس قدر سردی میں بھی کچھ پسینے پسینے ہوا جاتا تھا!! وہ ایک خفیف مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا تھا، میری اندرونی حالت کا مطالعہ کر رہا تھا، اور آخر کار وہی پہلے بولا "میں دیکھ رہا ہوں کہ واقعی میں نہایت ناموزوں وقت آیا! بدقسمتی سے یہ میری ایک خصوصیت ہے! میں جہاں کہیں جاتا ہوں ایسے ہی وقت پہنچتا ہوں! میں جانتا ہوں، تربیت یافتہ حضرات کبھی نہیں جاتے جہاں ان کی ضرورت نہ ہو، اور اسی وجہ سے میرا خیال ہے کہ

میں آداب زندگی میں پورا نہیں ہوں! خیر۔ مہربانی فرماکر اس خط کی خاطر" یہاں اُس نے ایک خط نکال کر مجھے دیا جس کے لفافہ کی تحریر سے ہی میں نے تاڑ لیا کہ وہ معین کا تھا" میری اس بدتہذیبی کو اپنی یاد سے بُھلا دینے کی کوشش کیجیے، اور مجھے اجازت دیجیے کہ میں اتنے بیٹھ جاؤں جتنے آپ یہ خط یا میری اسناد پڑھیں!"

اُس نے ایک کرسی لی اور وہ بیٹھ گیا! مگر میں؟ اُس کے خوبصورت چہرے کو دیکھ رہا تھا! اُس کے ایک ایک انداز کو جانچ رہا تھا، اور اُس کے بے تکلفانہ برتاؤ سے اور زیادہ اُس کا مداح ہوتا جاتا تھا! "کسی قسم کے خط یا اسناد کی حاجت نہیں" میں نے اُس تمام محبت کے ساتھ جو خود بخود میرے دل میں پیدا ہوگئی تھی جواب دیا "میرے پاس ایک خط مسٹر معین کا اس سے پہلے آچکا ہے: اُس میں وہ آپ کی خوبیوں اور احسانات کو پوری طرح بیان کرچکے ہیں! سچ یہ ہے کہ۔کہ۔ واقعی۔ پرنس آپ مجھے معاف فرمائیں اگر حیرت زدہ یا گھبرایا ہوا پائیں۔ کیونکہ... کیونکہ.... میں آپ کو ایک سن رسیدہ شخص سمجھے ہوئے تھا....." بس اس سے زیادہ میں کچھ نہ کہہ سکا، کیونکہ اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں غور کے ساتھ مجھے گھور رہی تھیں!!

جناب من! آجکل کوئی بھی سن رسیدہ نہیں۔ ایک بھی نہیں!" اُس نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا "اور تو اور، اس زمانہ کے باپ دادا بھی، پچاس برس کی عمر میں اُس سے زیادہ شوخ طبع اور چنچل ہو جاتے ہیں جس قدر کہ وہ پندرہ برس کی عمر میں ہوں گے! آجکل کوئی شخص مہذب سوسائٹی میں عمر کا ذکر نہیں چھیڑ سکتا! یہ ایک بیہودہ سی بات سمجھی جاتی ہے! آپ جانتے ہیں یہ تمام باتیں ناقابل ذکر ہیں، اور عمر ایک بدنما چیز ہوگئی ہے

اس لیے اس کے ذکر سے پرہیز کرنا فیشن اور تہذیب کا فرض اعظم ہے
ہاں تو، آپ مجھے سن رسیدہ شخص سمجھے ہوئے تھے، اور واقعی میں ہوں ہی
فی الاصل، آپ کو معلوم نہیں کہ میں کس قدر زیادہ سن رسیدہ سالخوردہ ہوں؟"

میں نے اس لغو معلوم ہونے والے فقرہ پر ہنستے ہوئے کہا "کبھی نہیں! آپ مجھ سے ہی کم عمر ہیں، اور نہیں ہیں تو، کم از کم معلوم ضرور ہوتے ہیں"

"اوہ! بالکل غلط" اس نے ہنسکر جواب دیا "میری ظاہری حالت میرا طرز و انداز یہ سب باتیں آپ کو دھوکا دیتی ہیں! میں اُن چند خوبصورت ہمیشہ جوان نظر آنے والے انفاس میں سے ہوں جو اس خصوصیت کے لیے بہت مشہور ہیں! اور اصل میں جس قدر معلوم ہوتا ہوں اُس سے کہیں زیادہ سن رسیدہ ہوں! خیر، جانے دیجئے! اب آپ مہربانی فرما کر میری درخواست پوری کیجئے۔ مجھے اس وقت تک اطمینان نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ اُس خط کو پڑھ لیں!"

اس طرح درخواست کیے جانے پر، اور اس سے بھی زیادہ اپنے آپ کو خوش خلق ظاہر کرنے کے لیے۔ کیونکہ اس سے پہلے میں تمام حرکات سے نہایت گنوارپن کا اظہار کر چکا تھا۔ مجھے خواہ مخواہ خط پڑھنا ہی پڑا۔ میں نے فوراً لفافہ چاک کیا، خط کھولا، اور عجلت کے ساتھ نظر دوڑانی شروع کی! اس خط میں بھی معین نے پرنس عارث کی خوبیوں کی بہت کچھ تعریف کی تھی اور یہ بیان کیا تھا کہ وہ ایک نہایت پرانے خاندان سے ہے! اُس کے مورث شالڈیا کے شاہزادے تھے جو کچھ عرصہ بعد تاریخ میں چلے گئے تھے! پرنس عارث نے خاص مجبوریوں اور پولیٹیکل معاملات کی وجہ سے جلاوطنی اختیار کر لی ہے اور دنیا کے ایک ایک حصہ کی

سیر کرنا اپنا مقصد زندگی بنا لیا ہے! وہ بے انتہا متمول ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا گانیوالا اور شاعر بھی ہے! چونکہ وہ دنیا کے چپہ چپہ سے واقف ہے اس لیے اس کا تجربہ قابل اعتبار ہے! اسکو انسان - بلکہ تمام دنیا کی ہر شے سے پوری واقفیت ہے، اور اسی لیے اپنی وسیع معلومات کی بدولت وہ زندگی کے ہر تجربہ پر، سائنس کے ہر مسئلہ پر اعلیٰ درجہ کی گفتگو کرسکتا ہے! وغیرہ، وغیرہ! خط تو میں نے جوں توں کرکے ختم کرلیا - لیکن ایک خیال خودبخود میرے دل میں پیدا ہوگیا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معین کو کوئی دوسرا شخص لفظ بلفظ بتاتا گیا ہے اور معین محض املا کیطرح لکھتا گیا ہے - میں نہیں کہہ سکتا یہ خیال میرے دلمیں کس وجہ سے پیدا ہوا - ؟ تاہم پیدا بھی ہوا اور جاتا بھی رہا، لیکن میں نے اُسپر کوئی خاص توجہ نہیں کی! اب میں پھر چارلس کیطرف مخاطب ہوا " یہ خط - پرنس! میری ملامت اور میرے افسوس کو، دوبالا کئے دیتا ہے! کیسے سے کیسے عاجزی اور معافی کے الفاظ، اُس ناموزوں برتاؤ کو نہیں دہو سکتے جو مجھ سے ظاہر ہوا! یہ ناپاک تنگ و تاریک جگہ اس قابل نہ تھی کہ میں آپ کا خیر مقدم یہاں کرتا! واقعی میں نادم ہوں، شرمندہ ہوں، پانی پانی ہوا جاتا ہوں .... "

اُس نے ایک خفیف سی حرکت اپنے ہاتھ سے کرتے ہوئے، بات کاٹکر کہا " شرمندگی چہ معنی دارد! میرے خیال میں آپ کو فخر کرنا چاہیئے کہ آپ تمول کے بیہودہ لوازمات سے پاک و صاف ہیں! علم و فراست تنگ و تاریک جگہ میں ہی پرورش پاتے ہیں، البتہ مرتے ہیں تو محل میں مرتے ہیں! کیوں ہے نا ؟ "

میں " میرے خیال میں تو ایسا نہیں ہے! ممکن ہے کہ علم و ذکاوت کبھی

عمر بھر میں ایک دفعہ کسی محل میں جھانک آئے ہوں! لیکن اکثر۔ بلکہ ہمیشہ تو وہ فاقوں کے مارے ہی مرتے ہیں!

حارث:" درست، بالکل درست! اگر فاقوں کے مارے مرنے کے بعد وہ کتنے احمقوں کو اپنی محنت پر کھانے اور چیں کرنے کے لیے چھوڑ جاتے ہیں؟ میرے عزیز دوست اس میں بھی ایک زبردست مصلحت ہے! مرزا غالب ہمیشہ تنگی و عسرت کی وجہ سے نالاں رہے اور اسیطرح لمبے سانس کرتے چلے گئے: لیکن اب کس قدر ذلیل مطابع ایسے ہیں جو اسی شخص کی دماغی قابلیت کو۔ اس کی نظم و نثر کو۔ چھاپ کر، بلکہ غالباً غلط سلط ستیاناس کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں اور مزے اوڑاتے ہیں! یہ نیچر کا سب کو فائدہ پوہنچانے والا قاعدہ ہے: دنیا کے اعلیٰ افراد۔ وہ نہیں جن پر محض تعلیم کا پولش چڑھا ہوا ہو، بلکہ وہ جو نیچر کے فیاض ہاتھوں سے اعلیٰ درجہ کا دماغ لے کر پیدا ہوئے ہوں۔ بُرے سے بُرے احمقوں کے آرام و آسایش مہیا کرنے کے لیے خود قربان ہوتے رہا کریں"

یہانتک پوہنچکر وہ عجیب دلکش انداز کے ساتھ ہنسنے لگا!

مین:" پرنس آپ نہایت بُری طرح ہجو کرتے ہیں! میں جانتا ہوں، آپ جو کچھ فرما رہے ہیں دراصل اس کو مانتے نہ ہوں گے!"

حارث:" میں نہ مانتا ہونگا! اور وہ بھی اپنی ہی تلقین کو، اپنے ہی تجربوں کو اگر ایسا ہو تو میں پھر کس مصرف کا ہوں! یقین کیجیے میرا اعتقاد ہے کہ شیطان کو ڈراما تہ میں لیے، اس احمق دنیا کو جدہر چاہتا ہے ہنکائے لیے جاتا ہے" اس کے دہانے سے اب کسی قدر

درشتی ظاہر ہونے لگی تھی کہ اوسنے ہنسی پیدا کرتے ہوئے کہا "خیر! پند و نصائح کو چھوڑنا چاہیئے! پند و نصائح سے ہر تعلیم یافتہ شخص کو اس مہذب زمانہ میں ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے! ہر ذی فہم اسکے سننے سے نفرت کرتا ہے کہ۔ اسے کیسا ہونا چاہیئے اور کیسا نہیں ہونا چاہیئے! میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ آپ سے دوستانہ ربط وضبط پیدا کروں، بشرطیکہ آپ بھی اجازت دیں! اس لئے فضول تکلف برطرف! کیا آپ مہربانی فرماکر میرے ساتھ ہوٹل تشریف لے چلینگے، اور وہاں چلکر کھانا تناول فرمائیں گے، میں کھانیکے لئے حکم دے آیا ہوں" اُس کے حسن عجیب نے، اس کی شان وشوکت نے، اُس کے محبت آمیز بے تکلفانہ برتاؤ نے، یا کسی اور چیز نے جسکو میں نہ سمجھہ سکا ہوں۔ میں قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کس چیز نے۔ مجھے اس کا گرویدہ بنا دیا تھا: میں اپنے اور اُس کے مزاج وعادات میں بہت سی باتیں مشترک پاتا تھا! اور میں اپنے دل میں فیصلہ کرچکا تھا کہ میں اور وہ شریک زندگی بنکر نہایت خوش وخرم رہسکتے ہیں! میری ردّی حالت سے پیدا ہونیوالی شرمندگی بھی اب کسیقدر کم ہوگئی تھی، میں مطمئن تھا، اور اسکی درخواست۔ محبت آمیز درخواست پر۔ سوائے اس کے اور کچھہ نہ کہہ سکا۔" نہایت خوشی کیساتھہ! مگر۔ مگر۔ میں آپ سے کسیقدر اپنی موجودہ حالت بیان کرنی چاہتا ہوں! غالباً آپ میری نسبت میرے مہربان دوست معین الدین صاحب سے پوری طرح دریافت کرچکے ہوں گے! میں جانتا ہوں آپ شریفانہ ارادہ سے تشریف لائے ہیں اور غالباً آپ کو امید ہوگی کہ آپ ایک مفلس اور مجبور شخص سے ملینگے۔ واقعی دو گھنٹے پہلے آپ مجھے ایسا ہی پاتے لیکن اب حالت بالکل پلٹ گئی ہے! آج ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔۔؟

"۔ اور غالباً آپ کے موافق ؟" اُس نے بات کاٹ کر پوچھا!

"اِس کو آپ خود معلوم کر سکتے ہیں" جواب دیتے ہوئے میں نے وہی پچاس لاکھ کی خوشخبری کی چٹھی اُس کے ہاتھ میں دیدی! وہ پڑھنے لگا، اور ختم کرتے ہی بلا کسی حیرت و استعجاب کے بولا "اچھا تو، یہ کہیے آپ کو مبارکباد دینی چاہیے!! اور میں سچے دل کے ساتھ مبارکباد دیتا ہوں! مگر زمانہ ماننے گا۔ یہ رقم جس پر آپ قانع نظر آتے ہیں۔ میری نگاہ میں تو کچھ نہیں!!"

اُس نے ایک قہقہہ مارا، اور میں حیرت زدہ ہو گیا! پچاس لاکھ کی رقم اور نہیں کچھ! میں مبہوت تھا، میں بالکل حیرت و استعجاب کی تصویر بن گیا تھا اور میرے سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا تھا کہ میں اس کے الفاظ کو صحیح سمجھوں یا محض لاف زنی!! مگر وہ میری حالت کی پروا کیے بغیر کہے گیا "میرے عزیز دوست انسان کی ناتمامی طمع کسی طرح بجھ نہیں سکتی! اگر وہ زندگی کے ایک مشغلہ سے دلچسپی نہیں رکھتا، تو کسی دوسرے پر ضرور جان چھڑکتا ہے! اُس کے تمام مشاغل صرف فضول خرچی پر مبنی ہوتے ہیں! مثلاً عورتوں کو لیجیے! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سوسائٹی کی چند حسین اُٹھتی جوانی والیاں فیشن اور انداز کی دلدادہ محض جواہرات کے مول لینے میں آپ کے پچاس لاکھ اُڑا دیں گی! گھوڑ دوڑ اس سے بھی آسانی کے ساتھ اس رقم کو بہا سکتی ہے! نہیں، نہیں۔ میرے نقطۂ خیال سے آپ کبھی ہرگز متمول نہیں ہیں! یہ رقم ہمیشہ کے لیے آپ کو غنی اور بے فکر نہیں بنا سکتی! میری رائے میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی مستقل آمدنی ایک شخص کو اس قدر کر سکتی ہے کہ وہ محتاج خانہ سے

بچ جائے! آپ اب بھی محتاج ہیں، صرف فرق یہ ہے کہ آپ کی ضروریات پہلے کی طرح آپ کو مجبور اور پریشان نہیں کرسکتیں! اور اسی کا مجھے افسوس ہے! میں ایک خاص ارادہ سے ایک لایق شخص کی امداد اور سرپرستی کے ارادہ سے۔ آپ کے پاس آیا تھا، مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ معمول کے موافق میرے ارادہ میں ایک چیز حائل ہوگئی! یہ بھی میری ایک خاص بدقسمتی ہے! جب کبھی میں کسی خاص امداد کے ارادہ سے جاتا ہوں تو ہمیشہ تقدیر ایک نہ ایک سدِّ راہ پیدا کردیتی ہے!" ان خیالات سے عجیب فکر اور پریشانی اُس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگی؛ مگر اُس نے فوراً اپنی حالت بدلتے ہوئے کہا: "ہاں تو اب چونکہ آپ لکھتی ہیں! اور عنقریب سوسائٹی کے شیر بننے والے ہیں، اس لیے مجوزہ دعوت قابل اعتراض نہیں ہوسکتی! اور اس کے بعد میوزک ہال! فرمائیے کیا رائے ہے؟"

اُس نے عجیب محبت کے ساتھ میرے شانے پر ہاتھ مارا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میری طرف دیکھنے لگا: آہ، وہ پراثر دلکش نظریں شعلہ جیسی چمکتی ہوئی آنکھوں سے نکلنے والی نظریں۔ اور ان میں نہایت ہلکے ہلکے آنسو ڈبڈبائے ہوئے؛ کچھ نہ پوچھیے کہ ان میں کس غضب کا جادو تھا؛ درحقیقت میں اُس کشش کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، اور نہ میں نے اُس کی کوشش کی! تاہم میں نے اپنے خراب و خستہ لباس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا: "معاف فرمائیے، پرنس میں آپ کی ہمراہی کے لایق نہیں ہوں! میں اپنی ظاہرہ حالت سے ایک بازاری آوارہ گرد معلوم ہوتا ہوں؟"

"کیا واقعی آپ معلوم ہوتے ہیں!" اُس نے ہنستے ہوئے کہا "لیکن خاطر جمع رکھیئے آپ ہر رنگ میں کروسس[1] ہیں! کپڑوں کی خوبصورتی اور نت نئی تراشش کا خیال اوسط درجے کے مغرور نوجوانوں کو ہوا کرتا ہے یا سوسائٹی کی نوجوان شوخ اچھوتیاں اس پر جان دیتی ہیں اگر وزیر اعظم پر ڈھیلا ڈھالا اور بدنما کوٹ ہی کہلتا ہے! اگر تھیلی خوب بھری ہوئی ہو تو لباس چنداں قابل لحاظ نہیں! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صبح ہوتے ہی دس پانچ اخباروں میں آپ کا یکایک لکھ پتی ہو جانا شائع ہوا نہیں کہ کسی اعلیٰ درجہ کے ٹیلر نے آپکے نام سے، بالکل آپ کے اس پرانے کوٹ کی قطع پر ایک "جواں بخت سٹر فیلڈ" میلے خاکی رنگ کا ایجاد کر دیا! آپ اس کی مطلق پرواہ نہ کریں! بس اب کہانیکو زیادہ دیر ہوئی جاتی ہے! میرے ساتھ میرا اپنا باورچی ہے اور غالباً آپ اُس کے ہاتھ کا کھانا پسند کریں گے! فی الحال میں صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ خوشی کے ساتھ مجھے اپنا بنکر بنانا منظور کریں"!

یہ عنایت کچھ ایسے بے تکلفانہ لہجہ میں محبت آمیز لہجہ میں۔ کی گئی تھی کہ مجھے منظور کرتے ہی بن آئی، اس کے علاوہ میں اس کے منظور کرنے سے اکثر عارضی جھگڑوں سے سبکدوش ہوگیا! میں نے فوراً اپنے مکان والے کے نام ایک خط لکھا۔ یہ بتلانے کے لیے لکھا کہ میں اِس وقت سے مکان چھوڑتا ہوں، کرایہ واجب الادا کل بذریعہ ڈاک روانہ کروں گا! اب میں نے وہی اپنا پسندنہ کیے جانے والا ناول۔ میری دماغی محنت کا ثمر۔ اُٹھایا، اور اپنی جیب میں

[1] دوسرا صفحہ ملاحظہ ہو۔

رکھ لیا! میں نے اپنے نئے رفیق کا ہاتھ ہاتھ میں لیا، لیمپ گُل کیا اور اُس عجیب ہستی کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اپنے گوشۂ عافیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا!

مجھے قطعی خیال نہیں تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے جبکہ میں اُسی ذلیل کمرہ کی یاد میں بیتاب رہوں گا، جبکہ اُسی پریشان کرنے والی تنہائی کو دل سے ڈھونڈوں گا، جبکہ اُسی ناگفتہ بہ افلاس کی یاد میں آٹھ آٹھ آنسو روؤں گا! کاش کہ میں افلاس کو بہار آراستہ بنانے والا پاک فرشتہ سمجھتا، اسکو اُن ہی آنکھوں سے دیکھتا جن سے اب دیکھتا ہوں! کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ نیچر نے ہمارے مستقبل کو ہماری نظروں سے پوشیدہ رکھنے میں کیسی عظیم الشان حکمت سے کام لیا ہے؟ کیا ہم کو اپنے مستقبل سے آگاہی ہوتی تو ہم بُری باتوں سے بچ سکتے، اور اگر نہ بچ سکتے تو کیا زندگی وبال جان نہ ہو جاتی؟ یہ ایک نہایت اُلجھا ہوا سوال ہے جس کا جواب محض ذہانت نہیں دے سکتی! بہر حال میری اُسوقت کی ناواقفیت اپنے مستقبل سے ناواقفیت۔ میرے لیے نہایت اچھی ثابت ہوئی: کیونکہ میں خوشی خوشی اُٹھا، مسرت کے ساتھ باہر آیا، اور نہایت دلجمعی کے ساتھ۔ کیونکہ میں آنے والے زمانہ کو بہترین زمانہ سمجھ رہا تھا۔

نوٹ کروسس۔ یونان کا نہایت متمول بادشاہ گذرا ہے، یونان کا ہر شخص تمول کی وجہ سے اس کے آگے گردن جھکاتا تھا، وہ لدیا کا بادشاہ تھا اُس کا زمانہ ۵۶۰ء سے ۵۴۶ء قبل حضرت مسیح تھا۔ اور وہ اپنے تمول کے لیے قارون کی طرح مشہور ہے۔ (جوش۔)

(بقیہ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۰)

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پُرانے مسکن کو چھوڑ گیا! اس موقع کی اور کوئی بات تو مجھے یاد نہیں، البتہ اس قدر ضرور یاد ہے اور اچھی طرح یاد ہے کہ وہی گانے والا۔ نظر نہ آنے والا ہارمونیم نواز۔ پوری آواز کے ساتھ، رات کے سناٹے اور سنسان میں عجیب درد بھرے لہجہ میں گا رہا تھا:-

یاران ہمنشین ہمہ از من جدا شدند
مائیم و آستانۂ دولت پناہِ تو!!

سُلطان حیدر۔ جوش (علیگ)

ہیضہ کی شدت اور ملیریا کی کثرت نے افسوس کہ اس پرچہ کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر پیدا کی گو ابھی تک ملیریا میں کمی نہیں ہوئی لیکن امید ہے کہ اکتوبر نومبر کے رسالے آخر نومبر تک ناظرین تمدن کے ملاحظہ سے گذر جائیں گے +

میں پچھلے مہینہ میں زیادہ تر دلّی سے باہر رہا اور ابتک ہوں اس لیئے بعض ضروری خطوط کا جواب بھی خود نہ دے سکا امید ہے کہ ناظرین تمدن معاف فرمائیں گے۔ میری عدم موجودگی اور پروف ریڈر صاحب کی علالت سے اس پرچہ میں زیادہ غلطیاں رہ گئیں نامہ نگار صاحبان سے امید ہے کہ وہ مجبور سمجھکر معاف کریں۔

ایڈیٹر

سراپائے نبی کریم صلعم

کئی سال ہوئے کہ میں نے ایک طویل مسدس لکھا تھا، جس میں واقعہ جنگ بدر نظم کیا گیا تھا اسی طرح کچھ دن اور قبل ایک مسدس میں واقعہ جنگ خیبر منظوم کیا گیا تھا۔ مگر دونوں کی بحروں میں فرق تھا ایک مسدس میں سے صرف سراپا کے بند انتخاب کر کے رسالہ الناظر لکھنؤ میں شائع ہوئے تھے۔ آج دوسرے مسدس کے صرف سراپا کے بند نکال کر بذریعہ تمدن ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

تمنا

چہرہ کی آب و تاب سے ہے چاند بھی خجل — خورشید اگر ہے سر بگریباں تو منفعل
گلزار میں ہے رشک سے ہر پھول مضمحل — شمشاد ہے جو انکے قامت سے پا بگل
کیا پوچھیے کوئی عارض پُر نور شاہ کو
خورشید کو تو ہے یرقاں، برص ماہ کو

گیسو وہ مشک فام، کہ عنبر نثار ہو — لب ایسے نازنیں، کہ گل تر نثار ہو
دنداں وہ آبدار، کہ گوہر نثار ہو — عارض وہ آئینہ، کہ سکندر نثار ہو
گردن چمک رہی ہے عجب آب و تاب سے
ٹکڑے کو بھی ملائے کوئی آفتاب سے

آنکھیں بعینہ گل بادام کی طرح — گردش ہے جنکی گردش ایام کی طرح
مخمور مست بادۂ گلفام کی طرح — پھرتی ہے چار سمت نظر جام کی طرح
آنکھوں کو جام بادۂ اطہر بتاتے ہیں
ہم سے مژہ کو ہم خط ساغر بتاتے ہیں

کس منہ سے ہو بیان دہن پاک کی ثنا — جو خاص دست قدرت خالق سے ہو بنا
لازم ہے جس کے آگے قمر کو بھی انحنا — مِنْ ھَجْرِہٖ اَصَابَ بِنَا مَا اَصَابَنَا
چپ تھے تو غنچۂ نو باغ قبول تھا
جب ہنس پڑے تو نخل رسالت کا پھول تھا

پہلے تو روئے نجرت گلشن کو دیکھئے — پھر اس کے بعد چاندسی گردن کو دیکھئے
پھیلائے ہاتھ گیسوئے پُرفن کو دیکھئے — تب میرے استعارہ روشن کو دیکھئے
اک مصحف وش سامنے قرآن نکال کے
بیٹھا ہے ہاتھ گردن مینا میں ڈال کے

روشن ہے یہ کہ چاند میں ایسی چمک کہاں — کندن میں ہو دمک، مگر ایسی دمک کہاں
گوہر ہے آبدار، مگر یہ جھلک کہاں — ایسا ہوا جہان میں کوئی آج تک کہاں
لاکھ آفتاب روز جزا دوش پر نثار
سو صبح عید صبح بناگوش پر نثار

عارض میں وہ ضیا کہ ملاحت نثار تھی — گردن میں وہ صفا کہ صباحت نثار تھی
ہاتھوں میں وہ سخا کہ سخاوت نثار تھی — قامت میں وہ ادا کہ قیامت نثار تھی
کیا کوئی مثل ہو، شرف ماسبق تھے آپ
سایہ کہاں سے آئے کہ خود ظل حق تھے آپ

کرتے مصافحہ ید قدرت سے جس کا ہاتھ — جس ہاتھ میں دیا ید بیضا نے اپنا ہاتھ
چومے ہیں جسکو جن و ملائک نے ایسا ہاتھ — وہ پیاری پیاری انگلیاں اور وہ بھلا ہاتھ
ہے کفر، خاص دست خدا کیسے ہم کہیں
واقع ہے جوش عشق اگر اس سے کم کہیں

کیا پانوں ہیں کہ نور کے سانچے میں ہیں ڈھلا — ہے فرض جس کے نقش کف پا کا چومنا

جس کے قدم کے ساتھ ہی محشر لگا ہوا دھودھو کے روز پیتے ہیں اس کو ملائکہ

حیران اس کی کنہ میں ہر عقلمند ہے

اس پاؤں کا تو عرش سے پایا بلند ہے

قامت کے وصف کا جو ہوا شوق ایکبار ہم نے کیا تلمذِ شمشاد[1] اختیار

پھر بھی نہیں ملا کوئی مضمون آبدار ہاں اک مثال سرو، وہ ہے ہمکو ناگوار

تعریف ہی جو صرف زباں سے ادا ہوئی۔

اک عرصۂ سخن میں قیامت بپا ہوئی

اس حسن کا کوئی بُتِ طنازی کہاں ؟ نرگس کو آنکھیں ہیں مگر اندازی کہاں

قد سرو کو ہی چشم فسوں ساز ہے کہاں سوسن کو ہے دہن، مگر اعجاز ہی کہاں

سنبل ہے پیچ میں قدِ دلجو نہیں مجھے

شمشاد پا بگل ہے کہ گیسو نہیں سبھے

تمنّا عمادی پھلواروی

[1] یعنی حضرتِ شمشاد لکھنوی۔ فرنگی محلی مینیجر مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور، مدظلہم ۱۲۔ تمنا۔

تاریخ اسلام کا دردناک واقعہ

یعنی

ہسپانیہ سے مسلمانوں کا اخراج

تاریخ شاہد ہے کہ ہسپانیہ (اندلس) میں مسلمانوں کی کیسی شاندار اور باعظمت حکومت تھی اور انہوں نے اس ملک میں کیسے چار چاند لگا دیے تھے۔ اسلامی کارناموں کے یادگاریں اب بھی موجود ہیں اور منصف مزاج وصاحب درد سیاح ان کو دیکھ کر ضرور افسوس کرتے ہیں۔ ہر شکستہ در و دیوار سے اُس کے بانی کی اولوالعزمی اور شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اب کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ آٹھ صدیوں کی سلطنت اعمالِ بد کے ہاتھوں آناً فاناً تباہ و برباد ہو گئی اور بقول مولانا حالی ؎

اک کہانی پیرزن کی رہ گئی　　راج کسریٰ کا رہا باقی نہ پاٹ

مصری سیاح احمد زکی آفندی[1] اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے ہسپانیہ کی مردم شماری مسلمانوں کے عہد میں چار کروڑ تھی مگر اب صرف ایک کرور ستر لاکھ ہے۔ زمینیں اکثر ویران پڑی ہیں اور معاش کے وسائل

---

[1] احمد زکی نے یورپ کا سفر ۱۸۹۲ء میں کیا تھا اور یہ فاضل شخص محکمہ ترجمہ مصر کا رئیس المترجمین اور زندہ ہے اس کا سفرنامہ جس کا نام السفر الی المؤتمر ہے معلومات اور تحقیقات کا خزانہ اور زمانہ حال کے بہترین تالیفات میں سے ہے ۱۲۔

نہایت کم ہیں قلت آبادی اور کثرت ویرانی کا یہ باعث ہے کہ فلپ ثانی نے چھ لاکھ مسلمانوں کو جو سب کاشتکار تھے ایک دم سے جلا وطن کر دیا تھا اسلامی عہد کی ترقیاں عظمت وشوکت۔ نزاکت وتکلف کے جلوے اب بھی نظر آتے ہیں۔ غرناطہ کا قصر حمرا عجیب وغریب عمارت ہے اگرچہ اب اس کے کھنڈر سے باقی رہ گئے لیکن ان میں بھی جو بات ہے وہ انگلستان وفرانس کی بڑی بڑی عمارتوں میں نہیں" مصنف کے خالص الفاظ یہ ہیں:۔

ویعلم اللہ اننی ما رائیت فی طول سیاحاتی شیئاً ادق واتقن واجمل واکمل مما رائیتہ فی ھذہ المدینۃ (خدا جانتا ہے کہ میں نے اس تمام سفر میں کہیں ایسی دقیق الصنعۃ استادانہ۔ خوبصورت۔ عمدہ ترین چیزیں نہیں دیکھیں جیسے اس شہر میں دیکھیں) آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"اگرچہ عرب اس ملک میں نہیں رہے لیکن ان کی یادگاریں ہر جگہ موجود ہیں۔ ملک میں جو قوانین جاری ہیں ان میں اسلامی آثار موجود ہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کے اخلاق وعادات میں اسلامی جھلک پائی جاتی ہے۔ تمام یورپ کے برخلاف یہاں کے لوگ بیگانہ نواز مہمان پرست ہیں۔ یہ لوگ اجنبی آدمیوں کے ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آتے ہیں اور ہر کام میں اس کی اعانت کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یورپ کے دیگر ممالک اور اس ملک میں صریحی فرق محسوس ہوتا ہے"

یہ ہے اسپانیہ کی حالت ؎

دیدۂ عبرت کشا وقدرت حق را ببیں شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

تاریخوں کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴۶۹ء میں
فرڈی نینڈ و ازابیلا کی شادی ہو جانے سے کسٹیایل۔ ارگوان اور لیون
کی فوجیں ایک علم کے سایہ میں آگئیں۔ یہ دونوں تعصب کی مجسم تصویریں تھے
مسلمانوں کو قتل کرنا۔ ان کے گھروں کو لوٹ لینا عین ثواب سمجھتے تھے
ہسپانیہ کی ترقی ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ شامت
اعمال سے تخت سلطنت کمزور اور بزدل ابو عبداللہ محمد کے ہاتھ آگیا اور
اس ملک فروش کے قدم رکھتے ہی فرڈی نینڈ کے خیالات پورے
ہونے کی امید ہو گئی۔ اس بیوقوف بادشاہ نے اپنے مدبر و صلاحکار
چچا الزغل کا کہنا نہ مان کر عیسائیوں پر حملہ کیا باوجودیکہ اس کی طاقت
فرڈی نینڈ کے مقابلہ میں کمزور تھی لیکن شامت اعمال کا کیا علاج
آخر نتیجہ یہ ہوا کہ قید ہو گیا۔ فرڈی نینڈ نے یہ شرط پیش کی کہ ہمیشہ
کے واسطے ہسپانیہ کی سلطنت عیسائیوں کی خراجگذار رہے۔
ابو عبداللہ محمد کے حق میں یہ شرط بھی غنیمت تھی وہ فوراً راضی ہو گیا اور
وہی عرب جو کبھی کسی سے دبکر نہ رہتے تھے ابو عبداللہ کی ناتجربہ کاری
سے محکوم ہو گئے۔ الزغل نہایت تجربہ کار اور غیور جنرل تھا اس نے
ارادہ کیا کہ ایک دفعہ تو اور کوشش کر کے دیکھو اگر عیسائیوں پر غلبہ ہو گیا
تو سبحان اللہ ورنہ اس ذلت کی زندگی سے موت اچھی اس نے
عمدگی کے ساتھ سامان جنگ درست کیا اور ابو عبداللہ کو سمجھایا کہ بہادر
آدمی صرف ایک دفعہ ہی مرا کرتا ہے اور نامرد کے واسطے روزانہ
موت ہے۔ عیسائیوں کی کسی بات کا مت اعتبار کرو۔ آؤ ہم تم کمر ہمت
باندھکر پھر ایک دفعہ آبائی سلطنت کو عروج پر پہونچانے کی کوشش کریں

لیکن افسوس بہادر الزغل کو ابوعبداللہ نے دہوکا دیا اور بظاہر راضی ہوکر آخر کو خاموش ہوگیا۔ آخر الزغل تقدیر پر بہروسہ کرکے تنہا نکلا اور عیسائیوں سے معرکہ آرا ہوا لیکن ابوعبداللہ نے اُس کے رستہ میں رُکاوٹ پیدا کردی اور اس کا انجام یہ ہوا کہ بہادر جنرل بالکل ناکام رہا اور عیسائیوں کے قبضہ میں الورا۔ قصر نبولا۔ روندا۔ اور دوسرے شہر آگئے اور تہوڑے دنوں کے بعد مسلمانوں کے مضبوط اور مستحکم شہر لوقشہ کو بہی لے لیا اُس کے ایک سال بعد ۱۴۸۶ء میں ملاغہ پر بہی قبضہ ہوگیا۔ اب مسلمانوں کے پاس نصف ہسپانیہ سے بہی کم رہ گیا ظالم فرڈی نینڈ نے مقبوضہ شہروں کے باشندوں پر جو ظلم وستم کیے ہم اُن کو ہسپانیہ کے مورخ کانڈی کے الفاظ میں ادا کرتے ہیں وہ لکہتا ہے:۔

"عیسائیوں نے مقبوضہ شہروں کے باشندوں سے امان کا وعدہ کیا تہا مگر جب اُن پر اچہی طرح متسلط ہوگئے تو مسلمانوں کو یا تو غلام بنالیا یا جلاوطن کردیا۔ فصلیں اور پہلدار درخت برباد کیے۔ گہروں میں آگ لگادی۔ بیگناہ لوگوں کو تلوار کے گہاٹ اُتار دیا۔ مسلمانوں نے جس زمین کے واسطے اپنا خون بہایا اور ہزاروں جانیں قربان کی تہیں اُس کے ایک ایک انچہ پر ظالموں کا قبضہ ہوگیا"

رفتہ رفتہ عیسائیوں نے باقیماندہ شہروں پر بہی قبضہ کرلیا۔ بہادر الزغل افریقہ چلا گیا اور وہاں دل شکستگی کی موت مرگیا۔ ابوعبداللہ کے پاس اب صرف غرناطہ باقی رہ گیا۔ فرڈی نینڈ کی آنکہیں غرناطہ کو مسلمانوں کے پاس کہاں دیکہہ سکتی تہیں اُس نے ابوعبداللہ سے اول تو معقولیت سے



غرناطہ۔ (اہل کیسٹائل کے ظلم کے بعد)



قصر جامع العارف کی موجودہ حالت)

شہر خالی کر دینے کو کہا مگر جب ایک بہادر سردار موسےٰ کے کہنے سے اُسنے انکار کیا تو فرڈی نینڈ دس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادے لیکر آگیا۔ بہادر موسےٰ نے مقابلہ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ خوب ہی داد جوانمردی دی لیکن وہ کیا کرتا اس کے پاس نہ اس قدر سامان جنگ تھا اور نہ ایسی قوت کہ عیسائیوں کا بخوبی مقابلہ کر سکتا آخر قلعہ بند ہوگیا۔ فرڈی نینڈ نے شہر کے کل راستے مسدود کر دیئے اور محصورین کو سامان خوراک کے تکلیف ہونے لگی لیکن اُنہوں نے اس حالت کو بھی مہینوں برداشت کیا آخر جب بالکل مجبور ہو گئے تو شہر حوالہ کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ بھوک اور پیاس نے وہ کام کرایا جو عرب کبھی نہ کرتے۔ افسوس ابوعبد اللہ اگر عقلمند ہوتا تو کاہے کو مسلمانوں کی باعظمت سلطنت ملیامیٹ ہو جاتی۔

شرائط طے کرنے کے واسطے اراکین عیسائی کیمپ میں گئے اور بعد ردّ و کد بسیار یہ امور قرار پائے:-

۱۔ بادشاہ۔ وزراء۔ علماء وغیرہ فرڈی نینڈ کی اطاعت کا حلف اُٹھائینگے۔

۲۔ ابوعبداللہ محمد کو بسر اوقات کے واسطے جاگیر معقول دی جائے گی۔

۳۔ مسلمانوں کو امان دی جائے گی۔ اُن کے گھوڑوں اور ہتھیاروں کو ضبط نہ کیا جائے گا۔

۴۔ مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں کوئی رکاوٹ نہوگی۔ مساجد اور عبادت گاہیں بدستور قائم رہیں گے۔ مؤذن اذان آزادی سے دے سکیں گے۔

۵۔ مسلمان رسم و رواج۔ لباس اور زبان میں آزاد رہیں گے۔

۶۔ مسلمانوں کے مقدمات اُنہیں کے منصف فیصل کریں گے اور اگر مسلمان اور عیسائیوں میں کوئی تنازعہ ہو جائے تو دونوں فریقوں کی ایک

مشترکہ جماعت انصاف کرے گی۔
۷۔ مسلمانوں پر موجودہ ٹیکس کے علاوہ نیا ٹیکس نہ لگایا جائے گا
۸۔ کوئی عیسائی جبراً مسلمانوں کے گھروں میں نہ داخل ہوسکے گا۔
۹۔ مسلمان قیدی رہا کیے جائیں گے۔
۱۰۔ جو مسلمان افریقہ جانا چاہیں اُن کو روکا نجائے گا اور کیٹل جہازات صرف کرایہ لیکر منزل مقصود تک پہونچادیں گے۔ اگر مقررہ میعاد کے اندر کوئی مسلمان بچ جائے تو جہاز کا کرایہ بعد وضع عشر واپس کردیا جائے گا +
۱۱۔ کسی شخص کو بغیر ثبوت جرم سزا نہ دی جائے گی +
۱۲۔ جو عیسائی مرد یا عورت مسلمان ہوجائے اسکو جبراً سابقہ مذہب میں نہ لایا جائے گا +
۱۳۔ اگر کوئی مسلمان عیسائی ہونا چاہے تو اسکو غور کرنے کے لیے چند دنوں کا موقع دیا جائے گا۔ مقررہ مدت کے بعد عیسائی اور مسلمان منصف پھر اس سے دریافت کریں گے اسپر بھی اگر وہ راضی ہوگا تو اختیار دیا جائے گا +
۱۴۔ کوئی مسلمان اگر عیسائیوں میں رہنا چاہے تو ہر طرح اس کی حفاظت کی جائے گی +
۱۵۔ مسلمانوں پر یہودیوں کی طرح کوئی نشان تمیز نہ لگایا جائے گا۔
دیکھنے میں یہ شرائط کیسے دل خوش کن ہیں لیکن جس طرح یورپ اب تک اپنی پالیسی پر عمل کرتا ہے ویسا ہی اس زمانہ میں بھی تھا۔ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔

اسس عہدنامہ کو دیکھکر بہادر موسیٰ نے پہر بہی مخالفت کی اور کہا عیسائیوں کے وعدونپر بجا ؤ وہ کبھی اُن کی پابندی نہ کریں گے۔ اس سے بہتر ہے کہ مرجاؤ دین و دنیا دونوں اچھے ہو جائیں گے ورنہ یہ بدکردار تمہاری عورتوں کی عصمت بگاڑیں گے اور تمہیں ذلیل و رسوا کریں گے +

لیکن اس مخالفت کا کچھ اثر نہ ہوا- آخر اسس جوانمرد نے مایوس ہو کر سب لوگوں کو نفرت کی نظر سے دیکھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر عیسائی کیمپ کی جانب چلا گیا- لیکن پہر کبھی نہ آیا- وہ مرنے کے واسطے گیا تہا اور آخر ایسی موت مرا جو حیات جاودانی کہلاتی ہے- خود عیسائی مورخ کانڈی- (دہسپانوی) اسس کا ذکر فخریہ الفاظ میں کرتا ہے- موسےٰ نے بہت سے عیسائیوں کو مارا اور جب زخموں میں چور ہوگیا اور گھوڑا بہی مارا گیا تو وہ تلوار لیکر گھٹنوں کے بل کہڑا ہوگیا- عیسائیوں نے اس بہادری اور شجاعت کو دیکھکر جان بخشی کا وعدہ کیا مگر وہ ایسی زندگی کو موت سے بدتر سمجھتا تہا- لڑتے لڑتے جب جاں بلب ہوگیا تو اس خیال سے کہ اسکی لاش کی بیحرمتی ہوا اپنے آپ کو دریائے زنیل میں گرا دیا- زرہ جو پہنے ہوئے تہا بہاری تہی- گرتے ہی تہ میں بیٹھ گیا- لیکن شہرت جوانمردی کی آسمان پر دوامی طور پر چمکنے لگا +

آخر ۲ جنوری ۱۴۹۲ء کا دن آیا کیسی منحوس گہڑی تہی کہ غرناطہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا- ہلال کی بجائے صلیب کا پرچم لہرانے لگا گویا یہ نشان تہا اسبات کا کہ ہسپانیہ کی ترقی کا آفتاب گمنامی کے پردہ میں ہمیشہ کے واسطے جا چہپا +

ابوعبداللہ کو اندازہ میں جاگیر دی گئی اور جب وہ اپنی سلطنت سے

ہاتھ دہوکر جا رہا تھا تو غرناطہ کو دیکھکر خوب رویا - آہ - اُس کے بزرگوں کی کمائی آٹھ سو برس کی حماقت کے ہاتھوں جاتی رہی - اُس وقت با جبروت موسےٰ بن نصیر - طارق ابن زیاد - عبدالرحمن اول - عبدالرحمن دوم عبدالرحمن سوئم کی روحوں پر کیا صدمہ ہوگا جنھوں نے پانی کی جگہ خون بہاکر توحید کا ڈنکہ بجایا تھا اور ہر وقت کہہ اُٹھتے ہیں ؎

موقع پہ منہ کو موڑیں ایسے جوان نہیں ہم — زنار سے غرض کیا محو بتاں نہیں ہم
حق بات کیوں نہ کہدیں کچھ بے زباں نہیں ہم — باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کرچکا ہے تو امتحاں ہمارا

ابو عبداللہ کو اندرہ میں بھی فرڈی نینڈ نے چین نہ لینے دیا اور افریقہ کی جانب جلاوطن کردیا آخر وہ سنہ ۱۵۳۸ء میں مرگیا - اُس کی اولاد کا یہ حشر ہوا کہ نان شبینہ تک کو محتاج ہوگئی -

معاہدہ کی شرائط پر ایماندار و منصف مزاج فرڈی نینڈ نے کچھ توجہ نہ کی اور بہادر موسےٰ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی - سب سے پہلے اُس نے یہودیوں کو دق کرنا شروع کیا اس قوم کے دولت پر اس کی نظر تھی اور سنہ ۱۴۹۲ء میں ایک حکم جاری کیا کہ یہودی یا تو عیسائی ہو جائیں ورنہ جلاوطن کردیے جائیں گے - چنانچہ ان غریبوں کو خلاف ورزی میں زندہ جلایا گیا - سولی دی گئی اور تمام مال و اسباب ضبط کرکے جلاوطن کیا گیا یہودیوں کے بعد مسلمانوں کی باری تھی اُن پر بھی ہر طرح کی سختی کی گئی بہتوں کو جبراً اصطباغ دیا گیا - جب یہ حالت ناممکن البرداشت ہوگئی تو مسلمان بغاوت پر آمادہ ہوگئے لیکن حکومت کے مقابلہ میں رعایا کی بغاوت کبھی سرسبز نہیں ہوتی چنانچہ پہلے سے زیادہ ایذا دہی اور حضرت مسیح کے

خاص الخاص معتقدین عیسائیوں سے نے سختی کرنی شروع کی اور جو حکم یہودیوں کو دیا گیا تھا کہ یا تو مذہب ترک کریں ورنہ جلا وطن ہو جائیں وہی ان کو بھی دیا گیا بعض بمجبوری عیسائی ہو گئے اور کثیر حصہ سپانیہ سے چلا گیا۔ عیسائیوں نے ایک مسجد کہ جہاں مسلمان مرد اور عورتیں جمع تھے بارود سے اڑا دیا۔

سنہ ۱۵۰۱ء میں مسلمانوں نے بھی بغاوت کی اور ایسا مقابلہ کیا کہ جبل بلانسا کے قریب عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی اس محاربہ سے یہ فائدہ ہوا کہ باقی ماندہ مسلمانوں کو مراکش۔ مصر و مملکت عثمانیہ جانیکا موقع مل گیا۔ لیکن ان کا مال و اسباب وغیرہ سب کا سب عیسائیوں نے ضبط کر لیا۔

فرڈی نینڈ کے مظالم نے کل سپانیہ سے اپنے نزدیک مسلمانوں کو خارج کر دیا اور اب جہاں نظر جاتی تھی یا تو عیسائی نظر آتے تھے یا وہ مسلمان جو جبراً عیسائی بنائے گئے تھے لیکن یہ جبری عیسائی بظاہر تو دین عیسوی کے پیرو تھے لیکن باطن میں اسلام کی عظمت کو لیے ہوئے تھے۔ چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے اور ارکان اسلام کو بجا لاتے تھے فرڈی نینڈ اگر عقلمند ہوتا تو وہ ہرگز مسلمانوں پر اس قدر ظلم روا نہ رکھتا اور ان شرائط کی پابندی کرتا جو غرناطہ لیتے وقت مسلمانوں سے کی تھیں۔ ان مظالم کا یہ نتیجہ ہوا کہ حکومت کو ہر وقت بغاوت کا خدشہ لگا رہتا تھا اور غرناطہ۔ قرطبہ۔ سیویل میں ہمیشہ آگ کے شعلے بلند رہتے تھے۔ عیسائیوں کو اگر کسی شخص کی بابت ذرا بھی شبہ ہوتا تھا تو وہ اس آگ میں زندہ جلایا جاتا تھا۔ ملک میں عام حکم تھا کہ کوئی عیسائی شدہ مسلمان کسی قسم کا ہتھیار لینے چاقو تک بھی نہ رکھے +

۱۵۶۶ء میں فلپ ثانی تخت حکومت پر بیٹھا اس کے وقت میں غرناطہ کی بشپ نے ایک فرمان صادر کیا کہ ایکدن کے اندر تمام عیسائی شدہ مسلمان اپنی زبان۔ رسوم۔ اطوار غرضیکہ ہر ایک بات کو ترک کردیں! انصاف چاہیئے کہ عیسائیوں نے کیسی کیسی تکلیفیں ان غریبوں کو پہونچائیں اور اب یہ حکم ان کے واسطے کیسا شدید تریں تہا۔ تنگ آکر ان لوگوں نے پہر بغاوت کی تو عیسائیوں کو پورے طور پر معلوم ہوگیا کہ یہ دل سے نہیں ہوتے اب کیا تہا اس وقت۔ بہانہ شقاوت کرنے کے واسطے کافی تھا۔ چنانچہ ہسپانوی جنرل ڈان جان نے تین سال کے اندر کل بغاوت کو فرو کردیا۔ یا دوسرے لفظوں میں کل مسلمانوں کا نام مٹا دیا۔ مردوں عورتوں اور بچوں کو بے دریغ تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ گانوں اور شہر لاشوں سے پٹ گئے۔ جن غریبوں نے غاروں میں پناہ لی اُن کو دہوئیں سے ہلاک کردیا۔

۱۶۱۱ء میں فلپ ثالث نے اس سے بڑہ کر ظلم کیا کہ ان لوگوں کو جو مسلمانوں سے ذرا بہی مشابہ تہے جلا وطن کردیا۔ غرض غرناطہ کی فتح سے لیکر فلپ ثالث کے عہد تک تیس لاکہ آدمی ہسپانیہ سے خارج کیے گئے۔

ہسپانیہ کو مسلمانوں نے گاتہہ کی عملوں سے نجات دلاکر ایک امن و امان کی سلطنت بنادیا تہا اور وہاں کے باشندوں کو جو عیسائی تہے اسقدر آزادی دی تہی کہ وہ ہر حالت میں مسلمانوں کے برابر تہے۔ علم و تہذیب کو چاروں پہیلا دیا تہا لیکن ان سب باتوں کا بدلہ یہ ملا کہ خود مسلمانوں کا بیخ و بن سے عیسائیوں نے اخراج کردیا۔ دنیا میں محسن کے سامنے ہر شخص گردن جہکا دیتا ہے لیکن عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتہہ یہ بدلہ احسان کا دیا کہ آگ میں جلایا۔ بچوں کو قتل کیا۔ مسجدوں کو مسمار کردیا۔ جبراً عیسائی کیا۔ غرض وہ کیسا

جو اُن سے ہوسکتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن اس قدر اور کہنا چاہیئے کہ جب کوئی قوم معبود حقیقی کے احکام کے خلاف کرتی ہے تو ضرور اسپر غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ ضرور بالضرور ہسپانیہ کے مسلمانوں سے ایسے امور سرزد ہوئے جن کے وجہہ سے اُن کا ہلاک کرنا مشیت الٰہی کو منظور ہوا۔ لیکن عیسائی بھی اپنے مظالم کے سبب کچھ نفع میں نہیں رہے۔ ہسپانیہ ویران ہوگیا۔ تجارت و حرفت برباد ہوگئے۔ خوبصورت شہر کھنڈر بن گئے عظیم الشان و مرتفع عمارتیں مٹی کے ڈھیر نظر آنے لگے۔ باغات جنہیں جناں کا دھوکا ہوتا تھا وحوش و طیور کے مسکن ہوگئے جہالت و عیاشی کا دور دورہ ہوگیا اور وہی ہسپانیہ جس کا نام دنیا میں آفتاب، عالمتاب کی طرح روشن تھا دفعتاً دنیا سے ایسا غائب ہوا گویا کبھی تھا ہی نہیں۔

موجودہ سلطنت اُسی برباد شدہ ہسپانیہ کی یادگار ہے اور احمد زکی نے اُس کی حالت اپنے سفرنامہ میں خود بیان کردی ہے۔ قصر جامع العارف قصر الحمرا از غرناطہ۔ قرطبہ وغیرہ جو عجائبات عالم میں شمار ہوتی تھی اب اُن کے حالت جیسی متبذل ہے وہ تصویروں سے ظاہر ہے۔ جامع العارف کی صرف ایک بارہ دری رہ گئی ہے اور غرناطہ کی چہار دیواری۔ آبادی لاکھوں سے ہزاروں تک محدود ہوگئی ہمیشہ ہے نام اللہ کا۔

مسلی کے جانیوالو سسلی میں جب گذرنا سونی عمارتوں سے حالت ہماری پوچھو
یہ بھی پوچھ لینا اسپین سے جو پلٹو اے گلستان اندلس وہ دن ہیں یاد تجھکو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

محمد شفیع الدین خاں مرادآبادی

جلوۂ دربارِ دہلی

جو آنکھ ۱۹۰۳ء میں چشمِ اکبر سے جلوۂ دربارِ دہلی دیکھ چکی تھی، وہ اس تلاش میں تھی کہ ۱۹۱۱ء کا دربارِ دہلی بھی اوسی آنکھ سے دیکھے مگر اوس کی یہ حسرت کسی ادبی رسالہ سے پوری نہیں ہوئی، نا امید ہو کر اوسے الٰہ آباد جانا پڑا، اور وہاں لسان الملک حضرت اکبر کی نظرِ عنایت سے اسکی یہ آرزو پوری ہوئی اس خیال سے کہ بہت سی مشتاق آنکھیں اس جلوہ کے دیکھنے کی متمنی ہونگی ہم تمدن کے ذریعہ سے اسے پیش کرتے ہیں۔

اس جلوہ کے دو رُخ ہیں اور دونوں اپنی نوعیت کے لحاظ سے لاجواب اور فقید المثال ہیں۔ سچ یہ ہے کہ دربارِ دہلی کے متعلق جس قدر نظمیں ملکی ادبی رسائل میں آجتک شائع ہوئیں وہ جذباتِ اکبر کا مقابلہ نہیں کرسکتیں یقین نہو تو ملاحظہ فرمائیے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

شاہ دلگیر اکبر آبادی

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار — حکمِ حاکم سے ہوا تھا اجتماعِ انتشار
آدمی اور جانور اور گھر مزیّن اور مشین — پھول اور سبزہ، چمک اور روشنی، ریل اور تار
کیروسین اور برق اور پٹرول اور تارپین — موٹر اور ایروپلین اور جھمگٹے اور قطار
مشرقی تپلون میں تھی خدمتگزاری کی اُمنگ — مغربی لوگوں سے شانِ خودپسندی آشکار
شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ قیصرا — زینت و دولت کی دیوی ایمپرس عالی تبار
بحرِ ہستی لے رہا تھا بے دریغ انگڑائیاں — ٹیمز کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہم کنار

انقلابِ دہر کے رنگین نقشے پیش تھے — تھی پئے اہلِ بصیرت تازہ عبرت ہر بہار
قدرتِ دیرینۂ فلک نے انہیں تھی تماشا دیکھنے — چشمِ حیرت بن گئی تھی گردشِ لیل و نہار
مصلحت آمیز ہر طرز و طریقِ انتظام — حکمت آگیں ہر ادائے حاکمانِ نامدار
جامہ سے باہر نگاہِ نازِ نستاجانِ ہند — حدِ قانونی کے اندر آنریبلوں کی قطار
خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا — فکرِ ذاتی میں خیالِ قوم غائب فی المزار
دعوتیں، انعام، اسپیچیں، قواعد، فوج کیمپ — عزتیں، خوشیاں، امیدیں، احتیاطیں، اعتبار

پیش رو شاہی تھی پھر ہز ہائنس پھر اہلِ جاہ
بعد اس کے شیخ صاحب، اُنکے پیچھے خاکسار

لندن سے دہلی آئے ہیں دس یوم کے لیے — یہ زحمتیں اٹھائیں فقط قوم کے لیے
دیکھو حضور جارج ہیں کیسے خدا پرست — گرجا میں سر جھکا ہے دسمبر ہو یا اگست
رکھتا نہیں نماز سے تو اپنے دل کو گرم — اے مدعیِ دینِ خدا شرم! شرم! شرم!
بابو گریجوایٹ ہیں تو کالی کیا تہ ہیں — اِک آپ ہیں کہ ہوٹلوں والی کے ساتھ ہیں
پڑھتا رہا جو طاعت و مسجد سے یونہی بیر — کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہونگے جز و غیر
کہتے ہو تم جو وی تو اونہیں آتی ہے ہنسی — یعنے زبانِ شوق غلط لفظ میں پھنسی
وی کا پتہ کہاں ہے وہ کہتے ہیں کون ہیں — مرکز ہے ہیں جدا نہ سوا ہیں نہ بیرون ہیں
آنر کے ساتھ نامِ گرامی بھی لکھ گیا — لیکن اِدھر سے خطِ غلامی بھی لکھ گیا
ہم تم ہیں بے خیال نہ اب کانشنس ہے — ارشاد ہو غلط ہی تو اسکا ڈفینس ہے
گر اب تو قرآن ہی کا ہے — قانونِ بے مثال تو رحمٰن ہی کا ہے
وقعت تمھاری شاہ کی منزل میں کچھ نہیں — کاغذ پہ اعتراف مگر دل میں کچھ نہیں
نقلی کمیٹیوں میں نہ دل ہے نہ دین ہے — یہ پانیر پری کی فقط اک مشین ہے
اک دل لگی ہے کانگریس ہو یا کہ لیگ ہو — ذاتی ہے اک نمود جو کوئی علیگ ہو

طاعت سے نیکیاں ہیں تو نیکی سے عزتیں
شبہے کی کوئی بات نہیں اس اصول میں

وقعت مگر محال ہے مسجد کو چھوڑ کر
ممکن نہیں کہ پتے پہل جڑ کو توڑ کر

اک برگ گل کہیگا کہ ہم گل کے جزو ہیں
تم خود کو کیا کہوگے کہ کس کل کے جزو ہیں

لاٹھی پہلی ملی ہوا گر اوس کی رگ سے رگ
بے کار توپ جس کے ہوں پرزے الگ الگ

پھل پھول پتیوں پہ ہے تیری نظر نثار
جڑ پر نظر نہیں ہے کہ جسکی ہے سب بہار

گھر چھوڑ چھاڑ کر جو بغل چاپ بن گئے
کانٹوں میں اب بیٹھو کہ تم چاپ بن گئے

مانوں گا میں یہ بات کہ مجبوریاں بھی ہیں
پر بالارادہ دین سے کچھ دوریاں بھی ہیں

کلفت اسکی مجھکو ہے ہر آن و ہر نفس
لاکھوں کی سد راہ ہے دس بیس کی ہوس

گو اپنے ساتھ آپ کا اترانہ لے گیا
اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا

عاصی ہوں میں فقط یہ تقاضائے میوز[1] ہے
یاروں سے التجائے پلیز ایکسکیوز ہے

۱؎ میوز فن کی دیوی جسکو ہمارے شاعر روح القدس کہتے ہیں۔ ۱۲ دلگیر

فلسفہ بصر

قوۃ باصرہ کی نسبت حکماے یونان کا قول ہے کہ مقدم دماغ میں دو عصبے اس قوۃ کے حائل ہیں ان میں سے ایک عصبہ مقدم دماغ کے جانب یمین سے نکلتا ہے اور دوسرا جانب یسار سے دونوں آگے چل کر بطور تقاطع صلیبی کے متحد ہو کر متفرق ہو جاتے ہیں اور داہنی طرف کی نلکی (عصبہ) داہنی آنکھ سے اور بائیں جانب کی بائیں آنکھ سے ملحق ہو جاتی ہے۔ جس جگہ یہ دونوں عصبے ملتے ہیں اوس جگہ کو حکما کی اصطلاح میں مجمع النورین سے تعبیر کرتے ہیں۔

قوت باصرہ کی وجود کے متعلق تو تمام حکمار کا اتفاق ہے لیکن طریق ابصار (دیکھنے) میں قریب قریب سب کی رائیں جدا جدا ہیں اور کثرت اختلاف سے یہ مسئلہ اسقدر اہم ہو گیا ہے کہ کسی خاص مذہب کی نسبت کسی قسم کا فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے اور اسی وجہ سے عامۂ فلاسفہ کا مطمح نظر رہا اور ہر ایک نے اپنے خیال کے موافق بحث کی ہے باایں ہمہ اسوقت تک اسکی گتھی نہ سلجھی اور جو جو دشواریاں پہلے ہر ہر قدم پر سنگ راہ ہوتی تھیں وہی اب بھی موجود ہیں۔

اس موجودہ زمانہ میں بھی جبکہ سائنس کے ناطق فیصلوں نے اکثر مسائل فلسفہ کے اختلافات مٹا دئے ہیں اور اس مسئلہ کے متعلق بھی چند خاص اصول مان لیے گئے ہیں تاہم اگر غائر نظر سے کام لیا جائے تو اب بھی اس مسئلہ کی حالت عہد پارینہ کی طرح پیچیدہ ملیگی۔

کثرت اختلاف نے اس بحث سے متعلق بہت سے مذاہب پیدا کر دے ہیں جنکی نسبت بادی النظر میں صحیح ہونے کا شبہہ ہوتا ہے مگر جو فروغ ذیل کے مذہبونکو

ہوا وہ آج تک کسی مذہب کو نصیب نہیں۔

۱ منطبعین کا مذہب

۲ ریاضیین کا مذہب۔

۳ شیخ الاشراق کا مذہب۔

پہلا مذہب ارسطو اور اوسکے تبعین کا ہے اون کا خیال ہے کہ آنکھہ کے سات طبقے اور تین رطوبتین اس ترتیب سے ہیں۔

۱	طبقہ صلیبیہ	۲	طبقہ مشیمیہ
۳	طبقہ شبکیہ	۴	رطوبت زجاجیہ
۵	رطوبت جلیدیہ	۶	طبقہ عنکبوتیہ
۷	رطوبت بیضیہ	۸	طبقہ عنبیہ
۹	طبقہ قرنیہ	۱۰	طبقہ ملتحمہ

جب آدمی یا کوئی دوسرا ذی روح کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اوسکی شبیح (ہیئت کذائی) رطوبت جلیدیہ کے ایک منجمد نورانی جزو میں ہوا ے شفاف کے ذریعہ سے مرتسم ہوتی ہے اور وہاں سے منتقل ہوکر مجمع النورین سے گزرتی ہوئی حس مشترک یعنی نفس کے سامنے اس غرض سے پہونچتی ہے کہ نفس اوسکا ادراک کرلے۔

منطبعین پر انطباع مرئی کے قائل ہوجانیسے اعتراض ہوتا تھا کہ علم البصر کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ دونوں آنکھوں میں سات سات طبقے اور تین تین رطوبتین ہیں اسلیے ہر ایک مرئی کی دو صورتین دونو جلیدیوں میں مرتسم ہوکر جب نفس کے سامنے پہونچینگی تو اونکا ادراک بھی متعدد ہوگا۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے ہر شخص کو ایک مرئی کا دو نظر آنا ضروری ہوا۔

اسی لیے ارسطو کے پیروؤں نے اس اعتراض سے بچنے کے لیے اپنے دعوے کے ساتھ اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے کے لیے صرف اوسکی صورت کا مرتسم ہو جانا کافی نہیں بلکہ مرئی کی دونوں صورتیں مجمع النورین میں متحد ہو کر حس مشترک میں جاتی ہیں تا کہ نفس کو ایک چیز کا ایک حالت میں ایک ہی ادراک ہو۔

مگر فہم سلیم کب اسکو تسلیم کر سکتا ہے کیونکہ اس حالت میں ایک یہہ سوال ہوتا ہے کہ مجمع النورین میں جلید تین سے منتقل ہو کر آنے والی صورتوں کا اتحاد کیونکر ہوگا۔

میرے خیال میں غالباً اس کے دو طریقے ہیں:۔

(۱) دونوں صورتوں میں تداخل ہو جائے ÷

(۲) دونوں صورتیں آپس میں ٹکرانے سے منکسر ہو کر پھر متحد ہو جائیں

یہ بالکل مسلم ہے کہ جو صورتیں ذہن میں داخل ہوتی ہیں اونکو خارجی صورتوں سے گو نہ تعلق ہوتا ہے بلکہ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ صورۃ ذہنیہ صورت خارجیہ کا فوٹو ہوتی ہے۔

تداخل دو مجرد چیزوں میں کچھ دیر کے لیے درست فرض کر لیا جائے لیکن صورت ذہنیہ میں تداخل ماننے سے بہت سی مشکلات سدراہ ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دونوں جلیدیوں میں جو صورتیں منطبع ہوتی ہیں وہ طولاً اور عرضاً مساوی ہوا کرتی ہیں۔ اور یہ بھی بالکل درست ہے کہ جو صورت جلیدیہ سے منتقل ہو کر نفس کے سامنے پہونچتی ہے وہ جلیدیہ کی صورت منطبعہ کے بالکل موافق ہوتی ہے۔

اگر ہم یہ فرض کریں کہ ایک ہی صورت اوراک نفس کو کافی نہیں ہو سکتی ہے

تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اگر ایک آنکھ بند کرکے ہم کسی چیز کو دیکھیں تو وہ اصل مقدار سے چھوٹی نظر آئے +

اسیطرح اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ جو شے ایک آنکھ سے دیکھنے میں اپنی اصلی مقدار میں دکھائی دیتی ہے وہ دوسرے جلیدیہ کی منطبعہ صورت کی معاونت سے اصل مقدار سے بڑی نظر آئے۔

جب اسکا فیصلہ ہوگیا کہ صورت ہر حالت میں اپنی اصلی مقدار سے کم و بیش نہیں ہوسکتی تو وہی سوال پیدا ہوتا ہے جسے ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ اُن دونوں صورتوں کے اتحاد کی کیا سبیل ہوگی جو جلیدتین سے منتقل ہوکر مجمع النورین میں پہونچتے ہیں۔

تداخل ماننے میں یہ لازمی بلکہ بدیہی طور پر ثابت ہوگا کہ تداخل ہوجانے پر متداخل فیہ کا حجم اپنی اصلی مقدار سے بڑھ جائے کیونکہ اوسی مقدار کی ایک چیز اوس کے حجم میں سما چکی ہے حالانکہ یہ ہمارے مشاہدے کے بالکل خلاف ہے اس لیے کہ حس منظر کا ہم ایک آنکھ سے طولاً و عرضاً اندازہ کرسکتے ہیں اوس میں تداخل ماننے پر بھی کچھ اضافہ نہیں ہوتا اور جو چیز ایک آنکھ سے دیکھنے پر جتنی بڑی نظر آتی تھی دونوں آنکھوں سے دیکھنے پر بھی اوتنی ہی دکھائی دیتی ہے +

تکاسر کی حالت میں جو صورت نفس کے سامنے پہونچیگی وہ جلیدیہ کی مرتسمہ صورت نہ ہوگی کیونکہ وہ صورتیں مجمع النورین میں ٹوٹ پھوٹ کر ایک نئی صورت بن گئی ہیں۔

منطبعین نے اپنے دعوے پر حسب ذیل استدلالات سے کام لیا ہے

پہلا استدلال کہ تم کو اتفاق ہوا ہوگا کہ جب تم نے آفتاب کے منور چہرے کو

دیر تک دیکھنے کے بعد اوسکی پرنور شعاعوں کی حدت کے مقابلہ سے عاجز ہو کر آنکھیں بند کر لیں تو تمھیں یہی محسوس ہوا ہوگا کہ ہم آفتاب کے چمکیلے چہرے کی اب بھی زیارت کر رہے ہیں۔ اسی طرح جب سبز رنگ والی چیز یا کسی اور قسم کی رنگین شے دیر تک بغور دیکھنے کے بعد آنکھ بند کی ہوگی تب بھی تمھیں سبز رنگ یا سبزی مائل اور کوئی سا رنگ دکھائی دیتا رہا ہوگا

آنکھ بند کر لینے کے بعد جبکہ شعاع بصری کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہو کسی ایسی چیز کا نظر آنا جو دیکھی ہوئی چیز سے بالکل ملتی جلتی ہو اسکی دلیل ہے کہ وہ صورت تمھارے جلیدیہ میں مرتسم ہوئی تھی جسکا ادراک ابتک نفس کر رہا ہے سلہ

سلہ مناقشین اسکا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ تم جس رنگ یا افتاب کی صورت آنکھ بند کر لینے کے بعد بھی دیکھتے ہو وہ باصرہ سے زائل ہو کر خیال میں ہو نچ جاتی ہے تمھیں مشاہدہ کا اسلیے دہوکا ہوتا ہے کہ نفس کی توجہ اوس مرئی سے ابھی ابھی زائل ہوئی ہے۔

منطبعین نے اسکا ایک نہایت عامیانہ جواب دیتے ہوئے تخیل اور مشاہدہ میں فرق محسوس کرانے کی کوشش کی ہے لیکن اونھوں نے ابھی اسطرف توجہ نہیں کی کہ مشاہدہ کے شرائط کیا ہیں اور اس صورت میں کن کن شرطوں کو ہم دکھلا سکتے ہیں۔ مشاہدہ کی سب سے بڑی شرط یہ ہے

۱ رائی اور مرئی میں مقابلہ ہو

۲ دونوں کے درمیان میں کوئی حجاب نہو

حالت اغماض میں گو پہلی شرط پائی جا سکتی ہے لیکن دوسری شرط نہیں باقی رہتی۔ پلکیں ایسی حاجب ہیں جو اپنے نہایت باریک اور نرم پردہ ہونے پر بھی آنکھوں کو دنیا کے دلچسپ مناظر سے محروم کر دیتی ہیں۔

مناقشین کے ایک گروہ نے اس استدلال کا ایک اور بھی جواب دیا ہے جو پہلے جواب سے بھی قوی ہے کہ جس صورت کو تم حالت اغماض میں مشاہدہ کرتے ہو وہ حس مشترک میں نفس کے سامنے

دوسرا استدلال } جب مرئی آنکھوں سے بہت ہی قریب ہو جاتی ہے تو وہ اپنی اصلی حالت پر اسلئے نہیں دکھائی دیتی کہ آنکھ سے جو مخروطی شکل میں ایک نورانی و وہمی زاویہ نکلتا ہے اور جسکا سر اجلیدیہ سے اور قاعدہ مرئی سے ملحق ہوتا ہے اوسکی ساقیں زیادہ قریب ہونیکے سبب سے بہت چھوٹی ہو جاتی ہیں اور زاویہ موٹا ہوتا جاتا ہے چنانچہ چھوٹی چیزیں تو نظر ہی نہیں آتیں اسی طرح جب مرئی بہت زیادہ فاصلہ پر ہوتی ہے تو اپنی اصلی مقدار سے چھوٹی نظر آتی ہے کیونکہ زاویہ ساقوں کے بڑھ جانے سے چھوٹا پڑ جاتا ہے چنانچہ مرئی کی صورت چھوٹے زاویہ میں مرتسم ہونے سے چھوٹی نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب مرئی حد اعتدال سے زیادہ فاصلہ پر ہوتی ہے تو وہ نقطہ کی شکل میں نظر آتی ہے اور اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہوتا ہے تو مرئی کی شکل جو اسوقت نقطہ نظر آرہی ہے بالکل نگاہوں سے پنہاں ہوتی جاتی ہے [۱]

تیسرا استدلال - } یہ تو بالکل مسلم ہے کہ اور حواس ظاہرہ کی طرح قوت باصرہ بھی ایک حاسہ ہے انسان یا کوئی دوسرا ذی روح جسطرح اور حواس سے مستغنی نہیں ہو سکتا اسی طرح باصرہ سے بھی بے پروائی نہیں کر سکتا - اور جس طرح اور حاسوں

[۱] یہ استدلال اوسوقت قائم رہ سکتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مرئی کے انطباع صورت کے ذریعہ زاویہ کی ساقیں ہیں اور اگر بصارت کا ذریعہ ساقوں کا قاعدہ قرار دیا جائے تو یہ استدلال کمزور پڑ جاتا ہے -

مناقشین اس استدلال کی تردید میں کہتے ہیں کہ پہلی صورت میں منطبعیں اس دلیل پر ناز نہیں کر سکتے کیونکہ ریاضیین جو خروج شعاع کے قائل ہیں اسی قسم کے استدلال ان سے پہلے پیش کر چکے ہیں اس سے بھی قطع نظر کر لیجئے تو یہ بات ظاہر ہے کہ پہاڑ کی صورت چھوٹے سے زاویہ میں مرتسم ہو جاتی ہے جو منطبعیں کے اس استدلال کے بالکل منافی ہے -

کوی چیز نکل کر محسوس تک نہیں پہونچتی ہے جو اوس سے متصل ہوکر ذریعۂ احساس بن سکے بلکہ محسوس خود حاسّہ تک پہونچ کر مل جاتا ہے اسیطرح آنکھ سے بھی کوئی چیز خارج نہیں ہوتی۔ بلکہ مرئی کی صورت جلیدیہ میں خود آکر مرتسم ہو جاتی ہے۔ سلہ

چوتھا استدلال } جب آئینہ کے سامنے کوئی کثیف ملون جسم آجاتا ہے تو اوس کی صورت آئینہ میں اسوجہہ سے مرتسم ہو جاتی ہے کہ آئینہ ایک نورانی اور صاف جسم ہے اسی پر ملتے جلتے اور بہت سے مشاہدے اون برتنوں اور اسباب کے متعلق ہونگے جو آئینہ کیطرح یا اوس سے کچھہ کم روشنی رکھتے ہونگے آنکھ بھی ایک نورانی اور روشن جسم ہے آنکھ کے نورانی جسم ہونے کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہوکر آنکھیں ملتا ہے تو اوسے ظلمت میں روشنی اسوجہہ سے محسوس ہوتی ہے کہ اوسکی آنکھیں نور سے لبریز ہوتی ہیں کیونکہ عصبیں کی تجویف کا اقتضا ہے کہ اونمیں دماغ سے نور نازل ہوا کرے۔ جب اوسکے مقابلہ میں کوئی کثیف ملون جسم آتا ہے تو اوسکی صورت آنکھوں میں مرتسم ہو جاتی ہے۔ سلہ

سلہ یہ استدلال بھی یہہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ باصرہ کو اور حواس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ گو حواس بحیثیت قوت لامسہ ہونے کے ایک ہی نوع کے چند افراد ہیں لیکن ہر ایک کی خصوصیں بالکل جداگانہ ہیں۔

قوت لامسہ اوسوقت تک ادراک نہیں کر سکتی جب تک کوئی چیز سطح جسم سے نہ چھو جائے اسی طرح شامہ بھی اوسوقت تک نفس کو مسرور نہیں کر سکتی جبتک کہ خوشبو سے مخلوط ہوا اوس قوت تک نہ پہونچے۔

سلہ اسکی تردید میں مناقشین کہتے ہیں کہ جسطرح آئینہ کے سامنے کسی کثیف جسم کے آنیسے صرف انطباع صورت ہو جاتا ہے اوسیطرح اوس محاذاۃ سے جو جسم نورانی اور جسم کثیف میں "

پانچواں استدلال } ممرورین (جنکو پیلیے کا مرض ہوتا ہے) ایسی صورتونکا مشاہدہ کرتے ہیں جو وجود خارجی سے تعلق نہیں رکھتیں۔ یہ تو بالکل غیر ممکن ہے کہ بیداری میں بھی کو اُلف کی کسی مثال صورت کا مشاہدہ کرلیں۔ اسی طرح خیال سے بھی کسی صورت کو حس مشترک میں لانیکے لیے نفس کی توجہہ درکار ہوتی ہے یہ بھی مسلّم ہے کہ ابصار اون چیزوں سے متعلق ہوگا جنکا خارجی وجود بھی ہو چونکہ ممرورین کو اس قسم کی صورت نہیں دکھائی دیتی لہذا مسئلہ اخیرہ کی موافق ہمیں ممرور کے ابصار کو قائم رکھنے کیلیے اس امر کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ جن صورتونکو وہ دیکھ رہا ہے وہ اوسکی جلیدیہ کی منطبعہ صورتیں ہیں۔

دوسرا مذہب افلاطون اور اسکے پیرؤوں کا ہے اونکے خیال میں جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھ سے ایک جسم مخروطی شکل میں نکلنے کے بعد ممتد ہو کر مبصر (جسکو دیکھتے ہیں) کے سامنے والی سطح سے متصل ہوجاتا ہے اور اوسکا قاعدہ مبصر کی اسی سطح سے ملتا ہے۔ اسی جسم مخروطی کے ذریعہ سے جو شکلیں حس مشترک میں حاصل ہوتی ہیں نفس اونکا ادراک کرتا ہے۔ باقی آیندہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۷۔ واقع ہو صرف ارتسام صورت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ مگر یہ ارتسام ابصار کے لیے دلیل نہیں ہوسکتا تاہم یہ اعتراض سطحی ہے کیونکہ منطبعین کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ انطباع کی وجہ سے ابصار ہوا کرتا ہے اور یہاں بحث یہ ہے کہ ابصار کا طریقہ کیا ہے ۱۲۔

تصویر ارشد

(مصنف حسن تخیل کے نام پر یہ نظم ڈیڈیکیٹ کی جاتی ہے)

دم فکر سخن یہ شاعرانہ تیری خاموشی — تلاش شاہد مضموں میں اتنی خود فراموشی
زمانے میں تجھے حاصل فراغ جاودانی ہے — کہ فکر شعر میں وقف تخیل زندگانی ہے
تری تصویر میں انداز ہے نازک خیالی کا — خموشی ہے ثبوت اے دوست گو یا خوش مقالی کا
جبیں پر یہ شکن جس سے عیاں شان تخیل ہے — کہ تو اسوقت فکر شعر میں محو تامل ہے
فنافی الشعر ہو کر تو نے وہ اسرار پائے ہیں — کہ جنکے درک سے اب فلسفی بھی عاجز آئے ہیں
تری ہر نظم جو گلدستہ ہے گلہائے رنگیں کا — دل درد آشنا کیواسطے موجب ہے تسکیں کا
ترے افکار ہیں ذوق سخندانی سے آلودہ — ترے اشعار ہیں جذبات پنہانی سے آلودہ
عطا کی جب تجھے معجز کلامی فیض قدرت نے — نہ چھوڑی فکرت عالی میں خامی فیض قدرت نے
تجھے جذبات دلہائے بشر کی حس عنایت کی — عیاں ہیں خوبیاں رنگ سخن میں حس عنایت کی
مزاج شاعرانہ میں جنوں کی استواری ہے — کہ گلگشت چمن سے تجھکو سیر دشت پیاری ہے
جوانی کا زمانہ تو نہ تھا صحرا نوردی کا — ہوا شوق نہاں لیکن سبب آوارہ گردی کا
تجھے شوق سخن گوئی یہاں لایا جنوں بنکر — اثر تجھ پر کیا جوش تخیل نے فسوں بنکر
جو دشت پر شجر میں تخلیہ پایا تفکر نے — بساط شاعری پر جلوہ دکھلایا تفکر نے
نظر آتا ہے تو مدت کا پامال جفا ارشد — تبسم سے بھی تیرے لب نہیں ہیں آشنا ارشد
تری چشم کشادہ آئینہ ہے دل کی حیرت کا — کوئی نکتہ نظر آیا ہے کیا اعجاز قدرت کا
یہ بگڑی مانگ سر کی نقشہ چاک گریباں ہے — شبیہ اضطراب قلب ہر موی پریشاں ہے
کھلی صدری تو پردہ کھل گیا سینے کی دھڑکن کا — ترا چاک جگر ہے معجزہ ایک شوخ جنون کا

لگی ہی چوٹ شاید دل میں عشقِ حسنِ جاناں کی
خبر دیتی ہے ہر اک نظم تیری سوزِ پنہاں کی

کلامِ نظم میں تیرے وہ دریا کی روانی ہے
کہ آبِ تیغ بھی شرمندگی سے پانی پانی ہے

زمینِ شعر میں گلریز کلکِ خوش رقم تیرا
طراوت خیز باغِ خوش بیانی میں قلم تیرا

بوقتِ شعر خوانی تیرے لب سے پھول جھڑتے ہیں
جو امانِ چمن سن سنکے ہنستے ہیں اکڑتے ہیں

زبانِ گلفشاں تیری ہوئی صرفِ سخن گوئی
کہ گلشن میں ترنم ریز ہے مرغِ چمن کوئی

ترا مجموعۂ اشعار ہے یا نظمِ پرویں ہے
زمینِ شعر پر اک گلشنِ گلہائے تزئیں ہے

خدایا یہ دعائے محوی ناشاد بر آئے
کلامِ نظم تیرا ملک میں مشہور ہو جائے

تمہیں تو خدمتِ علم و ادب کا پاس دنیا میں
قبولِ عام حاصل ہو اسے ادنیٰ و اعلیٰ میں

دلِ دشمن میں کھٹکے مصرعۂ موزوں سناں ہو کر
احبا میں بٹیں اشعار تیرے ارمغاں ہو کر

بہارِ دائمی تیری تمناؤں کو حاصل ہو
نہ پامالِ خزاں گلزارِ ہستی میں ترا دل ہو

مبارک ہو فراغِ ظاہر عزلت گزیں تجھکو
بساطِ عزت و تمکیں ہو صحرا کی زمیں تجھکو

محمد حسین محوی لکھنوی عفی عنہ

انتقام

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

انتقام ایک قسم کا وحشیانہ انصاف ہے کہ جسکی طرف طبیعت کا رجحان فطری طور پر ہوتا ہے مگر جس قدر زیادہ طبیعت اوس کی طرف رغبت ظاہر کرے اوسیقدر اوس کے دور کرنے کی کوشش کرنا انسان کا فرض منصبی ہے۔ انتقام لینے میں ضروری ایک شخص اپنے مخالف سے برابری کا دعوی کرتا ہے۔ لیکن عفو گناہ انتقام لینے سے بہتر اور افضل طریقہ ہے۔ "در عفو لذت است کہ در انتقام نیست"۔ ترحم ایک خصلت باری تعالی ہے۔ اور حکمراں وقت کے واسطے ایک لازمی اور ضروری شے یہ ایک ایسی خصلت ہے کہ اس کی سب کو ضرورت ہے۔ اور ہر فرد بشر کو اس خصلت کی ترقی دینے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔

زمانہ ماضی کو زمانہ حال میں تبدیل کرنا معلوم پس جو باتیں کہ ایکمرتبہ واقعات کی صورت پکڑ چکیں اونکو دوبارہ صفحہ ہستی پر لانا ناممکن الوقوع اس لیے گذشتہ باتوں کی فکر میں مستغرق رہنا عقلمندی سے بعید ہوا۔ "آنرا کہ عقل بیش غم روزگار بیش"۔ عقلمند کے واسطے تو موجودہ باتیں ہی اسقدر کافی ہیں کہ اوسکو گذشتہ کا خیال کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔ چہ جائیکہ وہ اپنا عزیز وقت انتقام لینے میں صرف کرے

اور موجودہ کو چھوڑ کر گذشتہ کے فکر میں مصروف ہو۔

ایسے لوگ شاذ نکلیں گے جو ایذا رسانی محض اس وجہ سے کرتے ہوں کہ اونکو ایذا رسانی سی محبت ہے یا اونکو اوسکا شوق ہے۔ مشاہدہ اسباب کا شاہد ہے کہ اکثر ایسی ایذا رسانی کا باعث فاعل کے ذاتی نفع پر مبنی ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہر شخص اپنی فلاحیت کے واسطے ہر قسم کے کام کرنے پر آزاد ہے اس لیے انتقام کے بجائے ہمیں اُسکو معاف کر دینے میں کسی قسم کے تردد کا موقع نہیں۔ اصل تو یہ ہے کہ ہم کو ان لوگوں سے بھی کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں جو ایذا رسانی محض اوس کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ ایک خاردار جھاڑی کی مثل ہیں۔ جو سوائے کانٹے چبھونے کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔

انتقام کی صرف ایک ہی صورت ایسی ہے کہ جس حالت میں وہ جائز سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی اوس امر کا انتقام لینا جس کے واسطے قانون سے کوئی چارہ کار نہ ہو۔ لیکن ایسی حالت میں بھی سخت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ انتقام لیتے وقت کہیں حدود قانون سے باہر قدم رکھنے کی نوبت نہ پہنچ جائے ایسی حالت میں مخالف کو دوبارہ ہم پر فوج کشی کرنے کا موقع مل جاوے گا۔ اور ہم کو صرف ایکدفعہ انتقام لینے کی وجہ سے دو دفعہ نقصان اُٹھانا پڑیگا۔ بعض لوگ جب وہ انتقام لیتے ہیں تو اوس کا باعث اور فاعل کے ظاہر کر دینے میں کسی قسم کا نقصان نہیں سمجھتے اس قسم کا انتقام اوس انتقام سے بدرجہا بہتر ہے کہ جسکی بدولت ایک شخص کو نقصان پہنچے مگر اوس کو انتقام کی وجہ اور مرتکب فعل کا علم نہ ہو۔

ترجمہ از لارڈ بیکن

عبد الحسیب خاں۔ طالب علم۔ بی اے۔ کلاس

خمسہ نواب ضیغم جنگ بہادر حیدرآبادی شاگرد دبیر مرحوم لکھنوی - بر ترانہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم اے - پی ایچ - ڈی -

نامِ محمدؐ ہی تھا وردِ زباں ہمارا | تکبیر کا تھا نعرہ تا آسماں ہمارا
قبضہ ہی سب جہاں پر اب تک عیاں ہمارا | چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اے ارضِ پاک یثرب حق رکھے شاد تجھکو | کہتے تھے ہم مجاہد دار الجہاد تجھکو
ہر فتح کی خبر ہے سب سے زیادہ تجھکو | اے گلستانِ اندلس وہ دن ہے یاد تجھکو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

تو جانتا ہے بغداد اسلام کے حشم کو | گاڑا ہے غازیوں نے یہاں دین کے علم کو
لغزش زمیں پہ اب تک ہے کفر کے قدم کو | اے موجِ دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہمکو
اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

ہر جنگ میں جو کی جب نصرت رسول باری | تکبیریں کہہ کے تھے ہم چلتے تھے تیغ کاری
تھے کوہ دشت لرزاں چلتی تھی سنگباری | مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

اے کردگار تیری وحدت پہ کٹ مرے ہم | یا مصطفیٰ تمہاری نصرت پہ کٹ مرے ہم
اے دینِ راست تیری عظمت پہ کٹ مرے ہم | اے ارضِ پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم

ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

شیر دل کا شیر پیکر ہم پہلواں ہوئے ہیں　　سر کرکے جنگ لاکھوں شیر ژیاں ہوئے ہیں
مشہور ہم سپاہی تا آسماں ہوئے ہیں　　تیغوں کے سائے میں ہم پلکر جواں ہوئے ہیں

خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

کرتے ہیں چشم دل سے قدرت کے ہم نظارے　　ہے نقش لا الہ الا اللہ دل پہ سارے
بگڑے کسی سے کیا وہ جسکو خدا سنوارے　　توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

ممکن نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

اے چرخ سفلہ پرور دل سے ہیں اہل دیں ہم　　کرتے ہیں سیف سے صاف سب کفر کی زمیں ہم
حق حق ہی کیوں ہو لب پر ہیں صاحب یقیں ہم　　باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

وہ ارض پاک بطحا جس پر بنا ہے کعبہ　　تعمیر سب سے پہلے جس کا شرف ہے اعلی
ساجد ہم اس کے سب ہیں مسجود وہ ہمارا　　دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

احمد سا شاہ عالم ہے چارہ ساز اپنا　　طوفاں میں کس طرح پھر آئے جہاز اپنا
ہے قافلہ میں یہ غل با فخر و ناز اپنا　　سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

آئیگا جب جہاں میں مہدی دیں ہمارا　　اسلام کی حکومت برباد کفر ہوگا
سب دیں کے قافلہ کو ہے انتظار اسکا　　اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

مرسلہ
"سید یاور حسین"

سیمونہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

قمری مہینہ کی چودہویں تاریخ پورنماشی کا چاند سطح آسمان پر اٹکھیلیاں کر رہا تھا
رات پہلا پہر ختم کر چکی تھی اور ساحل طرابلس پر ایک عالم سنسان طاری تھا
ہوا سمندر کی لہروں کو چھیڑ چھیڑ کر زیتون کے پیڑوں کو سرسرا رہی تھی اور دو جوان
نصیب اس سناٹے میں اپنی قسمت کا فیصلہ اس طرح کر رہے تھے -
الیسٹن" - مہ جبین سیمونہ مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ تم اس طرح دیدے بدل جاؤگی
اور میری تمام عمر کی جاں نثاری اور محبت کا یہ پھل ملے گا کہ ایک مسلمان
کے مقابلہ میں تم ایسی بری طرح مجھکو جھڑک دو"
سیمونہ " یقیناً تم ایسا کہنے میں بے ایمان ہو حسن پاشا کی ایک رات نہیں بلکہ
چند گھنٹوں کی صحبت نے مجھکو یقین دلا دیا کہ مذہب اسلام کی تلقین
بہترین ہے تم یقین کرو کہ حسن پاشا میرا محسن ہے اور اگر اس کو ذرہ بھر
تکلیف پہنچی تو اس کا روحانی صدمہ مجھکو ہوگا تمہارا یہ خیال محض غلط
ہے حسن پاشا کو میری محبت مطلق نہیں اس نے جو کچھ کیا محض انسانیت
کا فرض سمجھکر"
الیسٹن " شہزادی! کورٹ مارشل پر اگر تم نے اثر ڈالنا چاہا تو جو شخص سب سے
پہلے تمہاری مخالفت کرے گا اور تمہاری تمام خواہشوں کو خاک میں
ملا دیگا - وہ وہ ہوگا جو آجتک تمہارا فرمانبردار و جاں نثار رہا احسان کا
بدلہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ تم اس کے درشتا گوش کر دو لیکن ایک ایسا
ظالم مسلمان جو میجر گیلنس جیسے جری کا قاتل ہو ہرگز بچ نہیں سکتا

سیمونہ پر گیلفس جیسے بدمعاش کا نام لیکر تم نے میرے بدن میں آگ لگا دی تم ہرگز بات کرنے کے قابل نہیں ہو بہتر ہوگا کہ فوراً میرے سامنے سے دور ہو جاؤ "

اتنا کہکر سیمونہ آپے سے باہر ہوگئی کمر سے خنجر نکالا اور دیوانہ وار ایلسٹن کی طرف لپکی اگر ایلسٹن مزاج شناس نہ ہوتا تو یقیناً سیمونہ اس کا کام تمام کر دیتی تاہم اس کشمکش میں ایلسٹن کے داہنے ہاتھ کے ساتھ گل اندام سیمونہ کا بایاں رخسار بھی زخمی ہوا۔

(۷)

ساحل کے متصل طرابلس کے اس ہولناک میدان میں جس نے ہزارہا بے گناہ ضعیف عربوں کی زندگی کا خاتمہ کیا جہاں ہزاروں دودھ پیتے معصوم ماؤں کے کلیجہ سے چھڑا کے سنگینوں کی باڑھ پر چڑھا دیئے گئے دو رویہ مسلح پلٹنیں کھڑی ہیں اور جنرل میگبانی انکا کمانڈ افسر نہایت ذوق و شوق سے ایطالیہ کے کیمپ کی طرف نظر دوڑا رہا ہے کہ پچاس ایطالی نوجوان ننگی تلواروں کے پہرہ میں حسن پاشا کو لیکر سامنے آئے قیدی کے چہرہ پر استقلال کے آثار نمایاں تھے۔ اور گو موت اس سے بہت ہی قریب تھی تاہم اطمینان کا مینہ اس کے منہ پر برس رہا تھا۔ وہ ہنستا ہوا میدان میں آیا اور بآواز بلند کہا

"یک تن واحد کو بیجان کرنے کے واسطے یہ انتظام"

جنرل میگبانی "حسن پاشا آپ کو معلوم ہے کہ میجر گیلفس کے قتل کا الزام آپ پر ثابت ہوگیا اور گو آپ نے شہزادی صاحبہ کی عفت و عصمت اور جان کے بچانے کیواسطے یہ قتل کیا تاہم آپ چونکہ خود پولیس میں ہیں

یورپ کے ایمان کا اندازہ کر سکتے ہیں آپ کے واسطے حکم ہوا ہے کہ آپ گولی مار دیے جائیں کیا آپ کو کوئی وصیت کرنی ہے۔

حسن پاشا" بنغازی اور طرابلس اور آپ کی جری فوج کا جو کچھ حشر ہوا دنیا کو روشن ہے کیا یہ ممکن تھا کہ حسن پاشا زندہ آپ کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ایک عیسائی عورت کے دھوکے میں آکر یہاں پہنچ گیا وہ میرے عقیدہ کے موجب واجب الرحم تھی اور میں چونکہ مسلمان ہوں میرا یقین ہے

کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

میں ایک بیکس عورت کی اعانت میں یہاں تک پہنچ گیا اور اب یقیناً درجہ شہادت حاصل کروں گا خدا ایسی موت سب کو دے اب بسم اللہ کیجئے۔

ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ قلعہ حمیدیہ کی طرف سے ایک فیر ہوا جس نے جنرل میگیانی کو ہمیشہ کے واسطے ٹھنڈا کر دیا۔ متواتر بندوقوں کی باڑھ نے تمام فوج کو سراسیمہ کر دیا یہاں تک کہ شجاعان عرب کا ایک دستہ میدان کربلا میں آ پہنچا کامل پانچ گھنٹے تک خونریز جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر عرب کی شجاعت میں فرق نہ آیا۔

سورج غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ جنگی بیڑہ کی آتشباری نے بہادروں کو پسپا ہونے پر مجبور کیا اور مجاہدین الا اللہ کے نعرے لگاتے ہوئے آنکھ سے اوجھل ہو گئے +

(۸)

اطالیہ کے محل شاہی میں آدھی رات گذر چکی تھی وسطی کمرہ میں برقی روشنی کے سامنے سیمفن سیمونہ ایک گلابی ریشمیں بلاؤس پہنے کرسی پر بیٹھی تھی

گلاب کا ایک سفید پھول ہاتھ میں تھا وہ کسی خیال میں ایسی محو و مستغرق تھی کہ دنیا و مافیہا کا مطلق ہوش نہ تھا دفعتہً ایک نوجوان اُس کمرہ میں داخل ہوا جسکو دیکھ کر سیمونہ بالکل سہم گئی اور کچھ تامل کے بعد کہا۔

الیسٹن! اب تمہاری اتنی مجال ہوگئی کہ محل شاہی میں بلا اجازت و اطلاع آدھی رات کے وقت درانہ چلے آئے کیا پہرہ والے مرگئے تمہاری پچھلی عنایتوں کا معاوضہ ہے کہ اسی پاؤں باہر نکل جاؤ۔

الیسٹن۔ شہزادی میں عفو تقصور کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اگر آپ گوارا کریں تو حسن کے خون کا بدلا مجھ سے لیجئے +

سیمونہ۔ کیا حسن پاشا مار دیا گیا؟

الیسٹن۔ ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا۔

سیمونہ۔ اچھا میں ابھی آتی ہوں اس کے بعد تمنچہ کا ایک فیر ہوا اور الیسٹن کی لاش فرش زمین پر تڑپتی ہوئی دکھائی دی۔

دنیا عالم اسباب و انقلاب سب کچھ سہی مگر چڑھ چڑھ کر اوترنے اور بن بن کر بگڑنے، والے کلیجوں پر اتنے داغ لے گئے جو قیامت تک تازہ رہیں گے، یہ ازلی بدنصیب، مختلف طبقات پر منقسم تھے، امرا افلاس کا شکار ہو کر بے یار و مددگار دم توڑ گئے۔ بادشاہوں نے خاک کے ڈھیروں پر تڑپ تڑپ کر جان دی، لیکن! وا حسب الرحم تھیں اور ہیں وہ صورتیں جو عزیزوں کے فراق میں بلک بلک کر رخصت ہوئیں، اور ترس ترس کر دنیا سے اٹھیں، یہ بندہ محبت جو مختلف رنگوں میں پردہ دنیا پر آئے، مرگئے مگر زندہ ہیں، عالم فانی کہیں سے کہیں پہنچ جائے مگر ان کے نام اور ان کے کام فراموش نہیں ہو سکتے، بعض بندہ محبت تھی

جو خلوص کی لاج رکھ گئے، کیونکہ سچ مچ کے انسان تھے جنھوں نے انسانیت کا فرض پورا کیا، اور اکثر شیدائے وطن تھے جنھوں نے آبائی سرزمین کو اپنے خون سے سینچا۔ جوان جوان بیٹوں کی قربانیاں چڑھائیں برابر کے بھائی نثار کیئے، اپنی جانیں نذر کیں، گئے تو خرم وشاد، اور بچے تو تاراج وخانماں برباد، زمانہ آج ہزاروں برس آگے نکل آیا، مگر شیدائے وطن کی پرستش، خاک وطن کا ہر قدر کرتا رہا اور مدۃ العمر کرتا رہے گا صلیب و ہلال کی معرکہ آرائیاں، چولی دامن کا ساتھ ہے، ہوئیں ہو رہی ہیں، اور جب تک یورپ کا وجود دنیا میں موجود ہے، ہوتی رہیں گی، رچرڈ کے وہ خونریز حملے جنکو تاریخ کروسیڈ کے نام سے تعبیر کر رہی ہے سینکڑوں برس گذر جانے پر بھی پیش نظر ہیں اور! وہ قدسی نفوس جن کی پاک، روحوں نے، صلاح الدین کی صلائے عام، پر صدائے لبیک دی، جو اپنے خون گرا کر بیت المقدس کو دشمنوں سے بچا گئے ، شہید ہونے پر بھی بقار دوام کے خلعت سے مزین ہیں، بیت المقدس کا ہر پتھر، ان کی شجاعت کے گیت گا رہا ہے تاریخ ان کی شہادت پر مرحبا کے نعرے لگا رہی ہے۔ اور میدان جنگ کا ہر ذرّہ ان کے مقدس خون کے قطرہ پر، صبح شام سدا بہار پھول چڑھا رہا ہے۔

(۱۰)

اطالیہ کے وزیر جنگ کے احکام کے بموجب آج مقدس پوپ کو اس لیے کہ اس نے اسلام کی حمایت کی طرابلس کے اسی خونریز میدان میں پھانسی کی تجویز ہے عجیب خوفناک منظر ہے۔ پوری پچاس ہزار فوج حضرت

پوپ کو حفاظت میں لیے میدان کی طرف روانہ ہوئی ابھی میدان جنگ پانچ کیلومیٹر تھا کہ مشرق سے گرد و غبار اڑتا دکھائی دیا۔ اور آناً فاناً بیس ہزار ترک و عرب ایطالیہ کے سر پر آپڑے ایطالی جنگجو بھی غافل نہ تھے جی کھول کر لڑے اور خوب داد مردانگی دی طرابلسی جوان تعداد میں کم تھے جنگی جہازوں کی گولہ باری کی تاب نہ لا سکے پلٹتے تھے کہ ایک عورت نے بآواز بلند کہا

آؤ بہادرو آؤ میری چوڑیاں پہنو

ان الفاظ نے برقی رو کا کام دیا اور ترک الا اللہ کا نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے گھمسان کا رن تھا کہ ہزاروں سر تن سے جدا ہو رہے تھے ایطالی کمانڈر نے جنگ کا نقشہ بدلدیا اور ایک ڈویژن پشت سے ہٹا کر قلب پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ایطالی کامیاب ہو جاتے اگر نخلستان کی تازہ کمک اس ڈویژن کا راستہ ہی میں کام تمام نہ کر دیتی۔ نو ساڑھے نو گھنٹے کی خونریز جنگ کے بعد ایطالیوں کے پاؤں اوکھڑ گئے اور وہ پسپا ہوئے اسوقت شجاعان عرب میں سے ایک بہادر عورت آگے بڑھی مقدس پوپ کو گلے سے لگایا اور یہ کہتی ہوئی روانہ ہوگئی

"یقیناً وہ شخص جو ہماری حمایت میں جان دے رہا ہے"

"ہماری ایسی ہی اعانت کا مستحق ہے"

(۱۱)

جب ایطالیہ ہر اعتبار سے طرابلس میں یورپ کی "ناک کٹوا چکی اور کامیابی سے قطعی نا امید ہوئی تو تمام یورپ سے اپیل کیا کہ مسیح کا واسطہ میری شرم رکھہ لو اسوقت یورپ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ سوئیٹزرلینڈ میں ایک مجلس منعقد کی گئی اور سمیتیں پاشا نے صلح کا

بیڑا اُٹھایا یہ یورپ کا محسن جسے قت آزادی طرابلس کا اعلان لیکر رونما ہوئی سلطنت ایطالیہ نے اس کے استقبال میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ بادشاہ خود تعظیم کو اُٹھا اور سیمین پاشا کو معہ دو ہمراہیوں کے تخت کے برابر میں جگہ دی۔

صلح کا فرمان پیش کرتا مسلطنت میں عید ہوگئی اور وزیر جنگ نے سیمین پاشا کے رخ نازک کو معاوضہ احسانات میں بوسہ دیا۔

اب سیمیں پاشا اپنی جگہ سے اُٹھا اور کہا میں ترک یا عرب نہیں بلکہ آپ کی اکلوتی بیٹی سیمونہ ہوں یہ میر المحسن حسن پاشا اور دوسرا آپ کے مقدس پوپ ہیں آپ اجازت دیجئے کہ شاہی گرجا میں میرا نکاح شرع اسلام کے بموجب حسن پاشا سے ہوجائے +

اس درخواست کی منظوری میں کیا تامل ہوسکتا تھا حکم کی دیر تھی نہایت تزک و احتشام سے یہ شادی ہوگئی اور حسن پاشا اپنی دلربا کو لے کر قسطنطنیہ روانہ ہوا +

راشد الخیری

معزول سلطان عبد الحمید خاں کی تصویر جو زیب ورق اول ہے اُمید ہے کہ نہایت دلچسپی سے دیکھی جائے گی سلطان معزول اب سالونیکا سے قسطنطنیہ تبدیل کیئے گئے ہیں اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ وہ اب تک قید حیات میں ہیں۔

رباعیات مہر

جانباز مصافِ عشق کا غازی ہے — یاں سوز سے سازِ کارپردازی ہے
پر عاشق نے سیکھ رسمِ الفت اے مہر — بازی نہیں عشق بلکہ جانبازی ہے

کیوں عین وصال میں بھی مہجوری ہے — کیوں عین تقرب میں ہی دوری ہے
کہتے ہو کہ اقرب من الحبل ورید — پھر کیوں یہ حجاب اور مستوری ہے

آنکھوں میں تری غبار پندار کا ہے — مانع یہی معشوق کے دیدار کا ہے
کر سرمۂ معرفت سے پہلے اسے دور — پھر دیکھ کہ جلوہ ہر طرف یار کا ہے

بے خود نہیں ہاں خودی سے بیزار ہوں میں — جام وحدت سے مہر سرشار رہوں میں
دیوانہ مجھے کہیں تو پروا کیا ہے — دیوانہ بکار خویش ہشیار رہوں میں

کیوں دل بیقرار دم بھر نہ ہوا — افکار سے خالی نہ ہوا پر نہ ہوا
اے گردش وہی بہتر ہے چکر میں ہمیں — آرام سے بیٹھنا میسر نہ ہوا

اب تک ہے خیال کی تباہی باقی — اب تک ہے تمنا ہے مناہی باقی
مو ہائے سفید پر نہیں رنگ خضاب — ہے شیخ کی مہر روسیاہی باقی

گذران ہے جہان مہر گذر جاتا ہے — انساں آتا ہے آکے مر جاتا ہے
ہے زندۂ جاوید وہی نیک انجام — جو نام کے ساتھ کام کر جاتا ہے

ہے نام جہاں میں نجات اسکی ہے — ذکر اسکا ہے ذہنیں یادرات اسکی ہے
جس شخص کا ہے فیض زمانے میں عام — اے مہر زمانے میں حیات اسکی ہے

جو کام کہ سب ہم کرتے ہیں — سعی بازو سے بیش و کم کرتے ہیں
ہے مہر مقولہ یہی ہمت کا — اپنے سے جو ہو سکے وہ ہم کرتے ہیں

[illegible]

عصمت اجنبی کی کتابیں

اثبات واجب الوجود

وہ لاجواب کتاب جس کے ترجمہ پر پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی نے پروفیسر منشی
انوار الحق صاحب ایم۔اے کو انعام دیکر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس کتاب میں
باری تعالیٰ کے وجود کا ثبوت اس خوبی سے دیا گیا ہے کہ ایک ایک حرف دل نشین
ہوتا ہے۔ یہ کتاب عقائد کی پختگی کے واسطے اکسیر کا کام دیگی۔ عبارت سلیس
ترجمہ بامحاورہ مضمون دلچسپ طرز بیان دل آویز قیمت ایک روپیہ (عہ/)

قوت الخیال

پروفیسر صاحب موصوف کی دوسری کتاب جو اس مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے
تھوڑے عرصہ میں تیس چالیس ہزار جلدیں فروخت ہو چکی ہیں کتاب کی
خوبی دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے قیمت چار آنے (۴/)

عصمت کے چھ پرچے مجلد

جنوری ۱۹۱۰ء سے جون ۱۹۱۰ء تک کے پرچے۔ جو منتخب اہل قلم کے مضامین سے
آراستہ ہیں۔ اصلی قیمت ۱۲ جلد مفت

ناظرین جلدی کریں کیونکہ یہ جلدیں بہت تھوڑی باقی ہیں۔

المشتہر

منیجر عصمت وتمدن۔ دہلی

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائیں

ستائیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال میں آرہی ہیں

(۱) دمہ جسے زور سے اچھلتا ہو اس دوا کے دو ایک خوراک ہی سے دب جاتا ہے

(۲) نیا ہو اور اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دمہ جڑ سے جاتا ہے۔

(۳) پرانے دمہ والے یا جن کا دمہ دم کا ساتھی ہو گیا ہے وہ بھی اس دوا سے بہت صحت [illegible]

دمہ کی دوا (۱) ڈاک محصول ایک سے تین شیشی تک ۵؍ آنہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ (

مقوی گولیاں } ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں فاسفو[illegible]
اسٹکینا اور ڈمنیا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں مغز پر ڈرک سا اس ۔ [illegible]

خون کو یہ طاقت دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئے معمولی کمزوری ہولا[illegible]

یاد بھولنا ۔ ہاتھ پیر کا نپنا لقوہ ۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوتے ہیں ۲ ہفتہ کی خو[illegible]

تیس گولیوں کی شیشی قیمت ایک روپیہ (عہ) ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۔

امراض مستورات کی دوا } یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے طرح طرح کا ر[illegible]
بیماری پردر روگ حمل کی کمزوری پیٹ جانگ میں د[illegible]

کمر مثلا اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے ایک [illegible]

اس دوا کی بھی آزمائش کیجئے قیمت ایک شیشی ایک روپیہ (عہ) (۲) خوراک محصول [illegible]

ان دوائیوں کی مفصل حالت مع سرٹیفکیٹوں کی پوری کتاب بلاقیمت ملتی ہے منگا کر پڑھ[illegible]

ڈاکٹر ایس ۔ کے ۔ برمن

نمبر ۵؍۱۰ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ ۔ ہمارے ایجنٹ آغا منصب علی کشمیری ورسادہ دہلی میں ہیں ۔

فرمائش کے ساتھ اخبار کا حوالہ ضرور دیں ۔



سید سجاد حیدر بی۔ اے

اکتوبر

تمدن

اُمہات الاُمہ

از شمس العلما مولانا حافظ نذیر احمد صاحب ایل-ایل ڈی- ڈی اویل

اس سے کہ لوگ تعمیل نہیں کرتے کسی حکم کو ناممکن التعمیل نہیں کہہ سکتے لوگ نہیں تعمیل کرتے اس لیے کہ کیا مرد اور کیا عورت دونوں نے حد شرعی سے بڑھکر اپنے ادعائی حقوق قرار دے رکھے ہیں دوسرا فریق مزاحمت کرتا ہے تو اس لیے اسکو ظالم ٹھیراتے ہیں یہی خانہ داریوں میں فساد کی جڑ اور اسی وجہ سے حکم خدا ناحق بدنام ہے۔ اس بارے میں عورتوں کی طرف سے اکثر زیادتی ہوتی ہے کہ نہ اپنی حالت اپنی ضرورت پر نظر کریں اور نہ مردوں کی سوکن کے نام کو اپنی چیسٹر بنا رکھا ہے۔ ہمارے متعارفین میں ایک شامت کے مارے نے پہلی بی بی کی حین حیات میں دوسرا نکاح کر لیا پہلی اُن کی چوبیس پچیس برس کی رفیق تھی صورت شکل

کی بدرجہ اوسط اچھی خاصی صاحب اولاد بیٹوں کی جگہ بیٹے بیٹیوں کی جگہ بیٹیاں۔ بڑی بیٹی کے آگے ایک چھوڑ دو دو بچے سیانا بیٹا ماشاءاللہ جس کی چھ مہینے پورے نہیں ہوئے بسم اللہ ہوئی تھی۔ گود میں ڈیڑھ پونے دو برس کی بیٹی بہو پورے دنوں۔ بزرگوں کے وقت کا جاگیر بحال۔ آمدنی با فراغت وافر کبھی۔ میاں بی۔بی میں ان بن سننے میں نہیں آئی مگر نتیجا کیا کہ بی بی کو مدت سے دھڑکن کا روگ تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ آسیب کا سا خلل ہے۔ غرض بیچاری اکثر مریض رہتی تھی اور شاید یہی وجہ ہوئی کہ میاں نے دوسرا گھر آباد کیا بیلی کو خبر ہوئی تو پچھاڑ کھا کر زمین پر گریں کچھ دیر میں گلاب کے چھینٹوں سے ہوش آیا تو پیٹ پیٹ کر ہمسائے اور سارے کنبے کی عورتیں جمع کر لیں۔ بہتیرا سمجھایا کہ خدا رکھے تمہارے سارے ارمان نکل چکے اب تم کیوں اپنی جان کھوتی ہو کر لی تو بلا سے۔ باوجودیکہ میاں نے عدل استطاع میں کمی کرنے کا خیال تک بھی نہیں کیا مگر یہ نیک بخت گھر میں ان کے آنے کی روادار ہی نہوئی ایک ریختی گو شاعر نے یہ معاملہ نظم کیا ہے نظم کا ایک شعر کبھی کا سنا سنایا ہم کو بھی یاد ہے ؎

یہ شرکت تو بندی کو بھاتی نہیں کروں کیا کہ تھمر کی چھاتی نہیں

ہم تو اسکو بھی بے انصافی سمجھتے ہیں کہ سارا م لاہنا عورتوں کے سر پر تھوپ دیں۔ مرد بھی اپنی جگہ کون سے بھلے مانس ہیں عدل استطاع کے لیے بھی بڑا ضابطہ آدمی چاہیئے۔ فی الاکثر لاحوال تکثیر ازدواج کی اصلی محرک حسن پرستی ہوتی ہے اور حسن کا حال یہ ہے کہ ایک ملک کے لوگ اعضائے خاص کی شکل و صورت اور رنگ اور وضع کی نسبت

ایک خاص قرار داد کر لیتے ہیں کہ اسطرح کے اعضا کو حسین سمجھیں گے اول تو مذاق حسن سب جگہ یکساں نہیں۔ انگریز کنجی آنکھوں اور بھورے بالوں کے شیدا ہیں ہم موتی چور آنکھوں اور کالے بالوں کے چینیوں نے ناک کو چہرے کی ہمواری میں خلل انداز سمجھ کر بچوں کی ناک پر کمانیاں چڑھا چڑھا آخر ناک کو مٹا چھوڑا۔ حبش میں کوئی ہمارے ملک کا گیہوں رنگ کا آدمی جا نکلے تو اوسکو مبروص سمجھکر اس کی چھانوں سے دور بھاگتے ہیں حبشیوں کے ہونٹوں کو تو سنا ہوگا۔ لب زبرینش تا پرہ بینی رسیدہ و لب زیرینش زنخداں فروہشتہ۔ اختلاف مذاق پر طرہ یہ کہ ہر شخص کو اپنے مذاق کے مطابق حسن سے یکساں طور پر ہیجان ہوتا ہے۔ حالانکہ اعضائے خارجی کے حسن کو کیسا ہی ہو نفس خواہش میں کچھ بھی دخل نہیں مثلاً ہمارے شاعر ناک کی شان میں کہتے ہیں ع

آتش حسن سے ایک شعلہ سرکش بینی

لیکن ہمارے نزدیک اگر کسی کی ناک اچھی ہو تو وہ اسی ناک والے کی کام کی ہے وہ بھی اس صورت میں کہ اسکی قوت شامہ صحیح ہو۔ نتھنوں کی راہ سے سانس کی آمد و شد میں رکاوٹ نہ ہو کسی غیر کو اس کی ناک سے کیا تعلق یہ ہے اولاد آدم کی سمجھ ؎

بر خیالے نام و شان و ننگ شان۔

بر خیالے صلح شان و جنگ شان

بااین ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آدمی کی فطرۃ میں جہاں اور باتیں ہیں ایک بات یہ بھی ہے کہ اوائل عمر میں اسکی طبیعت جو رنگ پکڑ لیتی ہے و تا بزیست زائل نہیں ہوتا یعنی ہر شخص اپنے مذاق کے مطابق حسن ص

طرف فطرۃً مائل ہوگا اور اس میلان میں اسپر کچھ الزام نہیں۔ غایت مافی الباب یہ میلان صحیح ہے اصل قوت کا پس میلان کا بُرا بھلا ہونا موقوف ہے اصل قوت حسن یا قبیح ہونے پر اور اصل قوۃ خداداد یعنی فطری قوۃ ہے کہ عمر کی ایک حد خاص کو پہنچ کر خودبخود ظہور کرتی ہے اور تمام خداداد اور فطری قوتیں حسن ہیں اس واسطے کہ کسی مصلحت سے خدا نے دی ہیں احسنُ کل شی خلقہ۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ان خداداد قوتوں کے بدون کسی انسان کو انسان کامل نہیں کہہ سکتے ہیں۔ ہاں بعض قوتیں ایسی ہیں کہ ان کو احتیاط سے عمل میں نہ لایا جائے تو امن و عافیت میں خلل انداز ہوں جو عموماً کل مذاہب کی غرض و غایت ہونی چاہیئے اور خصوصاً اسلام کی ہے سو اسلامی شریعت نے احکام و ہدایت سے واضح طور پر احتیاط کا رستہ رکھا دیا کہ وہ مصلحت بھی فوت نہ ہو جس کے لیے وہ قوت دی گئی ہے اور امن و عافیت میں بھی کسی طرح کا خلل واقع نہ ہو اب یہی قوت ہے جسکی نسبت دیر سے بحث ہو رہی ہے کہ اسلامی شریعت نے عدل استطاع کی قید لگا کر مردوں کو چار تک اجازت دینے سے ایکطرف ان اغراض کی حفاظت کی جو تکثیر کے بدون حاصل نہیں ہوسکتیں اور دوسری طرف عورتوں کے حقوق کی کہ ان پر بھی ظلم نہ ہو جس کی وہ برداشت نہ کرسکیں۔ عیسائیوں میں نزنا شوئی کا تعلق مرنے بھرنے کا تعلق ہے اور ان کے ہاں مرد عورت میں اسطرح کا تعلق ہوئے پیچھے وہ تعلق منقطع نہیں ہوسکتا۔ لیکن اسطرح کی صورتیں واقع ہوتی رہتی ہیں کہ کسی وجہ سے میاں بی بی میں سازگاری ہوسکتی یا باقی رہ نہیں سکتی تو اس مذہبی نقص کے رفع کرنے کو ان لوگوں نے ایک عدالتی علیحدگی ایجاد کی

جس سے اسلامی طلاق اور خلع کا کام لیا جاتا ہے یہ اور عیسائیت کے ایسے کتنے اور نقص ہیں جن کو اسلامی شریعت نے پورا کیا مگر ناشکری کا کچھ علاج نہیں خیر تو عدل مستطاع میں بھی عورتوں کے حقوق کی رعایت ہے اور وہ طلاق سے آسان تر ہے مسلمان بیبیوں کو چاہئے کہ اسکو غنیمت سمجھیں اور اسلام کی احسانمند ہوں۔ عدل مستطاع کی شرط عورت اور مرد دونوں کے حق میں یکساں مفید ہے کہ عورت مطلقہ ہونے کی مصیبت سے بچتی ہے تو مرد مواخذہ بے انصافی سے ولعذاب الاخرۃ اکبر[1]۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو مرد کا ایک اور فائدہ بھی استنباط کیا تھا کہ تکثیر ازواج مستلزم تکثیر عیال ہے۔ عدل مستطاع کی قید لگانے سے تکثیر ازواج میں کمی ہوگی تو عیال کی تکثیر میں بھی ضرور کمی ہوگی اور قلت عیال مستلزم قلت نفقات ہے یعنے چار تک تکثیر ازواج میں تکثیر عیال کا چنداں خوف نہیں اور مسلمان محدود تکثیر ازواج کے ساتھ بھی فارغ البال اور خوش حال رہ سکتے ہیں لیکن ہماری رائے میں شخصی حالات کو عیال کی تکثیر اور تقلیل میں بڑا دخل ہے ممکن ہے کہ بعض خانہ داریوں میں چار بیبیوں سے بھی کم میں عیال کثیر ہو جائے اور بہت میں نہ ہو بلکہ ہمارے ملک کے امرا میں تو اکثر معاملہ بالعکس دیکھا جاتا ہے کہ بیبیاں بہت اور اولاد کم یا بالکل نہیں امام صاحب نے الا تعولوا کے معنے قلت عیال کے سمجھے حالانکہ لغت عربی کی رو سے یہ معنے الا تعیلوا کے ہوتے ہیں نہ الا تعولوا کے۔ اور قرآن میں الا تعولوا ہے نہ الا تعیلوا۔ بس تو وہی بات رہی کہ شارع اسلام کی

[1] اور آخرت کا عذاب تو دنیا کے عذاب سے کہیں بڑھکر ہے ۱۲

تکثیر ازواج کی حد غایت چار ٹہرا دی ہے وہ بہی لبشرط عدل اور عدل نہ ہو سکے تو نہ چار نہ تین نہ دو بس ایک اس کو ہی اجازت نہیں بلکہ ایک اعتبار سے تکثیر کی ممانعت ہی سمجہو کیونکہ عدل کی شرط کا پورا کرنا گو وہ عدل استطاع ہی کیوں نہ ہو عقلاً نہیں تو عادۃً محال نہیں تو محال کے قریب ضرور ہے سہ

چار ٹکڑے کروں دل کے یہ نہیں ہو سکتا
رخ کو دوں لب کو نہ دوں لف کو دوں تل کو دوں

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ تمام اقوام متمدنہ روئے زمین میں اہل عرب کا تمدن بیٹہ بہر کر بگڑا ہوا تہا ان ہی کی اصلاح کے لیے پیغمبر صاحب عرب میں مبعوث ہوئے ان ہی کی اصلاح کے لیے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا بعد کو فرمان واجب الاذعان انا ارسلنک کافۃ للناس[۱] کے ذریعہ سے رسالت عالمگیر کر دی گئی اس لیے کہ احکام قرآنی فطرت انسانی پر مبنی ہے اور فطرت انسانی تمام بنی آدم میں عام ہے عام تمدن کے ضمن میں اہل عرب کی خانہ داری خصوصاً بدتر سے بدتر حالت میں تہی ان کے ہاں بیبیوں کی کوئی حد نہ تہی۔ اگر ان کی خانہ داری کی ساری خرابیاں لکہی جائیں تو بجائے خود ایک مستقل اچھی خاصی کتاب لکہنی پڑے قرآن اور احادیث سے جا بجا بہت سی خرابیوں کا پتہ لگتا ہے۔ ہم کو اس مقام پر اتنی ہی بات جتانی ہے کہ باوجودیکہ عرب میں عورت مرد کے مقابلے میں بہت ہی دبی ہوئی تہی اور عورتیں سبہی جگہ مردوں سے دبی ہوئی ہیں خدا نے ان کی فطرت ہی ایسی

---

[۱] اے پیغمبر ہم نے تم کو دنیا جہان کے لوگوں کے لیے بنا کر بہیجا ہے ۱۲

بنائی ہے تاہم اگرچہ وقت واحد میں وہ کئی مرد نہیں کرسکتی تھی پھر بھی وہ یکے بعد دیگرے جتنے شوہر چاہتی کرتی اور اُس کی آبرو میں سر مو فرق نہ آتا۔

ہم ہندوستان کے مسلمانوں کی طرح نہیں کہ اپنے مذہب کو بالائے طاق رکھکر اوروں کی بہت سی رسمیں اختیار کر بیٹھے۔ اے کاش ستی کی رسم بھی اختیار کر لیتے تو بیوہ عورت چتا پر بیٹھ کر چند منٹ میں جل بھن کر راکھ ہو جاتی تذروہ الریاح راکھ تو وہ اب بھی ہوتی ہے مگر چونکہ اسلام تو ایسی ظالمانہ رسم کو کیوں جائز رکھنے لگا تھا۔ رسوم کی رو سے وہ دوسرا نکاح کر نہیں سکتی گیلی لکڑی کی طرح سُلگ سُلگ کر۔ پس عرب کی عورتوں کے حق میں ایک چھوڑ دوہری سہولتیں تھیں۔ ایک ملکی لباس کے مطابق یکے بعد دیگرے متعدد شوہروں سے نکاح کرنے کی دوسری اسلامی شریعت کے عدل کی۔ لیکن ہمارے ہندوستان میں پہلی سہولیت کا نام نہیں۔ عورت دوسرا نکاح کرے تو عزت آبرو سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ عورت تو عورت مرد کسی بیوہ عورت سے نکاح کر لے تو اوسکی اولاد کی نسبت ناطے کی مشکل پڑ جائے۔ یہ ہی ہے ہمارا ایمان اور اسلام کہ پیغمبر صاحب کی بیبیوں اور ان کی بیٹیوں سے ہم شرافت میں بڑھ کر ہیں۔ مولویوں نے سمجھا بجھا کر اور مسلمانوں کا جم غفیر منہ سے نہ کہے تو دل میں کہتا ہے بہکا کر دو چار رانڈوں کے نکاح کرا دیے ہیں تو اس سے داغ کفر و انکار قوم کے ناصیہ حال سے نہیں مٹ سکتا۔ ہم نے تو جہاں تک ہماری عقل نے یاری دی تکثیر ازدواج کے بارے میں اسلامی شریعت کے حکم کو منصفانہ اور مطابق فطرت ثابت کرنے کی کوشش کی اس پر بھی اگر مسلمان قائل نہ ہوں تو اپنا

سر کھائیں اور معلوم ہے کہ قائل نہوں گے مرد تو عدل کی قید سے گھبراتے ہیں۔ الآان حرّیص علی امنع عورتیں عدل مستطاع پر قانع نہیں۔ ان دقتوں کے ایمان جیسے ضعیف ہیں ہمکو معلوم ہے اور ہم تو اس مسئلے پر ہرگز قلم نہ اٹھاتے مگر مخالفین الٹا چور کوتوال کو ڈانڈے اسی تکثیر کی وجہ سے آسمان کو تھو سکتے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے تقدس پر مونہہ آتے ہیں ہم حق بات سے سکوت نہ کرسکے وباللہ التوفیق +

تکثیر ازواج کا تحفہ اکثر امرا کو ہوتا ہے تو امرا کے فعل کی سند پکڑ کر عام مسلمانوں کو تکثیر کا مجرم ٹھیرانا نری ہیکڑی اور ہٹ دھرمی ہے امرا اور کون سے افعال میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا تفرقہ کرتے ہیں کہ تکثیر ازواج میں کریں گے دین تو رہا اپنی جگہ یہ دنیا کے نفع و نقصان میں کیا تمیز کرتے ہیں۔ بزرگوں کی کمائی بے دریغ اڑائے چلے جارہے ہیں اور انجام کار کا کبھی خیال نہیں کرتے

تو ان کی تکثیر کے تو ہم جوابدہ نہیں ہاں جس تکثیر کی شرع میں اجازت ہے اسکی حمایت کو ہم موجود ہیں پیغمبر صاحب کی تکثیر کو عام مسلمانوں کی شرعی تکثیر پر قیاس کرنا ایسا ہی قیاس مع الفارق ہے جیسا پیغمبر صاحب کو عام مسلمانوں میں جو وجہ فارق ہے اسکو خود پیغمبر صاحب نے قرآن کے ان الفاظ میں صاف بتا دیا ہے

باقی صفحہ (۷۳) سے ملاحظہ ہو

فلسفۂ بصر

(گذشتہ سے پیوستہ)

اب ریاضیین کا جسم شعاعی کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ اوسکے ٹھوس ہونیکا قائل ہے۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ آنکھ سے جو اجسام مخروطی شکل میں نکلتے ہیں اور جنکا ایک کنارہ آنکھ سے ملا ہوا ہے اور دوسرا مرئی سے۔ اجسام جسقدر آگے بڑھتے جاتے ہیں اونکی مجموعی حالت بدلتی جاتی ہے اور مبصر تک پہنچتے پہنچتے بالکل متفرق ہوجاتے ہیں ان اجسام میں سے جسقدر مرئی کے کناروں پر منطبق ہوتے ہیں اونکے ذریعہ سے سطح مبصر اور اوسکے طول و عرض کا ادراک ہوتا ہے اور چونکہ یہ اجسام متفرق طور سے مبصر پر منطبق ہوتے ہیں اسلیے وہ اجزا اور مسام نہیں دکھلائی دیتے جو نہایت چھوٹے چھوٹے مبصر کی سطح میں پائے جاتے ہیں۔

حکماے ریاضیین کے تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو دیکھتا ہے تو آنکھ سے ایک شعاعی جسم سیدھا خط واحد کے طور پر نکلتا ہے اور آن واحد میں اپنے سریع السیر حرکت کی وجہ سے ممتد ہو کر مرئی تک پہونچ جاتا ہے۔ جب مبصر کی سامنے والی سطح اس خط کے نقطۂ اخیرہ سے مل جاتی ہے تو خط کو ایک نہایت سریع حرکت طولاً و عرضاً مرئی کی سطح پر ہوتی ہے اور وہ خط اب ایک جسم مخروطی کا قائم مقام بنکر ذریعۂ ابصار بن جاتا ہے۔

پہلا استدلال } زید آئینہ میں جو اپنی صورت دیکھ رہا ہے اوسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ زید کی صورت آئینہ میں اولاً اور آئینہ کی منطبعہ صورت آنکھ میں ثانیاً مرتسم ہوتی ہے کیونکہ اسکے مان لینے میں حسب ذیل خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(الف نمبر ۱) رائی کی صورت آئینہ کے کسی خاص حصہ میں منطبع ہوگی اور انطباع اسکا مقتضی ہے کہ آئینہ سے صورت زائل نہو حالانکہ صورت دیکھنے والا جب آئینے کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو پھر اوسکی صورت منطبعہ نظر نہیں آتی

(ب نمبر ۲) اگر انطباع تسلیم کر لیا جائے تو قابل دریافت یہ امر ہے کہ صورت آئینہ کے سطح پر مرتسم ہوگی یا عمق میں۔

(ا نمبر ۲) سطح میں اسوجہ سے مرتسم نہیں ہوسکتی کہ دیکھنے سے صورت آئینہ کے اندرونی حصہ میں محسوس ہوتی ہے اور انطباع سطحی کے تسلیم کرلینے پر اوسے آئینہ کے سطح پر اوسی طرح نظر آنا چاہیئے جسطرح وہ وہ نقوش نظر آتے ہیں جو آئینہ کی سطح پر ہوتے ہیں۔

(ب نمبر ۲) عمق میں بھی انطباعی صورت غیر ممکن ہے۔ کیونکہ صورت کی نسبت ہم یہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ وہ آئینہ کے اندرونی حصہ میں منقوش ہوئی ہے اور ہمارے قرب و بعد کے ساتھ ساتھ قریب اور بعید ہوتی رہتی ہے اور کبھی ہمارے کثرت بعد کی وجہ سے صورت آئینہ کے انتہائی عمق سے زیادہ گہرے میں نظر آتی ہے۔ حالانکہ خارجی اشیا کا عمق اوس سے زیادہ نہیں ہوسکتا جس کو حس مان رہی ہے نیز وہ مظروف جو اس ظرف میں ہونگے اوس کے اصلی عمق سے زیادہ متجاوز بھی نہیں ہوسکتے ہیں۔

(ج نمبر ۱) انطباع مان لینے پر ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ ایک عظیم الجثہ چیز کی صورت چھوٹے سے آئینہ میں مرتسم ہوسکتی ہے۔ حالانکہ منطبعین کا تسلیم شدہ مسئلہ ہے کہ بڑی چیز کا انطباع چھوٹی چیز میں محال ہے۔ اور یہ ہمارے مشاہدے کے بالکل خلاف ہوگا کیونکہ ہم ایک سربفلک پہاڑ کو ایک آئینہ میں دیکھ سکتے ہیں[1]۔

---

[1] اس قوی اعتراض کا منطبعین کیطرف سے ایک عامیانہ جواب دیا جاتا ہے کہ آئینہ میں جو صورت دکھائی دیتی ہے وہ مرئی کی شبیہ (ہیئت کذائی) ہوا کرتی ہے اور مرئی

چونکہ یہ سب دلیلیں انطباع کی نفی کر رہی ہیں۔ اسلیے آئینہ میں صورت دکھائی دینے کے وجوہ تلاش کرنے سے بجز اسکے اور کوئی سبیل نظر نہیں آتی کہ علم المرایا والمناظر کے مسئلہ کی پیروی کیجائے۔

علم المرایا والمناظر کا مسئلہ ہے کہ جب دو آئینے یا اور کوئی صیقل شدہ چیزیں محاذات میں ہوں اور شعاعیں ایک جانب کے آئینے یا صیقل شدہ آلہ پر پڑیں تو اُسکی جلا سے شعاعیں منعکس ہو کر محاذی کے آئینہ یا آلہ پر پڑتی ہیں چونکہ یہ شعاعیں اون پہلی شعاعوں سے علاوہ نہیں ہوتیں اسلیے اونکا قاعدہ وغیرہ بھی اصلی ہی قاعدہ وغیرہ ہوا کرتا ہے لہذا جو چیزیں پہلے آئینہ یا آلہ میں دکھائی دینگی اون شعاعوں کی وجہ سے دوسرے آئینہ میں بھی محسوس ہونگی۔ بعینہ قوت باصرہ کی بھی یہی کیفیت ہے دیکھنے والا

خود نہیں ہوتا اور یہ صورت مرئی کی دیکھنے کا آلہ ہوتی ہے" ہمارا قاعدہ بالکل صحیح ہے کہ بڑی چیز کا چھوٹی چیز میں آنا محال ہے اور اس موقع پر جو اعتراض کیا جاتا ہے اوس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ایک عظیم الجثہ کی صورت ایک صغیر الحجم چیز میں منطبع ہو جائے۔ اس سے ہمارے قاعدہ مقررہ کو ضرر نہیں پہونچتا کیونکہ ہم نے فوٹو دیکھے ہونگے جنمیں بڑے بڑے پہاڑوں اور سمندروں کے منظر دکھائی دیتے ہیں" اس جواب پر فہم سلیم کو بھی ہنسی آجائیگی۔ بیشک فوٹو میں عظیم الخلقہ شے کی تصویر آجاتی ہے اور ہم اوس سے اوس چیز کی وسعت کا اندازہ کر سکتے ہیں لیکن اسے کیونکر تسلیم کرلیں کہ ابصار کی حالت میں بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ہم فوٹو دیکھتے ہیں تو جو ہمارا خیال اصل منظر کی وسعت سے شناسا ہے وہی خیال رہتے ہیں اسلیے اونکی مدد سے ہم اصل منظر کی واقعی وسعت کا اندازہ کر لیتے ہیں ورنہ یہ کون نہیں جانتا کہ فوٹو کی تصویر ایک کم مقدار کاغذ پر ہوتی ہے اور اگر اوسکو اصل شے کے مقابلہ میں رکھیں تو مچھر اور ہاتھی کا مقابلہ ہے جسطرح عظیم الجثہ کا انطباع چھوٹی چیز میں محال ہے اوسیطرح اوس صورت کا انطباع نہ ہونا چاہئے کیونکہ صورتکو اپنی اصل سے طولاً و عرضاً مساوی ہونا چاہئے۔ فوٹو کی یہ کیفیت ہے اوسے دیکھکر اصل کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ فوٹو میں جو تصویر آتی ہے وہ اصل سے کسقدر فرق رکھتی ہے ۱۲

جب آیینہ میں اپنی صورت دیکھتا ہے تو اوسکی شعاع بصری آنکھونسے نکل کر آئینہ پر پڑتی ہے۔ اور اُس سے منعکس ہو کر پتلیوں پر اس طریقہ سے اوسے اپنی صورت دکھائی دیتی ہے۔ یہ شعاع بصری جسقدر چھوٹے ہونگے اوسیقدر صورت قریب نظر آئے گی اور جسقدر طویل ہونگے اوتنی مرئی (جو چیز دکھائی دیتی ہے) محسوس ہوگی۔

دوسرا استدلال } جنس حیوان ہیں مختلف بلحاظ ماہیت اور خصوصیت منطقی فرق ہے لیکن جو فرق عام طور پر نگاہیں محسوس کرتی ہیں یہ اعضا، اور شکل و صورت کا اور جسم و قویٰ کے اعتبار سے ہے مثلاً چیونٹی سے لیکر ہاتھی تک کے اجسام کی ساخت کو ملاحظہ کیجیے تو سب میں بیّن فرق پایا جاتا ہے خیر یہ تو انواع کا فرق ہے افراد نوع (جو ماہیت اور خصوصیت میں متحد ہیں) جسم کی ساخت میں کسی قدر فرق ضرور دکھائی دیتا ہے اس سے بھی قطع نظر کر کے اگر قویٰ اور حواس پر غور کیجیے تو وہ بھی اس کلیہ کے ماتحت ہیں جس شخص کو اللہ نے چشم بینا عطا فرمائی ہے وہ مشاہدہ تو ہر چیز کا کر سکتا ہے لیکن ہر ایک شخص کی بصارت میں دوسرے شخص کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔

چنانچہ ریاضیین کا دوسرا استدلال (جسکی تمہید ابھی آپ نے پڑھی ہے) علم المرایا والمناظر کا مسئلہ ہے کہ نزدیک اور دور کی چیزونکا نظر آنا شعاعوں کی کثرت و قلت پر موقوف ہے جسکی شعاع بصری لطیف اور کم ہوتی ہے وہ نزدیک کی چیز کا صحیح ادراک کرتا ہے لیکن وہ دور کی چیزوں کا صاف طور پر اسلیے ادراک نہیں کر سکتا کہ شعاع بصری مرئی تک پہونچنے سے پہلے ہی متفرق ہو کر معدوم ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جسکی شعاع بصری غلیظ اور کثیر ہوا کرتی ہے وہ دور کی اشیا کو

نہایت صحیح پیمانہ پر دیکھ لیتے ہیں کیونکہ شعاعوں کی کثرت اور غلظت میں مسافت بعیدہ تک حرکت کرنے سے لطافت اور روشنی پیدا ہو جاتی ہے جو مرئی کے ادراک کیلیے ضروری ہیں اگر منطبعین کے خیال کے موافق کسی چیز کا نظر آنا صورت کے مرتسم ہونے پر موقوف ہوتا تو دونوں قسم کے لوگوں کے ابصار میں تفاوت نہ ہونا چاہیے تھا۔

تیسرا استدلال} کائنات عالم میں بلحاظ بصارت دو قسم کے انسان ایسے ہیں جنکی آنکھوں میں نور بصارت تو پایا جاتا ہے لیکن ایک آدمی تو دن کو نہیں دیکھ سکتا عربی میں اسکو اجہر کہتے ہیں دوسرا فرقہ رات کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسے عربی میں اعشی کہتے ہیں مرحوم علامہ خیر آبادی لکھتے ہیں کہ اجہر کی شعاع بصری نہایت ہی کم اور لطیف ہوا کرتی ہے اس سبب سے دن کو آفتاب کی منور شعاعیں اوسکی شعاع بصری کو بالکل متفرق کر کے معدوم کرتی ہیں۔ اور چونکہ شب کو اوسکی شعاعوں کا ضایع کر دینے والا کوئی نہیں ہوتا اسلئے وہ شب کو بخوبی ہر چیز دیکھ سکتا ہے۔

اعشی کی بصری شعاعیں چونکہ غلیظ اور کثیر ہوا کرتی ہیں اسلئے آفتاب کی شعاعیں اپنی حدت سے دن کو اُسمیں لطافت پیدا کر دیتی ہیں اور اعشی بہت اچھی طرح دیکھتا ہے شب کو چونکہ اوسکی غلظت کے دفع کرنے اور متفرق کرنیکا کوئی باعث نہیں ہوتا اسلیے راتکو نہیں دیکھ سکتا۔

چوتھا استدلال} کسی شخص کو تم تیرہ و تاریک مکان میں بٹھلا دو تو اوسے اپنے آنکھوں سے ایک نور نکلکر ناک پر چلتا ہوا محسوس ہوگا اسی طرح اگر کوئی نیم باز آنکھوں سے چراغ کو دیکھے تو اوسے محسوس ہوگا کہ میری دونوں آنکھوں سے بہت سے خطوط شعاعی نکل کر چراغ پر پڑ رہے ہیں۔

پانچواں استدلال } علم المرایا کی بنیاد خروج شعاع پر قائم ہے اور یہ بالکل مسلم ہے کہ ہر علم کے اصول بالکل یقینی ہوا کرتے ہیں۔ افلاطون کے شاگرد اور ہم خیال حکما انطباع کا انکار کرتے ہوے کہتے ہیں کہ

"دو کسی چھوٹے سے شفاف جسم میں وہ صورت نہیں منطبع ہوسکتی جو اوس سے بڑی ہو"

اگر ابصار کے لیے صورت کا مرتسم ہونا تسلیم کرلیا جائے تو (اولاً) بڑی خرابی یہ لازم آئیگی کہ ہم مثلاً سربفلک پہاڑ اور آسمان درخت وغیرہ کو نہ دیکھ سکیں کیونکہ اونکو دیکھنا اس بات کی بدیہی شہادت ہے کہ اونکی صورتیں ہماری آنکھوں کے تصویر کھینچنے والے محدب شیشے میں ہوگئی ہیں اور چونکہ وہ چیزیں ہمکو اپنی اصلی مقدار میں نظر آتی ہیں اس لیے اوس محدب شیشے کو بھی اوسی قدر بڑا ہونا چاہیے جو ہماری رویت کا ذریعہ ہے کیونکہ قاعدۂ بالا کے موافق اگر محدب شیشے چھوٹے ہوں گے تو ہمیں مرئی اپنی معمولی مقدار سے گھٹکر دکھائی دینگی حالانکہ کوئی بھی اسکا قائل نہیں کہ ہمکو کوئی چیز اپنی اصلی مقدار سے چھوٹی نظر آتی ہے یا ہماری وسعت کے اعتبار سے ہمارے اون مناظر کے برابر ہیں جنھیں ہم دیکھ رہے ہیں۔

(ثانیاً) (۱) ہم نور بصارت کے وسیلہ سے جس چیز کا احساس کرینگے وہ وہی شے ہونی چاہیے جو ہمارے جلیدیہ میں موجود ہے لہذا ہمیں اون تمام مناظر سے محروم ہوجانا چاہیے جو اون کے علاوہ ہیں۔

(۲) چونکہ جلیدیہ نہایت چھوٹی چیز ہے لہذا جو صورت اسمیں منطبع ہوگی وہ بھی چھوٹی ہوگی جس سے ہم کسی عظیم الجثہ شے پر اوسکی عظمت کا حکم نہ کرسکیں گے۔

(۳) تمام چیزیں مساوی نظر آئیں گی۔

چونکہ تمام منطبعیین وحدۃ مرئی کے متعلق اسکے قائل ہیں کہ جلیدیتین کی مرتسمہ صورتیں مجمع النورین میں متحد ہو جاتی ہیں اور احول (ڈہیلے) کو ایک ہی چیز دو اسوجہ سے نظر آتی ہیں کہ اوسکی تلکیاں ٹیڑھی ہوتی ہیں اسلیئے افلاطون کے پیرو اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمھارے ان دونوں اصول کے لحاظ سے زید کو ایک ہی حال میں ایک شے ایک اور دوسری دو دو نظر آنی چاہئیں حالانکہ اسکا کوئی بھی قائل نہیں تم نے خود بھی غور کیا ہوگا کہ جب دو چیزیں تمھارے نزدیک ہوں لیکن ایک دس ہاتھ کے فاصلے سے اور دوسری صرف ایک ہاتھ کے مسافت پر تو ادنیں سے جس شے کو بنظر غور دیر تک دیکھا ہوگا تو دوسری چیز دو نظر آئی ہونگی۔ اگر قریب والی مطمح نظر رہی ہوگی تو دور کی شے اور اگر دور کی شے معرض توجہ میں ہوگی تو قریب والی دو محسوس ہوئی ہوں گی۔ ارسطو کے پیرو کہتے ہیں کہ یہ اعتراض تو تم پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ تم بھی اسکے قائل ہو کہ جب دونوں آنکھوں کی شعاع مخروطی ملکر ایک خط ہو جاتی ہیں تو چیز ایک نظر آتی ہے اور جب دونوں جدا جدا رہتی ہیں تو دو محسوس ہوتی ہیں۔

چونکہ دونوں مخروطی سہموں کا اتحاد غیر ممکن[1] ہے اسلیے افلاطون کے پیرو کہتے ہیں کہ اتحاد سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ دونوں خطوں کا موقع ایک ہو لیکن جب اونکے موقع جدا جدا ہونگے تو مرئی بھی متعدد ہونگے۔

---

[1] یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ جب دو مخروطی شعاعی سہمیں ایک موقع پر واقع ہو جائیں گی تو ادنمیں اتحاد ہو جائیگا تاکہ اوسکی صورت حس مشترک میں ایک ہی حاصل ہو کر نفس کے ادراک صحیح کا ذریعہ بن سکے ورنہ اگر مرئی کے سطح پر دونوں سہم اسطرح پر گریں جن کی

متبعین ارسطو افلاطون کی تردید میں کہتے ہیں کہ (اولاً) ذیل کے دونوں مقدمے حکما کے طبقے میں مقبول عام ہیں۔

(۱) اعراض منتقل نہیں ہوتے

(۲) افلاک میں خرق والتیام نہیں ہوتا۔

اگر شعاع بصری بطور عرض ہونیکے آنکھوں کے ساتھ قائم ہے تو مقدمہ اولی کے حسب منشا اوس سے جدا ہو کر فضاے عالم میں منتقل نہیں ہو سکتا اور اگر جسم ہے تو مقدمہ ثانیہ کے موافق افلاک سے گزر کر فلک اطلس تک نہیں پہونچ سکتا اور نہ آنکھ کے قلیل مادے سے اتنا بڑا جسم پیدا ہو سکتا ہے جو نصف کرۂ عالم کو احاطہ کرسکے اور پلک مارنے کے ساتھ یا تو واپس ہو کر بطریق رجعت قہقری اصلی حالت اختیار کرلے یا فوراً معدوم ہوجائے۔

موقعہ جدا جدا ہوں اور باطنی سطحیں آپسمیں ملی ہوئی ہوں تو اوسکی جو صورت نفس کے سامنے حاضر ہوگی اوسکے دو حصے ہونگے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک چیز ایک نظر نہ آے بلکہ اوسکے دو حصے منقسم مگر متصل دکھائی دیں۔

اور اگر یہ ممکن ہو کہ ایک مرئی پر دونوں شعاعی سہم کچھ فاصلے کے ساتھ گریں تو ایک اور مشکل واقع ہوگی جو اون سے بھی زیادہ سقیم ہے وہ یہ کہ ایک چیز بتمام وکمال نظر نہ آسکے کیونکہ اونکی مخروطی شعاعیں جو بصارت کا ذریعہ ہیں مرئی کے بعض بعض حصوں پر واقع ہوی ہیں لہذا جس سہم کی سطح مرئی کی جس سطح کے ساتھ متصل ہوگی اوسی قدر سطح مرئی کا احساس ہوگا اور جو مرئی کی سطح سہموں کے التصاق سے باقی رہ جائے گی وہ نظر نہ آئے گی ظاہر ہے کہ یہ سب خلاف مشاہدہ الزامات عدم اتحاد کی صورت میں لازم آتے ہیں"

ابوالحسن عفی عنہ

(ثانیاً) اگر ابصار خروج شعاع کیساتھ وابستہ ہے تو یہ بالکل مسلم ہے کہ شعاعوں کو آنکھ سے جدا ہوکر مرئی تک حرکت کرنی پڑیگی جب تم فلک ثوابت کو چاندنی رات میں دیکھنا چاہو تو حرکت کا مقتضا ہے کہ ثوابت سے بہت پہلے تمھاری متجسس نگاہ کے سامنے چاند آ جائے کیونکہ وہ فلک اول کا سیارہ ہے حالانکہ جب تم ستاروں کو دیکھنا چاہتے ہو تو تمام ستارے یک بیک نظر آجاتے ہیں صرف وہی ثوابت تمھیں دیر میں دکھائی دیتے ہیں جنکی روشنی فضا ر دنیا تک ہزارہا سال میں پہونچتی ہے۔

(ثالثاً) دنیا کی تمام چیزوں کی حرکت ان تین حرکتوں کی ماتحت ہیں۔

(۱) حرکت قسری۔ (۲) حرکت طبعی۔

(۳) حرکت ارادی۔

حرکت ارادی کا منشا ہے کہ متحرک ذی ارادہ ہو اور چونکہ ارادہ ذی حیات کی صفت ہے اسلیے یہ دوسرا استحالہ لازم آئے گا کہ ایک ایسی چیز جو بجائے خود عرضی ہے صرف ایک ذی روح کی صفت ثابت کرنے کیلیے جوہر مانی جائے

بقیہ نوٹ صفحہ ۔ موقع جدا جدا ہوں اور باطنی سطحیں آپسمیں ملی ہوی ہوں تو اوسکی جو صورت نفس کے سامنے حاضر ہوگی اوسکے دو حصہ ہونگے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایک چیز ایک نظر نہ آے بلکہ اوسکے دو حصے منقسم مگر متصل دکھائی دیں۔

اور اگر یہ ممکن ہو کہ ایک مرئی پر دونوں شعاعی سہم کچھ فاصلے کیساتھ گریں تو ایک اور مشکل واقع ہوگی جو اون سے بھی زیادہ سقیم ہے وہ یہ کہ ایک چیز بتمام وکمال نظر نہ آسکے کیونکہ اونکی مخروطی شعاعیں جو بصارت کا ذریعہ ہیں مرئی کی بعض بعض حصوں پر واقع ہوی ہے لہذا جس سہم کی سطح مرئی کے جس سطح کے ساتھ متصل ہوگی اوسیقدر سطح مرئی کا احساس ہوگا اور مرئی کی سطح سہمونکے التصاق سے باقی رہجائیگی وہ نظر نہ آئیگی ظاہر ہے کہ یہ سب خلاف مشاہدہ التزامات عدم اتحاد

حرکت طبعی کا مدار ایک فطری قوت پر ہوتا ہے جس پر ہر چیز اوسوقت تک برابر قائم رہتی ہے جب تک کوئی قاسر حائل نہو۔ آسمان کی حرکت طبعی چاہتی ہے کہ وہ مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرے اور زمین کی حرکت طبعی کا منشا ہے کہ مغرب سے مشرق کی طرف متحرک ہو۔ اور باختلاف مذاہب فلاسفۂ قدیم و جدید اسکو تسلیم کر رہے ہیں کہ ہر چیز اپنی فطرت کے حسب منشا کام کرتی ہے نیز حرکت طبعی کا یہ منشا ہے کہ حرکت ایک ہی طرف ہو جیسے ہم زمین و آسمان کی نسبت کہہ چکے ہیں۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو سوال یہ ہوتا ہے کہ شعاع کی حرکت اگر طبعی ہے تو اوسے ایک جانب ہونا چاہیے حالانکہ ہم جسطرف چاہتے ہیں اوسے پھیر سکتے ہیں۔ اور یہ کہنا تو بالکل بیجا ہے کہ شعاع کی حرکت طبعی ہے اور وہ ہمیشہ خط مستقیم پر حرکت کرتی رہتی ہے۔ کیونکہ امور طبعیہ کے لئے حیات کی قید بھی لازمی ہے۔ پیروان افلاطون اس اعتراض سے بچنے کیلیے کہتے ہیں کہ حاشا ہم اسکے قائل نہیں ہیں کہ آنکھ سے شعاع نکلتی ہی نہیں بلکہ جب کوئی کسی چیز کو دیکھتا ہے تو مبدء فیاض کی طرف سے ایک شعاع مخروطی پیدا ہوکر رائی اور مرئی کے درمیان میں واقع ہوجاتی ہے اس مخروطی نورانی شعاع کا قاعدہ مرئی سے ملا ہوتا ہے اور اوسکا بالائی کنارہ دیکھنے والے کی آنکھ سے۔ اور چونکہ فیضان قدرت رائی اور مرئی کے تقابل کے بعد ہوتا ہے اسلئے حدوث شعاع کی نسبت آنکھوں کی طرف مجازاً کردیجاتی ہے۔

بظاہر افلاطون اور ارسطو کے اقوال میں سخت تخالف ہے۔ ابو نصر فارابی المتوفی ۳۳۹ھ ہجری الجمع بین الرائین نے ان دونوں کے قولوں پر محاکمہ کرتے ہوئے دونوں کو آپسمیں مطابق کرنا چاہا ہے۔ فارابی نے اس بحث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دراصل دونوں حکیمونکا مقصد ایک ہی ہے مگر زبان نہ وسیع ہونیکی وجہ سے ارسطو نے اپنے خیال کو انطباع سے تعبیر کیا اور افلاطون نے خروج شعاع سے۔ لیکن

فارابی اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکا گو فہم متوسط کے نزدیک تنگی زبان کا عذر مقبول ہو جائے لیکن اہل نظر کب اسے تسلیم کرینگے۔

اس باہمی اختلاف سے بچنے کیلئے امام فخر الدین رازی اور علامہ قطب الدین شیرازی المتوفی ۷۱۰ھ ہجری ایک الگ راہ اختیار کرکے کہتے ہیں کہ ہمارے ادراک بصری کا سبب نہ تو خروج شعاع ہے اور نہ انطباع شکل بلکہ جب رویت کے تمام شرائط موجود ہوتے ہیں تو ایک روحانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جسے ہم بصارت سے تعبیر کرتے ہیں۔

متکلمین اشاعرہ قطب الدین شیرازی کے ہم خیال ہیں۔

شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول کا مذہب بھی قطب الدین شیرازی کے مذہب سے ملتا جلتا ہے وہ کہتے ہیں کہ بصارت نہ تو خروج شعاع کا محتاج ہے اور نہ مرئیات کی صورتوں کے منطبع ہونیکا ہمیں کسی چیز کے نظر آنے کیلئے صرف اسقدر کافی ہے کہ ہمارے سامنے وہ چیز موجود ہو اور آلات بھی صحیح ہوں اور شرائط بھی کامل اسی سے قوت باصرہ اور مرئی کے درمیان میں اضافت اشراقیہ پیدا ہو جائے گی جس سے نفس کے سامنے مرئی کا انکشاف حضوری ہوگا۔

شیخ کے دلائل قریب قریب وہی ہیں جو ارسطو اور افلاطون کے ہم خیال ایک دوسرے کی تردید پر قائم کرتے ہیں۔

دونوں فریق کی خانہ جنگیوں پر غور کرکے علامہ خیرآبادی نے حسب ذیل فیصلہ کیا ہے۔

ابصار کا آلہ ایک نورانی وہمی اور مخروطی جسم جلیدیہ میں ہے جو آنکھ اور مرئی کے درمیان میں حرکت کرتا ہے۔ نفس کو مرئی کا ادراک اسکے اوس زاویہ سے ہوتا ہے جو جلیدیہ میں ہے جب ہم کوئی دور کی

چیز دیکھتے ہیں تو سخت حرکت ہونے کی وجہ سے اگر لطیف ہوتا ہے تو تحلیل ہو کر معدوم ہو جاتا ہے اور اگر غلیظ ہوتا ہے تو لطافت آجاتی ہے اور اس سے مقابل میں شعاعیں پیدا ہوتی ہیں جسکی قوت سہم مخروطی کے موقع پر ہوتی ہے اس خط کے متعلق شعاعوں کی مڑنے سیدھے رہنے اور منعکس ہونیکے تمام احکام ثابت کیے جاتے ہیں جب رائی اور مرئی کے درمیان میں کوئی جسم شفاف ہوا کی طرح ہوتا ہے تو جسم نورانی مخروطی وہی سید ہا نفوذ کرتا ہے اور اس شفاف جسم کی سطح پر کسی جانب نہیں مڑتا اور اس طریقہ سے مرئی اپنی اصلی مقدار پر نظر آتی ہے۔

بخلاف پانیکے یا جو چیزیں کہ ہوا سے کم شفاف ہیں انمیں خط مستقیم اور منعطف دونوں طرح نفوذ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ کہ اگر انگور پانی کے سطح سے قریب ہو تو آلو کے برابر دکھائی دیتا ہے کیونکہ دونوں شعاعیں منعطف اور مستقیم قریب سطح کی وجہ سے متمیز نہیں ہوتی ہیں اور انگور اپنی موجود جسم سے بڑا معلوم ہوتا ہے اور جب انگور پانی کی سطح سے دور ہوتا ہے تو دونوں شعاعوں کے متمیز ہونے سے دو انگور دو جگہہ دکھائی دیتے ہیں۔

جب جسم مخروطی شعاعی کا قاعدہ جسم صیقل شدہ پر ہوتا ہے تو اوس سے شعاعیں منعکس ہو کر مقابل کی چیز پر پڑتی ہیں۔

فاضل مرحوم نے گو اس فیصلہ میں مشائین اور ریاضیین کے استدلالات پر گہری نظر ڈالی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ فیصلہ بھی اوس اختلاف کو نہیں مٹا سکتا جو ہزارہا سال سے چلا آرہا ہے اور ہر زمانہ میں اہل علم کا مطمح نظر رہا ہے۔

جسطرح آنکھوں سے ایک نورانی جسم کا نکلنا ابھی غور طلب ہے اسی طرح یہ بھی قابل تحقیق ہے کہ اوس جسم کی مرئی تک رسائی بھی ممکن ہے یا نہیں۔

ممکن ہے کہ بعض حضرات علم المرایا و المناظر کے اصول کو اس فیصلہ کی تائید میں پیش کریں جنکو ایک علمی عمارت قائم رکھنے کے لیئے لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑیگا کیونکہ موافقت علمی[1] بھی بعض بعض مواقع پر اسکی تائید کرتی ہے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ علم المرایا و المناظر کے بعض دفعات ابھی اصلاح کے محتاج ہیں۔

کسی چیز کے دیکھنے کے لیے صرف ایک نورانی جسم کا آنکھوں سے نکلکر مرئی کی طرف حرکت کرنا کافی نہیں ہے بلکہ مرئی کے دیکھنے کیلیئے یہ بھی ضروری ہے کہ آفتاب یا کسی اور نورانی جسم کی شعاعیں فضائے عالم کے لطیف سیّال مادّے کو روشن کرکے اوسمیں ایک سریع السیر حرکت پیدا کردیں۔ جو رائی اور مرئی کے درمیان میں واقع ہے۔ تاوقتیکہ کسی خارجی نورانی جسم سے شعاعوں کا فیضان نہو کسی چیز کا دیکھ لینا ہی کسیطرح ممکن نہیں ہے۔

زمانہ حال کے محققین میں سب سے پہلے فرانس کے مشہور دیکارٹ نے اسکی طرف توجہ کی اور بہت کوشش کے بعد اوسنے کہا کہ اجسام تیرہ میں ایک قسم کی حرکت پائی جاتی ہے یہ حرکت جب جسم شفاف تک جو فضاے درمیانیمیں اجسام تیرہ سے لیکر ہم تک پھیلا ہوا ہے پہونچتی ہے تو اوسکے اجزا کو منتشر کردیتی ہر

[1] موافقت علمی کے یہ معنی ہیں کہ کسی غیر ثابت شدہ اصول کو تسلیم کرکے اسکی جتنی تفریعات نکالی جائیں تجربہ اون سب کو صحیح قرار دے تو وہ اصول گو خود کسی دلیل کے ماتحت نہوں مگر اون تفریعات کی صحت ہی اون کے لیے دلائل بن جاتی

اور یہ اجزا منتشرہ گرتے ہوے جب ہماری آنکھوں تک پہونچتے ہیں تو ہم نور کا ادراک کرتے ہیں

اسکے بعد نیوٹن جب ایوولیشن (کون) اور ایٹراکشن (جاذبہ عامہ) کی گرانمایہ تحقیق سے فارغ ہوکر مسئلہ نور کی طرف متوجہ ہوا تو اوسے دیکارٹ کے مسئلہ میں بہت سی کمزوریاں محسوس ہوئیں اور بالآخر اوسنے اس مسئلہ کے متعلق نئے اصول ترتیب دئے جنپر آجکل علم البصر کی شاندار عمارت قائم ہے۔

نیوٹن کی یہ ایجاد کردہ اصول اور قاعدے اوسکے اصلی کارناموں میں شمار کیئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس تحقیق کا سہرا نیوٹن کے سر ہے لیکن یہ صریح غلطی ہے نیوٹن نے روشنی کی حقیقت بیان کرنے میں کسی جدت طرازی سے کام نہیں لیا بلکہ جو قواعد اوسکے لئے باعث فخر سمجھے جاتے ہیں کئی ہزار سال پہلے دنیائے علم سے روشناس ہوچکے ہیں اور اس تحقیق کا سہرا مشہور حکیم فیثاغورث کے سر باندھا جاچکا ہے فیثاغورث کہتا ہے۔

"روشنی چھوٹے چھوٹے ذرّوں کا نام ہے جو روشن کروں سے علیحدہ ہوکر ہم تک پہونچتے ہیں"

قال[1] بعض الحکماء الاقدمین ان النور اجسام تنفصل عن المضیئ وتتصل بالمستضیئ۔

فیثاغورث کی یہ تحقیق بھی اعتراضات سے نہ محفوظ رہسکی اور بالآخر اعتراضوں کی کشمکش نے اوسکا لطف گھٹا دیا اسی طرح جب نیوٹن نے اپنی تحقیق کو رواج دینا

---

[1] شرح مواقف جلد ۲ صفحہ ۱۴۱۔ اگلے حکیموں میں سے ایک حکیم کا قول ہے کہ نور اون چھوٹے چھوٹے جسموں کو کہتے ہیں جو نورانی اجسام سے علیحدہ ہوکر روشنی طلب کرنے والوں اجسام سے متصل ہو جاتے ہیں۔

جاتا تو ابتداءً اوسے قبول عام حاصل ہوا لیکن محققین فن نے اوسے بھی نشانہ اعتراض بنا ہی ڈالا اور کئی زبردست ایسے اعتراض کیے جنکا جواب شافی دیکر نیوٹن کی عمارت خیال کو قائم رکھنا مشکل تھا آخر اوسکے قواعد متزلزل ہو گئے اور تحقیق نے دوسری شان اختیار کر لی۔

(۱) عالم کے کروں کی اصلی مقداریں روز بروز کمی ہوتی رہے اور ایک عرصہ کے بعد اونکی موجودہ اور سابقہ حالتیں نمایاں فرق محسوس ہو۔ حالانکہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کرات عالم کی حالت ہر زمانے میں ایک ہی رہی ہے۔

(۲) اگر روشنی کرات عالم کے جدا شدہ ذروں کا نام ہے تو مقتضائے قیاس یہ ہے کہ جب کسی نازک اور ہلکی ترازو کے ایک پلڑے پر بہت سی شعاعیں ڈالی جائیں تو وہ بار اجسام سے جھک جائے لیکن تحقیق اور تجربہ اسکی نفی کرتا ہے۔

(۳) تحقیق جدید کے موافق جسطرح کوئی چیز قانون ارتفاع سے خالی نہیں اسیطرح قوت جاذبہ سے بھی خالی نہیں ہر بڑا جسم اپنے قریب کے چھوٹے چھوٹے جسموں کو کھینچتا ہے لہذا اگر نیوٹن اور فیثاغورث کی تحقیق بالکل صحیح ہے تو چھوٹے چھوٹے ذرّوں کو اپنے کروں سے علیحدہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ اونکے کروں میں ذروں کے مقابلہ میں قوت جاذبہ زیادہ موجود ہے۔

نیوٹن کے بعد ہویجنس ہوا اوسنے نور کے متعلق دو اصول موضوعہ سے کام لیا ہے۔

(۱) تمام فضا میں ایک قسم کا لطیف سیال (ایتھر) موجود ہے اور اس لطیف مادے سے کرات عالم میں کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔

(۲) جسطرح آگ کی لو ہمیشہ مضطرب رہتی ہے اسی طرح آفتاب اور ماہتاب الغرض تمام اجسام تیرہ کے مادے متحرک ہیں اور اجسام تیرہ کی اس معمولی حرکت سے اونکے پاس کے لطیف سیال مادے میں دائرے کی صورتکا تموج پیدا ہوتا ہے اور وہ بڑھتا ہوا ہمارے آنکھوں تک پہونچتا ہے اور ہم نور کا ادراک کرتے ہیں۔ اسی طرح جب دو کثیف جسموں میں تصادم ہوتا ہے تو اوس سے اس لطیف سیال میں تموج پیدا ہوتا ہے اگر یہ جنبش ہمارے کان کے ذی حس پردوں سے قریب ہوتی ہے تو ہم میں سماعت پیدا ہوجاتی ہے اور جب (ایتھر) میں خفیف سی حرکت ہوتی ہے یا تصادم کا موقع ہم سے زیادہ فاصلے پر ہوتا ہے تو ہم نہ آواز سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔

اسکی مثال میں ہوجنیس کہتا ہے۔

تمکو یوں سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح پانی میں تم حرکت پیدا کرتے ہو تو تمہارے قوت کے صدمے سے اوسمیں ایک تموج دائرے کی صورت میں پیدا ہوکر بڑھنا شروع ہوتا ہے اور کنارے تک پہونچ جاتا ہے اور جب خفیف سی جنبش ہوتی ہے تو اوسکی لہریں کنارے تک نہیں پہونچتیں۔

چونکہ ہوجنیس ادراک بصری میں ارسطو کی تقلید کرتا ہے اسلیے اوسکے مندرجہ بالا بیان سے حسب ذیل نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

روشنی ایتھر کی لہروں کا نام ہے جب اسکا سیلاب تموج بڑھتا ہوا ہماری آنکھوں کے پاس آجاتا ہے تو ہم نور کا ادراک کرتے ہیں اور جس چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں اوسکی صورت جلیدیہ میں منطبع ہوتی ہے اور ہم مرئی کا ادراک کرتے ہیں

لیکن قابل غور یہ امر ہے کہ ہوجنیس کا یہ خیال کیا ہماری رویت کے مقدمہ میں کافی

ہو سکتا ہے۔

اہل مغرب کا سب سے پچھلا اور محقق خیال یہ ہے کہ

"اجسام تیرہ کی تحریک اور ایتھر کی وساطت سے آنکھوں پر ہلکی ہلکی سی ٹھوکریں لگتی ہیں (یہی حرکت نور ہے) ان ٹھوکروں کی وجہ سے شئے مرئی سے شعاعیں نکلکر آنکھوں پر پڑتی ہیں اور شئے مرئی چونکہ بالکل آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے اسلیے اوسکی تصویر پتلیوں پر خارجی شے"

لیکن فہم سلیم اس محقق قول کی تصدیق کرنیسے بھی منکر ہے کیونکہ اس پر حسب ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) ہم تاریکی میں کوئی چیز اسلیے نہیں دیکھ سکتے کہ اجسام تیرہ کی حرکت سے متحرک ایتھر کی ٹھوکریں ہماری آنکھوں پر نہیں لگتیں حالانکہ یہ بالکل مسلم ہے کہ اجسام تیرہ ہر وقت حرکت کرتے ہیں۔ اور جو شے اون سے متصل ہے اونکی حرکت سے تموج پیدا ہوتا ہے۔

(۲) جب شبکو آسمان پر تیرہ و تار ابر محیط ہو تو وہ سارے ذرائع مفقود ہو جائیں جو ایتھر کی اوس حصہ کی حرکت کا باعث تھے جو ہمارے سامنے ہوتا ہے۔

(۳) ایتھر کی حرکت میں برشکال کی اندھیری راتوں اور اندھیری کوٹھریوں میں سکون پیدا ہو جاے۔ نمبر ۲ اور ۳ کا مدار اس پر ہے کہ ہمارے ابصار کا ذریعہ ایتھر کا تموج ہے اور وہ اجسام تیرہ کی سبب سے پیدا ہوتا ہے یہ بالکل ظاہر ہے کہ جب شبکو آسمان پر ابر غلیظ محیط ہو اور بجلی بھی خاموش ہو۔ اور ہمارے پاس کوئی اور نورانی شے بھی نہ ہو تو اوسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اوس حصۂ ایتھر میں سکون پیدا ہو جاے جو ہمارے گرد ہے اور اس سکون کے سبب سے ہم کسی چیز کا ادراک نہ کرسکیں حالانکہ ہم اون چیزوں کو اکثر ادراک بصری کے ذریعہ سے محسوس کر لیتے

ہیں جو ہمارے گرد ہوتی ہیں۔

اور اگر ایتھر میں اجسام تیرہ کی تحریک سے ہر وقت حرکت جاری رہتی ہے تو مرئیات کے ادراک کرنیمیں ایسے تیرہ و تار موقع پر بھی کوئی غلطی نہ ہونی چاہئے حالانکہ برسات کی تاریک راتوں میں اپنے آس پاس کی چیزوں کی علاوہ اور کوئی چیز دیکھنا چاہتے ہیں تو نہ دیکھ سکتے۔

قوت باصرہ کے اسی طرح متعلق یورپ میں ایک اور مذہب بھی موجود ہے جو ہوبجنیس کے مذہب سے ملتا جلتا ہے۔

اشیاء پر آفتاب یا کسی اور چمکنے والی چیز کی روشنی پڑتی ہے اور اون سے پلٹ کر آنکھ کے پردے پر آتی ہے اور اس طرح ہم مرئی کا ادراک کرتے ہیں

یہ مذہب بھی گو تحقیق جدید کا مرہون احسان خیال کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت ایک اگلے اور بڑے حکیم کا مسلک ہے جسنے آنکھ کی تشریح میں بہت کامیابی حاصل کی تھی اور اوسکے پردوں کے متعلق اگلے حکیموں سے زیادہ واقفیت پیدا کی تھی غور کرنے سے یہ مذہب بھی نقائص سے پاک نہیں معلوم ہوتا اسمیں بھی اکثر ایسے دعاوی موجود ہیں جنکی شاہدات اور تجربات نفی کرتے ہیں۔

اس خیال میں ذیل کا مذہب مسئلۂ ابصار میں دقیق اور سب سی بہتر خیال کیا جا سکتا ہے ممکن ہے کہ یہ بھی نقائص سے پاک نہو تاہم تحقیق جدید اور قدیم کے استدلال کے ہر حصہ پر غور کرکے اخذ کیا گیا ہے۔

جب ہم کسی شے کو دیکھتے ہیں تو آنکھوں سے ایک نورانی شعاعی جسم نکلتا ہی لیکن صرف یہ جسم ہمارے دیکھنے کیلئے کافی نہیں ہے بلکہ ہم کسی چیز کے دیکھنے کیلئے کسی خارجی نورانی شعاعوں کی محتاج ہیں کبھی یہ خارجی شعاعیں مرئی میں موجود رہتی ہیں اور کبھی انکا اجسام تیرہ سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

الغرض اجسام تیرہ کی تحریک سے ایتھر میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور اوس حرکت کے ذریعہ سے اجسام تیرہ کی شعاعیں مرئی پر گرکر آنکھ کے پردہ پر پڑتی ہیں۔

اور اب مرئی کی صورت وہ نورانی جسم ہماری قوت مدرکہ کے سامنے پہونچا دیتا ہے جو آنکھ سے نکلتا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خارجی شعاعوں کی زیادہ حاجت نہیں ہوتی بلکہ مرئی کی اصل روشنی ہی ابصار کیلئے کفایت کرتی ہے جیسا تم چراغ او آفتاب دیکھنے کیحالت میں محسوس کرتے ہو۔ خارجی شعاعیں جب پانی یا کسی غیر شفاف جسم پر پڑتی ہیں تو وہ چیز پانی کی سطح سے متصل ہوتی ہے جلد نظر آجاتی ہے او جب عمق میں واقع ہوتی ہے تو اوسمیں شعاعوں کا نفوذ انعطافی او غیر مستقیمی طور سے ہوتا ہے اسلئے کبھی کوئی چیز ٹیڑھی نظر آتی ہے اور کبھی شعاعوں کے متفرق ہو جانے سے ایک ہی چیز دو دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح چونکہ غواعور کے اعصاب ٹیڑھے ہوتے ہیں اسلئے اوسے ایک چیز دو دکھائی دیتی ہے۔ کسی ایک موقع پر (جہاں بظاہر کوئی نورانی جسم نہیں ہوتا) بعض اشیا ہم اپنے گرد اسلیے دیکھ لیتے ہیں کہ ایتھر کی خفیف سی حرکت اوس فضا کو روشن کر دیتی ہے جو ہماری آنکھوں سے متصل یا ہمارے گرد ہوتا ہے۔ اتنا ہر شخص جانتا ہے کہ ادراک بصری ہماری آنکھوں کا کام ہے پھر بھی بعض اوقات ہم کسی چیز کو نہیں دیکھتے اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ادراک بصری کے لیے چند شرایط ہیں جب وہ موجود ہوتی ہیں تو ہم مرئی کو دیکھتے ہیں اور اونکے معدوم ہونے پر کوئی چیز نہیں دیکھ سکتے۔

(۱) مرئی (جو چیز اوسکے حکم میں ہو) کو رائی کے مقابلہ میں ہونا چاہیے۔

(۲) جس چیز کو ہم دیکھتے ہیں وہ ہم سے زیادہ فاصلہ پر نہو۔

(۳) مرئی بہت قریب بھی نہو۔

(۴) رائی اور مرئی کے درمیان میں کوئی زیادہ کثیف جسم حائل نہو۔
(۵) مرئی ذولون (رنگ والی یا رنگین) ہو اسلیے کہ شفاف جسم (مثلاً ہوا) کا ہم ادراک بصری نہیں کرسکتے۔
(۶) مرئی روشنی میں ہو یا کم از کم اوسپر شعاعیں پڑ رہی ہوں۔
(۷) آلات بصری سالم ہوں
(۸) رائی اور مرئی کے درمیان میں سیّال مادّہ ہو جسمیں آسانی سے روشنی کی لہریں پھیل سکیں۔

متکلمین اشاعرہ کے علاوہ ہر ایک کا یہ خیال ہے کہ اگر ان شرائط میں سے ایک ہی معدوم ہوگی تو مرئی کا ادراک نہیں ہوسکتا امام غزالی اپنی کتاب مقاصد میں پہلی شرط سے انکار کرتے ہوے لکھتے ہیں۔

(۱) جب ہم آنکھہ بند کر لیتے ہیں تو اپنے آپکو دیکھتے ہیں حالانکہ ہم اپنے سامنے موجود نہیں ہوتے۔
(۲) آئینہ میں ہم اپنے آپ کو دیکھتے ہیں لیکن ہم اپنے سامنے نہیں ہوتے۔

علامہ ابن رشد اندلسی نے فصل المقال میں ان اعتراضوں کا یہ جواب دیا ہے۔

لایخفیٰ ان الادراک الاول ادراک عقلی والثانی فلینظرالرجل فی المرأۃ تجد لانفسہ۔

یعنی ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں ادراک عقلی ہے اور دوسری صورت میں انسان اپنی تصویر آئینہ میں دیکھتا ہے نہ اپنی ذات کو۔

واللہ اعلم بالصّواب

سید ابوالحسن الہ آبادی

دُکھی کی پُکار

قوم کو مشہور اہل قلم مولانا مصطفٰے صاحب خیر آبادی کا کلام ہماری تعریف کا محتاج نہیں
ہم اس نظم کیلئے جو تمدن کے واسطے قابل فخر ہے اپنے مکرم مولوی محمد عبدالعزیز صاحب کے
ممنون ہیں جنکی وساطت سے ہمیں یہ میسر ہوئی

او رگ رگ کے پرکھن ہارے　اوپرکھن ہارے رگ رگ کے　او جگ داتا داتا جگ کے
سب میں تو سب تجھسے خالی　اوبن والی سب کے والی　او سگری جگ کے داتا رے
اوسچے جھوٹے کے مالک　ڈھب سے باہر او پھر ڈھب میں　سب تجھسے خالی تو سب میں
اومالک سچے جھوٹے کے　اومالک ٹوٹے پھوٹے کے　اوٹوٹے پھوٹے کے مالک
مالک کھوٹی اور کھری کے　کھوٹی اور کھری کے مالک　سوکھی او رہری کے مالک
میٹھی اور کھری کے وارث　چھوٹی اور بڑی کے وارث　مالک سوکھی او رہری کے
اوایسی ویسی کے والی　وارث چھوٹے اور بڑے کے　وارث میٹھے اور کھرے کے
اووالی ایسی ویسی کے　اووالی جیسی تیسی کے　اوجیسی تیسی کے والی
اوبے پروا پروا والے　جیسا چاہے تیسا کر دے　ایسی کو تو ویسا کر دے
تو موجود ہے آگے آگے　کیونکر کوئی تجھ سے بھاگے　سب بے پرہیں باز دڈالے
اوان دیکھے دیکھے بھالے　مالک ہے جس حال میں رکھے　چاہے جس جنجال میں رکھے
دیکھے بھالے بن پہچانے　اوبولے چالے ان جانے　اوان بولے بولے چالے
اوسمجھے سمجھائے سب کچھ　بے سمجھے سمجھے سمجھائے　اوبن بوجھے بوجھ میں آئے
پہچانے پہچان کے اندر　اوبن جانے جان کے اندر　اوسیکھے سکھلائے سب کچھ
پردونکے جل دینے والے　اوگلچیں صحن بستاں کے　اومالی گلزار جہاں کے
دینے والے جل پھولوں کے　دینے والے پھل پھولونکے　پھولونکے پھل دینے والے

کانٹوں سے تو پھول نکالے پھولوں میں تو کانٹے ڈالے سوکھی شاخ میں کونپل پھوٹے
گیلی ڈال کے پتے توڑے او کانھا گوکل والون کے بوجھن ہارے بری حالونکے
او والی ہم بے وارن کے او راجہ سگری گوالن کے او بن باپ کے او بن مانکے
مالک دل کے مالک جانکے بے کھٹکے مرنے جینے سے بے پروا کھانے پینے سے
تیرا کوئی نہیں تو سب کا سب تیرے تو سب کے ڈھب کا تو سب کے ڈھب کا سب تیرے
سب تجھکو دن رات ہیں گھیرے او بگین کے ناؤ کھویا او بیڑے کے پار لگیتا
او منجدھار میں روکن ہارے او بپتا کے ٹوکن ہارے او ٹوکن ہارے بپتا کے
او روکن ہارے نیّا کے او بیونکے بانھہ گھیتا او دکھین کے دکھ پوچھویا
او پوچھویا ہم جیسن کے او جگویا رات اور دن کے میرا حال ہے تجھپر روشن
ہر جنجال ہے تجھپر روشن تو دانا ہے اور تو بینا تیرے ہاتھ ہے مرنا جینا
آنسو ہوں ڈھل جانے والا پہلو ہوں جل جانے والا جل جانے والا پہلو ہوں
ڈھل جانے والا آنسو ہوں دن ہوں لیکن رات سے بدتر موسم ہوں برسات سے بدتر
گھر ہوں لیکن کچھہ اجڑا سا کام ہوں لیکن کچھہ بگڑا سا محمل ہوں لیلے سے خالی
اپنی بات نہ ہونے والی بات نہ ہونے والی ہوں میں گود کسی کی خالی ہوں میں
پھول ہوں لیکن رنگ نہیں ہے نرگن ہوں کچھہ ڈھنگ نہیں ہے مال وہ ہوں جو کام نہ آوے
دل جسکو آرام نہ آوے او فریاد کے سننے والے کانٹے دل سے چننے والے
او سجدہ کروانے والے او اللہ رمانے والے او عاشق طیبے والے کے
او شیدا دیکھے بھالے کے کون وہی محبوب اکرم صلّ اللہ علیہ وسلّم
صدقہ اوسکی زیبائی کا صدقہ اوسکی رعنائی کا صدقہ اوس کمل والے کا
صدقہ اوس خنگل والے کا اوس یثرب والے کا صدقہ پیاری چھب والے کا صدقہ
صدقہ اوس صورت والیکا صدقہ اوس امّت والے کا صدقہ اوسکے نام کا صدقہ

اسکے دین اسلام کا صدقہ اُسکے حسنِ پاک کا صدقہ اُسکے در کی خاک کا صدقہ
صدقہ اوسکی لاج کا صدقہ اس شاہِ معراج کا صدقہ صدقہ اوسکی چال کا صدقہ
صدقہ اوسکی آل کا صدقہ فاطمہ زہرا کا صدقہ اُسکے نقشِ پا کا صدقہ
صدقہ اور حسنین کا صدقہ صدقہ اور سبطین کا صدقہ اُنکی تشنہ لبی کا صدقہ
اُس آل عربی کا صدقہ ان سب کے صدقوں کا صدقہ اپنے کل بندوں کا صدقہ
آس میرے دلکی پوری کر دور یہ مرحلہ دوری کر اپنے پاس بلالے داتا
چین نہیں فرقت میں آتا تیرا ہوں تو اپنا کرلے اپنے پاس بلاکر دہرے
دنیا میں کیا خاک دھرا ہے کوئی جیا ہے کوئی مرا ہے توباقی۔ باقی سب فانی
کب ٹھرا ہے بہتا پانی کوئی نہیں دنیا میں میرا یا معبود سہارا تیرا
جو ملیگا مطلب کا گرجی مورے بھاگ تمہاری مرجی کیسے باپ کہاں کے بھیّا
کیسی بہنی کسکی میّا کیسی جورو کس کا جاتا سب سے سچا تیرا ناتا
او میری سدھ لینے والے او بن مانگے دینے والے او کرتار خدائی والے
او یکتا بن بھائی والے او ہر پھول میں کھلنے والے او ہر رنگ میں ملنے والے
ملنے والے ہر ہر شے میں ہر ہر دھن میں ہر ہر لے میں ہر ہر تار کے اندر تو ہے
کل سنسار کے اندر تو ہے کوئی نہیں ساتھی بگڑے کا سر سو ہے تورے یہ ٹیکا
بخشش کی کچھہ آس نہیں ہے اچھی پونجی پاس نہیں ہے پلّے نیکی ایک نہیں ہے
چھوڑ چلے سب ناتے والے بیٹھی ہیں نفرت گھر گھالے یار خفا ہے دشمن ٹیڑھا
ناچ نہ آوے آنگن ٹیڑھا او تصویر بنانے والے او تقدیر بنانے والے
ایک مجھے سو دکھہ ہیں گھیرے اسکے اُسکے میرے تیرے کچھہ غم اپنی ویرانی کا
کچھہ غم چاک گریبانی کا کچھہ غم دنیا کے دھندھوں کا کچھہ غم دنیا کے بندوں کا
کچھہ غم اونکی ناچاقی کا کچھہ فانی کا کچھہ باقی کا کچھہ غم گھر کی بربادی کا

کچھ غم اپنی ناشادی کا عیش کا میرے گھر ٹوٹا ہے رنج بہت ہیں دل چھوٹا ہے
قسمت والا بدقسمت ہو لیا بدقسمت کی بگڑی مت ہوں بگڑی مت ہوں بدقسمت کی
پھوٹی قسمت اپنی مت کی جسکو چاہا صدمے جھیلے خالی مولی پاپڑ بیلے
معشوقوں سے چین نہ پایا جز حسرت کچھ ہاتھ نہ آیا کچھ قدر سادات نہ جانی
دمڑی کی اوقات نجانی ملنا چھوڑا بیٹھ رہے گھر پاس رہے پردیس برابر
کوئی کسی کا ہوتا ہے کب دنیا ہے اور اپنا مطلب کوئی نہیں روتے کا ساتھی
جو ہے وہ ہوتے کا ساتھی او باقی رہجانے والے او ساقی رہجانے والے
پیاسا ہوں پانی پلوادے تو مل جا سب کو ملوادے تیرا ملنا سب کا ملنا
سب سے بہتر رب کا ملنا ملجا اور ملادے یا رب بگڑا کام بنا دے یا رب
تیری یاد میں سبکو بھولوں بارہ ماس برابر پھولوں اپنوں کو بیگانہ جانوں
غیروں کو دیوانہ جانوں تورا دھیان ہو توری دھن ہو تورے گیان کا نیکا گن ہو
کوی پاس نہ بھٹکے داتا من بے ٹھور نہ بھٹکے داتا بھٹکے بھی تو تیرے مارے
مرجاے من میرے مارے ایک جگہ رہنا سہنا ہو اچھے بھاگ بھلا لہنا ہو
ٹاٹ کا ٹکڑا بستر ٹھیرے ہاتھ کے تکیہ پر سر ٹھیرے من ہو اور استھان گرو کا
دونوں آنکھیں لال بھبوکا سارے تن پر راکھ ملی ہو اور ہی کچھ جیتون بدلی ہو
کمل میں خوش حال رہو نمیں ہردم لالوں لال رہوں میں مٹھی پاس پھیلی مائی ہو
چھوٹی سی ستیل بانی ہو رین دنا توری آسا ہو تورا ہاتھ مورا کاسا ہو
جو مانگوں سو توسے پاؤں اور کہوں مانگن نا جاؤں او سگری مایا کے مالک
او سگری کایا کے مالک او مالک سگری کایا کے او مالک سگری مایا کے
کایا کے مایا کے مالک مایا کے کایا کے مالک او مایا کا یا کے مالک
او کایا مایا کے مالک یا کے مالک وا کے مالک جا کے مالک تا کے مالک

بے مایا ہوں مایا دیدے دھوپ کے بدلے سایا دیدے سایا دیدے دھوپ کے بدلے
روپ دکھلا بہروپ کے بدلے موت اب آئے کوئی دم میں ہوں دن رات اسی کے غم میں
اکدن میری جان ہے جانی پھر کس برسے تتا پانی او مضطر کے پیارے مالک
جگ بھر کے او جیائے مالک پیارے مالک دنیا بھر کے او پیارے مالک مضطر کے
او مضطر کی سننے والے او اُدھڑی کے بُننے والے او مضطر کے پوچھن ہارے
او مضطر کے داتا پیارے او پیارے داتا مضطر کے او پوچھن ہارے مضطر کے
او دکھیا مضطر کے وارث او مکھیا مضطر کے وارث او وارث مکھیا مضطر کے
او وارث دکھیا مضطر کے او اپنے بندوں کے آقا او حاجتمندوں کے آقا
او آقا حاجتمندوں کے او آقا اپنے بندوں کے او مضطر کے سچے آقا
تو پکا سب سچے آقا او سب کے ان دینے والے آپ دھنی دھن دینے والے
او رزاق بھلے چنگوں کے سائیں اپنے بھک منگوں کے قادر ہے تو قدرت والا
نادر ہے تو ندرت والا جو چاہے تو کر دے پل میں چاہے آگ لگا دے جل میں
چاہے رات بنا دے دن کو ممکن کر دے ناممکن کو سر پھیرے سر پھیر کے گھیرے
پھیرے گھیر کے پھر سر پھیرے منہ موڑے منہ موڑ کے چھوڑے چھوڑے چھوڑ کے پھر منہ موڑے
دُکھ ڈالے دکھ ڈال کے ٹالے ٹالے ٹال کے پھر دُکھ ڈالے بس گھولے بس گھول کے ڈھولے
ڈہولے ڈھول کے پھر بس گھولے دل توڑے دل توڑ کے جوڑے جوڑے جوڑ کے پھر دل توڑے
سمجھے کون تری باتوں کو ان رمزوں کو ان گھاتوں کو اپنی باتیں تو ہی جانے
اور کوئی کیونکر پہچانے او مضطر کے سکھ کے ساتھی او مضطر کے دکھ کے ساتھی
دکھ کو سکھ کر دینے والے سکھ کو دکھ کر دینے والے سکھ کے مالک دکھ کے مالک
او میرے دکھ سکھ کے مالک دکھ کے بعد سکھی تو کیجیو سکھ کے پاچھے دُکھ نا دیجیو
بس مضطر کب تک روئے گا ڈالے داغ وہی دھوئیگا

اُردو زبان کس قدر وسیع ہو سکتی ہے

مروج یا معلوم زبانوں میں غالباً ایک اردو ہی ایسی زبان ہے جسکا سنہ ولادت نہیں تو زمانہ ولادت سب جانتے ہیں ورنہ اور زبانوں میں سے کسیکی ہسٹری معلوم ہو تو بھی اوسکے آغاز کی کیفیت ضرور ہوش وحواس کی گرفت سے باہر ہے۔ اور نیز کم ازکم قدیم زبانوں سے اردو کا اسبارہ میں بھی تفاوت ہے کہ اُسکی ولادت شہر میں ہوئی ہے۔ ورنہ قدیم زبانیں بالعموم ایسے وقت میں پیدا ہوئی ہونگی جبکہ اونکے موجدوں کو شہریت اور مجتمعہ آبادی کا ڈھنگ بھی نہ آیا ہوگا۔ کم ازکم سنسکرت اور عربی کو تو ایسا ہی پایا ہے سنسکرت بولنے والونکا ہندوستان میں اُوسوقت اُنیکا پتہ ملتا ہے جبکہ وہ دہقانی اور صیادانہ زندگی بسر کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگونکی زندگی جنگلوں یا چھوٹے گائوں میں بسر ہوتی ہوگی اور اس سے بڑھکر عربی کی نسبت یقین ہے کہ وہ بدویوں اور خانہ بدوشوں کی زبان ہے اور اب جبکہ عربی نے شہروں اور ملکوں پر تصرف کر لیا ہے ابتک بھی فصیح زبان بدویونکی سمجھی جاتی ہے اور شہروں کے زبان خواہ اسی ملک عرب کے شہروں فصاحت میں کمتر مانی جاتی ہے۔ یہی حال اور زبانونکا بھی ہوگا۔ کیونکہ جب زمانے کی قدیم روش یہی خانہ بدوشی اور صحرائی زندگی ہے تو جو زبان قدامت کا فخر رکھتی ہے اوسکی ولادت بھی اسی حالت میں ہوئی ہوگی۔ اور پھر جنگلوں اور گائوں میں پیدا ہوکر ابتدا میں زبان کے اندر وہی الفاظ ایجاد ہوئے ہونگے جنکی ضرورت صحرائی سادہ زندگی میں ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اِس حالت میں زبان کے اندر بہت ہی مختصر سرمایہ اور بہت ہی کم الفاظ ہونگے۔ اُسوقت سادہ سادہ آلات کاشتکاری اور بہت تھوڑے اسلحہ مدافعت یا شکار کیلئے درکار ہوتے ہونگے اور محض سادہ اجناس اور

آلات کا لین دین کرنے کو زبان کی ضرورت پیش آتی ہوگی لیکن پھر عقل و شعور اور تہذیب و تمدن میں ترقی کرنے پر اور صحرائی زندگی کو شہریت اور سوسائٹی میں بدلنے پر نئی چیزیں نئے سامان اور نئے کاروبار پیدا ہوتے ہوں گے اور زبان کو ترقی پانے کا موقع ملتا ہوگا۔ اور آیندہ کیلئے کوئی قوم جسقدر تہذیب و تمدن میں ترقی کرتی جاتی ہوگی اوسیقدر اوسکے الفاظ کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہوگا اور حسب ضرورت استعارے کنائے ضرب الامثال اور تشبیہیں پیدا ہوتی رہتی ہونگی حتیٰ کہ ایک وقت پر وہ قوم علوم و فنون کو اپنی زبان میں لانے کا شوق کرتی ہوگی اور اسطرح کی جد و جہد سے زبان میں علمی اور اصطلاحی الفاظ اور عالمانہ مضامیں ادا کرنے کے قابل محاورات داخل ہونے کے بعد اُس زبان کو وسیع مہذب اور مکمل زبان ہونے کا فخر حاصل ہوتا ہوگا۔ اور اگرچہ دنیا میں کمال کسی چیز کو حاصل نہیں اور ترقی کا رستہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور اسلئے کسی قوم اور کسی زمانہ کے علوم و فنون اور اونکے ساتھ اُسوقت کی زبان بھی کسی حد پر جاکر ٹھہر نہیں سکتی اور اگر قوم میں جذبہ ترقی موجود رہے تو اسکے علوم و فنون اور اسکی زبان غیر متناہی ترقی کے قابل ہے اور کسی حال میں مکمل نہیں کہلا سکتی۔ تاہم جب کسی زمانہ میں ابتدائی ذرائع زیست یعنی کاشتکاری اور گلہ بانی کے متعلق اور اعلی مدارج زندگی یعنی شہریت اور اسکے کاروبار اور تکلفات کے متعلق اور روحانی زندگی یعنی علوم و فنون کے متعلق الفاظ کا کافی ذخیرہ موجود ہو تو اسکو وسیع اور بدیں وجہ کامل کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے علاوہ آیندہ مدارج ترقی میں ساتھ دینے اور متوقعہ ضرورتوں کو پورا کرنے کی امید ہے

غرض زبان کے مکمل اور وسیع ہونے کی صورت میرے خیال میں یہی ہے کہ اسمیں دہقانی اور شہری اور علمی ضرورتوں کے لیے الفاظ کا ذخیرہ موجود رہا

اوراس قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر جب ہم اردو کو دیکھتے ہیں تو اس میں ابتدا سے شہری ضروریات اور شہری تکلفات کا سامان موجود پاتے ہیں اور اس سے پہلے درجہ کا سامان یعنے دیہاتی ضرورتوں کے الفاظ اور زراعت کے متعلق مختلف اصطلاحیں اگرچہ حقیقت میں اردو کی ملکیت نہیں ہیں کیونکہ وہ شہر میں رہی ہے تاہم چونکہ شہروں اور گاؤں کا باہم تعلق ہے اگر ضرورت ہو تو وہ الفاظ اردو میں بخوبی استعمال ہوسکتے ہیں - اور اس سے آگے کا سلسلہ یعنی علمی اور اصطلاحی الفاظ انکی جانب ابھی تک توجہ نہیں ہوئی - اور جیساکہ واویلا کیا جا رہا ہے اور ضرورت محسوس ہوتی ہے اگر کبھی اسطرف توجہ ہوئی تو جس صورت سے علمی الفاظ اور زبانوں میں ایجاد ہوا کرتے ہیں اسیطرح اردو میں بھی ہونے ممکن ہیں یعنی اور زبانوںمیں کچھہ تو خود اپنے مصادر اور مادوں سے نئی شکلیں ایجاد کیجاتی ہیں اور کچھہ علمی سبقوں کے ساتھہ غیر زبانوں کے الفاظ بھی سیکھتے جاتے ہیں اور اپنی زبان میں استعمال کرنے لگتے ہیں - اور ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے مصادر سے اسیقدر الفاظ نکل سکتے ہیں جسقدر مصادر پہلے وضع ہو چکے ہیں اور وہ کسی زبان میں کم ہیں کسی میں زیادہ - اور غیر زبان سے لفظ لینے کے وقت اکثر زبانیں بہت تامل کرتی ہیں اور اس تامل کی علامت یہ ہے کہ لفظ کو اسکی اپنی شکل اور تلفظ پر رہنے نہیں دیا جاتا بلکہ خود اپنی شکل اور اپنے تلفظ کا کچھہ نہ کچھہ سایہ ڈال کر اور معرب بالفرس ذخیرہ بناکر استعمال کیا جاتا ہے - اور اسکے خلاف ادہر اردو کا یہ حال ہے کہ اسکا اپنے مصادر کا سرمایہ ایک لحاظ سے کچھہ بھی نہیں کیونکہ یہ بنی ہی بن بن کی لکڑی سے ہے اور ایک لحاظ سے جسقدر اندرونی سرمایہ اسکے پاس موجود ہے اور کسی زبانمیں ممکن نہیں کیونکہ عربی فارسی سنسکرت تین تین وسیع اور علمی زبانیں اسکی امہات میں داخل ہیں اور یہ اون میں سے شیر مادر

کیطرح کسی کا لفظ لیلے اجنبی معلوم نہیں ہوتا۔ اسطرح جسقدر ذخیرہ اسکے تصرف میں ہے وہ اور زبانوں میں کہاں۔ اور نیز ان تینوں کے علاوہ اور زبانوں کے الفاظ جو علوم یا دیگر کاروبار کے ساتھہ آئیں اردو کو دوسری زبانوں کیطرح اُنسے کوئی تعصب نہیں۔ چنانچہ اجنبی الفاظ کی جہاں عربی اور فارسی وغیرہ میں آکر ایسی گت بنتی ہے کہ پہچانے نہیں جاتے جیسے لاندرہ (لنڈن) اطریش (آسٹریا) دقطور (ڈاکٹر) سیتہ (سٹی) وہاں اردو میں انکو سر آنکھوں پر جگہہ دیجاتی ہے اور میلا ہاتھہ نہیں لگنے پاتا اور اسیطرح امن و امان سے رکھے ہوتے ہیں گویا اپنے گھر میں ہیں یعنی وہی تلفظ اور وہی لہجہ۔ اور اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ اہل ہند غیر ملکوں کے لب ولہجہ کی نقل کرنے میں جو کمال رکھتے ہیں دنیا کی کسی قوم میں نہیں ۔ انگریز ہندوستان میں عمریں بسر کرتے ہیں۔ کابلی ایرانی اور عرب اکثر آتے رہتے ہیں مگر بہت کم لفظ یہاں کے لب ولہجہ کے مطابق ادا کرسکتے ہیں اور ہندوستانی سب نہیں تو اکثر اور سب کچھہ نہیں تو بہت کچھ اجنبی زبان کو اس قدرت سے ادا کرتے ہیں کہ اہل زبان کا دھوکا ہوتا ہے اور دوسرے جہاں اور زبانوں میں غیر زبان کی بعض آوازوں کیلیے حروف نہیں ہوتے وہاں اردو میں اکثر مروجہ زبانوں کے قریبًا تمام آوازوں کے لئے حروف موجود ہیں اور غیر زبان کا لفظ آتا ہے تو اسکو مناسب حال حروف میں لکھا جا کر صحیح بولا جاسکتا ہے۔

اردو کے ان اوصاف کو دیکھکر یقین ہوتا ہے کہ اسمیں ترقی کرنے اور تمام کاروباری اور علمی خیالات کو لینے کی قابلیت اکثر زبانوں سے زیادہ ہے اور چند ایک وسیع زبانوں کے مادّی سرمایہ پر قبضہ رکھنے اور غیر الفاظ کو آسانی کے ساتھہ لینے کی وجہ سے اسکی دولت بے انتہا ہے اور ہم لوگ جو افسوس اور حسرت اپنی زبان کے وسعت کے متعلق ظاہر کیا کرتے ہیں اسکا باعث خود

ہماری کوتاہی اور غفلت ہے - ورنہ کوشش کریں تو زبان کو ترقی دینے کے تمام مدارج طے کر سکتے ہیں اور ضرورت ہے تو اسیقدر کہ ہم لوگ علوم کیطرف توجہ کریں اور انکو اپنی زبان میں لانے کی ٹھان لیں - پہلے جو کام کیا جاتا ہے ضرور مشکل معلوم ہوتا ہے مگر عزم صادق کرنے کے بعد دیکھیں گے کہ الفاظ کی وجہ سے کبھی دقت پیش نہ آئیگی -

مگر مینے ابھی تک اردو کا روشن پہلو دیکھا ہے اور اسکے متعلق ایک امر میں غور کرنا باقی ہے اور وہی ایک دقت ہے جو میرے خیال میں اردو کی ترقی کو روکتی ہے اور کوشش کرنے والوں کا حوصلہ پست کیے دیتی ہے - زبان کا سرمایہ بیشک الفاظ ہوتے ہیں مگر صرف الفاظ ہی پر زبان کا مدار نہیں بلکہ الفاظ کو ترکیب دینا اور کسی کو آگے اور کسیکو پیچھے رکھکر کلام کو موزوں کرنا جسکو محاورہ کہتے ہیں بھی ایک کام ہے اور اردو کی یہ کیفیت ہے کہ وہ ایک خاص شہر میں پیدا ہوئی ہے اور اوس شہر میں الفاظ کو ترکیب دینے کا جو دستور یعنی محاورہ تھا اسکو اردو کا جزو لاینفک گردانا گیا ہے - البتہ واقعات نے پلٹا کھایا اور اردو کے مولد یعنے دلی پر آفت آئی - خدام سخن یعنے شعرا اور اہل تصنیف کی توقیر نرہی اور اُدھر دربار لکھنؤ نے قدر افزائی کے دریا بہائے سب باکمال سمٹ کر وہاں جا بسے - اور پھر یہ بھی قانون قدرت تھا کہ دو شہروں کا لب ولہجہ اور محاورہ ایک نہو تخم دلی کا تھا مگر لکھنو کی سرزمین میں پرورش پانے سے رنگ روپ میں کچھ نہ کچھ فرق پڑ گیا اور یوں ایک شہر کے بجائے دو شہروں کے محاورہ پر اردو کا انحصار ہو گیا اگرچہ میر تقی اُسوقت بھی جامع مسجد کی سیڑھیوں اور گدڑی کے بازار کو اردو کی ٹکسال کہتے رہے اور زبان بگڑنے کے ڈر سے راہ چلتے بات کرنی گوارا نہ کی مگر زمانہ کا ہاتھ زبردست تھا ان کی کون سنتا - دلی کے ساتھ لکھنو برابر کا

حق دار قرار پایا اور حسین آباد کے مرثیوں نے لال قلعہ کی غزلوں کے برابر سند بننے کی عزت حاصل کی۔ دلی کی بربادی اور اہل سخن کے جلا وطنی کا ایک نتیجہ خوشگوار نکلا کہ جہاں پہلے دلی کے محاوروں کے خلاف یوں غلط سمجھا جاتا تھا وہاں یہ عذر پیدا ہو گیا کہ دلی نہیں تو لکھنؤ والے ایسا کہتے ہیں اور محاورہ میں ذرا وسعت آگئی۔ مگر پھر بھی زبان کیلئے دو شہروں کی کیا حقیقت ہے۔ وہ چاہے کیسے ہی بڑے شہر ہوں اور کتنے ہی بڑے بڑے کاروبار کے متعلق بول چال کا اتفاق ہوتا ہو پھر بھی وہ محاورے محدود تھے اور زبان کو وسیع اور علمی زبان بننے کے لیئے جس طرح ہر دو شہروں میں استعمال ہونے والے الفاظ کافی نہیں ہیں اور آیندہ اور الفاظ ایجاد کرنے کی ضرورت ہے اسیطرح الفاظ کے برابر نہ سہی الفاظ سے کم مگر پھر بھی بہت بڑی مقدار مختلف طرز ادا اور محاورات کی درکار ہے اور الفاظ کی طرح اس غرض کو بھی دو شہر پورا نہیں کر سکتے۔ اور بد قسمتی یہ کہ لکھنؤ کے بعد پھر کہیں نہ اہل سخن کا وہ جمگھٹا ہوا اور نہ اور محاورات نے زبان میں دخل پایا اور مان لیا گیا کہ اردو وہ ہے جو دہلی یا لکھنؤ کے محاورہ کے مطابق ہو۔ اور اسلیے دوسرے شہروں کا کوئی کیسا ہی قادر الکلام سخنور ہو اسکے کلام میں ذرا کوئی محاورہ دونوں شہروں کے خلاف آیا اور اسے غلط اور کہنے والے کو اردو سے ناواقف قرار دیا گیا۔ اور یہ دلی اور لکھنؤ کا ایسا رعب بیٹھا کہ اب اکثر اہل علم جو علوم و فنون کے ذخیرے اردو میں جمع کر سکتے ہیں ترجمہ کرتے ہوئے یا کتاب لکھتے ہوئے جھجکتے ہیں + کہ ہم دلی یا لکھنؤ کے محاوروں کے

+ میں نے اکثر اپنے گریجوایٹ دوستوں سے درخواست کی ہے کہ انگریزی کے عمدہ خیالات کو اردو میں ترجمہ یا تصنیف کریں اور بعض اوقات کسی خاص کتاب پر زور دیکر اور اسکی ضرورت کا قائل بنا کر کہا ہے تب بھی وہ بالعموم یہی جواب دیتے ہیں کہ "اردو لکھنا نہیں آتا مجبور ہیں" اور انکا

قدرت نہیں رکھتے مبادا غلط اردو لکھکر زبان دانوں کی ملامت کا نشانہ بنیں اور
اور واقع میں جو شخص اپنے شوق سے مجبور ہوکر یا کوئی برخود غلط اپنے تئیں دہلی اور
لکھنؤ کے اردو کا ماہر جانکر کوئی تصنیف کر بیٹھتا ہے تو زبان کے ٹھیکہ دار اُسے پنجابی
اردو یا دکھنی اردو کہکر پلّے نہیں باندھتے۔ اور در حقیقت ہے یہ تکلیف مالایطاق
کہ کوئی شخص پیدا ہو اور شہر میں اور اس سے بولنے کے وقت دلّی کی تقلید میں سرمو
لغزش نہو۔ بلکہ جس طرح ہر شہر کے عادات اخلاق اور رسم و رواج میں اختلاف
ہوتا ہے اور ممکن نہیں کہ دو شہر ہر بات میں یکساں ہوں اسی طرح الفاظ کو ترکیب
دینے اور اسماء و افعال کے ساتھ حروف کو ملانے میں بھی ہر شہر کا اندازہ جدا ہوتا ہے
اور ناممکن ہے کہ اہل شہر اپنے شہر کے انداز کو بالکل بھول جائیں۔

غرض زبان ہو تمام ملک کی اور اسکی صحت کا اجارہ صرف دو شہروں کو
دیا جائے یہ محض اردو ہی کا خاصہ ہے جو اور کسی زبان میں نہیں اور یہ پیدا ہوا
اسلیے کہ دلّی اور لکھنؤ جیسے دار الخلافہ اردو کے قرار پائے اور اُنہوں نے
اپنی طلاقت کے آگے کسیکو بات کرنے کے قابل نہ سمجھا۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ
عربی جنگل میں پیدا ہوئی جب شہر بسے اور شہر والوں نے اسمیں تراش خراش
کی تو جنگل والوں کی کیا مجال تھی جو اُنکے مُنہ آتے وہ جسطرح شہر والوں کے
رسم و رواج اور تکلفات سے مرعوب ہو جاتے ہیں اسیطرح انکے طرز کلام پہ
بھی دبول سکے۔

باقی آیندہ۔

(محمد محمود علی)

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳) مطلب اس سے دلّی یا لکھنؤ کی اردو ہوتا ہے ورنہ رواجی اردو
خاصہ بولتے اور لکھ سکتے ہیں۔ اور اُدھر بھاکھا یا گورمکھی میں چونکہ ایسی ہندی کی چندی
نکالی نہیں جاتی اسلئے بھاکھا ترقی کرتی جاتی ہے اور گورمکھی کرلے گی۔

اُڑتی ہوئی تیتریاں

دو تیتریاں ہوا میں اُڑتی دیکھیں — اک سمت میں سو طرف کو مڑتی دیکھیں
بھولی، خوش رنگ، چست، نازک، پیاری — پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری
پھرتی ہے کہ برق کی طبیعت کا اُبھار — تیزی ہے کہ آنکھ کو تعاقب دشوار
جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قائم — وہ بھی ہے بلا زیادت و کم قائم
گو تابع جوشش برق پروازی ہیں — دونوں کے خطوط طیر متوازی ہیں
کیونکر میں کہوں کہ یہ نظر بندی ہے — اللہ اللہ کیا ہنر مندی ہے
ان جانوروں میں گرل اسکول کہاں — فطرت کے چمن میں صنعتی پھول کہاں
کس بزم سے ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں — پریاں اندر کی جس سے شرمائی ہیں

اس سمت اگر خیال انسان بڑھ جائے
دامان نظر پہ رنگ عرفاں چڑھ جائے

(اکبر)

یاسمین — پروفیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم اے مصنف خواب ہستی کا دوسرا ناول اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کے واسطے عرصہ سے لوگ بے چین تھے ہے بنے تیار ہو گئی اس کتاب میں قابل مصنف نے بنگالہ کی ایک نازنین یاسمین کا ناولسہ اس قدر دلچسپ اور پر لطف لکھا ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے قابل مصنف کا اسم گرامی بتا سکتا ہے کہ کتاب کس پایہ کی ہو گی قیمت (عہ)
منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجیے۔

ملکی کفایت

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہم دیکھتے ہیں کہ باغ جہاں میں وضع وضع کے پودے اور رنگ برنگ کے پھول پیدا ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کی گھاٹیاں اور چشموں کے کنارے ان خودرو پودوں سے سے پٹے پڑے ہیں جنکو دست قدرت نے اپنی نیرنگی کا کرشمہ دکھانے کے لئے اس خوبی کے ساتھ زینت دی ہے۔ ہر پھول کا رنگ جدا۔ ہر کلی کی بناوٹ انوکھی۔ ہر پتے کا ڈھنگ نرالا غرض ہر بات میں اختلاف عیاں ہے مگر اس اختلاف کے ساتھ ہی گلشن عالم میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو گلاب کے چھوٹے سے پودے سے لیکر بڑ کے جنگلی درخت تک یہی واحد پائی جاتی ہیں مگر جنکے دیکھنے کے لئے نظر تحقیق درکار ہے جس طرح گلاب کی جڑ کو پانی کی نمی چاہئے۔ اسیطرح بڑ کی جڑیں تلاش آب میں زمین کے اندر ہی اندر سرنگ لگاتی ہیں جسطرح گلاب کے پتے ہوا میں سے آکسیجن چوسنے کے لئے دن بھر اپنا مونہ کھولے رہتے ہیں اسی طرح بڑ کا ہر پتا اس ہوا کو جذب کرتا رہتا ہے جس طریقہ سے بڑ کا گھن دار پیڑ چھوٹی سی چھوٹی شاخ کو خوراک پہونچا کر اپنی ظاہری پوشش ترو تازہ رکھتا ہے اسی طرح گلاب کا پودا بھی اپنی ننھی ننھی نازک رگوں کے ذریعے ہر پتی اور کونپل کے مونہ میں خوراک پہونچاتا ہے اس دنیوی چمن کے انسانی پودوں کا بھی یہی حال ہے۔ رنگ برنگ کے گل بوٹوں کی مانند انسان کی طبائع بھی مختلف المزاج ہوتی ہیں مگر اصول ہستی عام مخلوق میں یکساں ہے۔ نسل انسان میں اگرچہ دیکھنے میں کوئی کالا کوئی گورا کوئی بھورا ہوتا ہے اور ہر ایک کی طبیعت ایک دوسرے سے جدا۔ عادات علیحدہ۔ حاجات مختلف

مگر زندگی کے چند قوانین ہیں جن کے سب آدمی پابند ہیں اور ان ہی ابتدائی اصولوں میں یگانگت کا پتہ چلتا ہے۔ ان قوانین میں جنکی اطاعت قدرت نے اہل دنیا کے لئے واجب قرار دی ہے ملکی کفایت کے علم کی بحث صرف ایسے قواعد سے ہے جو انسانی ضروریات سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی کے ضمن میں قانون اختلاف ہے۔ قدرت کی رنگارنگی کا عکس انسان کی طبیعت میں بھی موجود ہے اور اسکے ہر فعل سے پایا جاتا ہے کہ خدا نے اشرف المخلوقات کو اختلاف پسند بنایا ہے۔ کسی شخص کے پاس اگر ایک وضع کے کپڑوں کا جوڑا ہے تو دوسرا جوڑا وہ دوسری وضع کا بنوائے گا۔ اگر صبح کو ایک قسم کا کھانا کھایا ہے تو شام کو اور قسم کا کھانا کھانے کو جی چاہے گا۔ اگر کسیکو فوٹو لینے کا شوق ہے تو وہ ایک ہی شخص یا جگہ کے فوٹو نہیں لے گا۔ بلکہ مختلف شخصوں اور مختلف مقاموں کی تصویریں اتارے گا۔ درحقیقت ہم میں اختلاف کی طرف اسقدر طبیعت کا رجحان دیا گیا ہے کہ جس کی سینکڑوں مثالیں ہمارے روزمرہ کے کاروبار میں ملتی ہیں۔ مثلاً کوئی شخص اپنے دوست کے مکان پر ملنے جائے اور اس مکان کے دو راستے ہوں تو واپس آتے وقت اس کا اکثر یہی جی چاہے گا کہ چلو دوسری راہ سے واپس چلیں صرف اس وجہ سے کہ ایک قسم کا تغیر ہو جائے۔ انسان کے اختلاف پسند ہونے کا اقتضا یہ ہے کہ اسکی حاجات مختلف ہوں لیکن اس اختلاف کے ساتھ ہی ہماری ضروریات اپنی اہمیت کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے پیش آتی ہیں۔ ہوا اور پانی کے علاوہ سب سے اول ہم کو روٹی کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ہمارے پاس اشیائے خوردنی کفایت سے زیادہ مقدار میں موجود ہیں تو پھر یہ جی چاہتا ہے کہ مزے مزے کے کھانے پکوائیں اور ہمارے دسترخوان پر وضع وضع کے خوانِ نعمت چنے ہوں۔ لباس اتنا ضروری نہیں جتنی خوراک ضروری ہے لیکن اگر رزق کی طرف سے

بے فکری ہو جائے تو پھر تن ڈھانکنے کا خیال آتا ہے اور اگر خدا نے اتنا دیا ہے کہ اچھے اچھے کپڑے بنوا سکیں تو پھر ذاتی زیبایش اور آرام مدنظر ہوتا ہے۔ اسکے بعد رہنے کو مکان درکار ہوتا ہے جتنی آدمی کے پاس دولت ہو گی اتنے ہی بڑے عالیشان مکان میں اُسکا رہنے کو جی چاہے گا۔ غرض اسی طرح جب حیثیت کے موافق مل گیا تو فرش فاروش اور اس کی آرائش کا شوق دل میں پیدا ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس ایک حاجت کے بعد دوسری حاجت پورا ہونیکی غرض سے سامنے آتی ہے۔ چنانچہ اسی اصول کو جسپر یہ لاانتہا سلسلہ حاجات مبنی ہے علمی اصطلاح میں اصول تسلسل حاجات کہتے ہیں۔ حاجتوں کا یہ سلسلہ غیر منتہی ہے یعنے کہیں ختم ہونے والا نہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے اور اُس میں ترقی کا خمیر باقی ہے اُسوقت تک دولتمندوں کی خواہشات برابر بڑہتی رہینگی اور اسکا ثبوت ہم کو روزمرہ کی زندگی میں کافی طور پر ملتا ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جسکے پاس ایک مکان ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس دو ہو جائیں اور جسکے پاس دو ہیں وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ میرے پاس چار ہو جائیں اسی پیمانے پر یہ سلسلہ چلا جاتا ہے اور کہیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ دنیا میں ہم خواہ کتنی ہی دولت کیوں نہ پیدا کرلیں لیکن ہمیشہ ہم کو یہ محسوس ہو گا کہ ابھی اور چیز کی ضرورت ہے لہذا اگر کافی دولت پیدا کرسکتے ہیں تو وہ ایک قسم کی ہو گی اور سب وضع کی دولت کبھی اتنی پیدا نہیں ہو سکتی جو کفایت سے زیادہ ہو۔

کاریگروں اور کام پیشہ لوگوں کو اکثر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ جب ہر ایک چیز کل کے ذریعے بننے لگے گی تو پھر ہمارے پاس رزق کا وسیلہ کیا رہیگا اور اس بنا پر جب کبھی کسی چیز کو کل کے ذریعے بنانے کا کارخانہ کھولا جاتا ہے تو کاریگر اسکی سخت مخالفت کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دل میں سمجھ لیتے ہیں کہ جہاں کہیں کل آئی وہاں

سے ہماری روٹی گئی۔ یہ خیال کسی خاص ملک یا قوم تک محدود نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر قوم کے لوگوں نے اول اول کلوں کی سخت مخالفت کی ہے۔ چنانچہ انگلستان میں جو نہایت تعلیم یافتہ ملک خیال کیا جاتا ہے جب کلوں کا رواج شروع ہی ہوا تھا تو مختلف پیشوں کے کاریگروں نے ایکا کرکے یہ کوشش کی تھی کہ کلوں کو ہاتھ نہ لگائیں اور کام بند کردیں چنانچہ کام کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا اور اپنے کارخانداروں کو مجبور کرنے کی خاطر طرح طرح سے ناجائز زور ڈالا مگر آخر میں ان کو اپنی غلطی معلوم ہو گئی اور اب یہ زمانہ آگیا ہے کہ گھر کی جھاڑو تک کل کے ذریعہ سے دی جا سکتی ہے ان کی غلط فہمی کی بنا یہ تھی کہ اپنے ذہن میں وہ کام فقط کام کی خاطر کرتے تھے اور یہ نہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کام کرتے ہیں وہ اس غرض سے نہیں کہ سر پر ایک مصیبت ہے جسکا ٹالنا ضروری ہے بلکہ اس لئے کہ دولت پیدا کریں۔ چنانچہ انھوں نے جب دیکھا کہ ایک چیز جسکو ایک آدمی اپنا دن بھر خرچ کرکے شام کو تیار کرتا کرتا تھا کل کے ذریعے سے دن بھر میں اُس ساتھ کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں تیار ہوسکتی ہیں تو انھوں نے فوراً نتیجہ نکال لیا کہ بس اب ہماری روٹی گئی لیکن اگر وہ اس اصول کو سمجھ لیتے کہ کام کرنے کی مشقت اسوجہ سے اٹھائی جاتی ہے کہ دولت پیدا ہو اور دولت مجملاً کبھی اتنی پیدا نہیں ہوسکتی کہ لوگوں کو اس کی ضرورت نہ رہے تو اول ہی بہت سی قابل افسوس جہالت کا تدارک ہوجاتا اصل یہ ہے کہ اگر بازار میں ایک چیز کی اتنی افراط ہو گی کہ پبلک کو اسکی پرواہ نہ رہے تو بہت سی ایسی چیزیں بھی ہوں گی کہ جن کی لوگوں کو اشد ضرورت ہو اور جو کمیاب ہوں اس لئے اگر ایک قسم کی تجارت میں کاریگروں کی کم مانگ ہے تو ان کو اتنی دقت ضرور اٹھانی پڑے گی کہ دوسری قسم کا کام سیکھیں جسکے کاریگروں کی زیادہ مانگ ہے۔

اب دوسری توجہ کے قابل بات یہ ہے کہ ہم کسی چیز کا کارآمد یا بے فائدہ ہونا دریافت کریں۔ یہ معلوم کریں کہ کسی حالت میں ایک چیز کام کی ہے اور کسی حالت میں نہیں۔ اسکا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے آپ سے پوچھیں کہ آیا ہم کو فلاں چیز کی ضرورت ہے یا نہیں۔ ہم اوپر یہ لکھ آئے ہیں کہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں مثلاً ہوا پانی پتھر جو درحقیقت اجزائے دولت نہیں کہلائی جاسکتیں کیونکہ یا تو ہم کو ان کی ضرورت نہیں جیسا کہ پہاڑوں کے پتھر اور اگر ہے تو انکے حاصل کرنے میں ہم کو کوئی دقت نہیں اٹھانی پڑتی جب ہمارا جی چاہتا ہے مل جاتی ہے جیسے کہ ہوا۔ اکثر لوگوں کو کہتے سنا گیا ہے کہ پانی دنیا میں ازحد مفید شے ہے اور کوئی چیز اس سے زیادہ کارآمد نہیں۔ اسکے کارآمد ہونے میں کسیکو کلام نہیں ہوسکتا۔ مگر جب ہم یہ کہیں کہ پانی سب سے زیادہ کارآمد چیز ہے تو ہمکو یہ بھی ساتھ ہی کہدینا چاہیئے کہ اپنے موقع اور وقت پر کارآمد ہے اور یہ تخصیص ہر شے پر عائد آتی ہے۔ یہی پانی جو موسم گرما میں پیاسوں کی جان اور لوگونکے خشک گلوں کو تر کرکے ان میں نئی روح پھونکتا ہے برسات کے موسم میں اگر کفایت سے زیادہ برسے تو اپنی ضرر رساں تاثیر کو اچھی طرح ظاہر کردیتا ہے۔

گرمیوں کے دنوں میں جب آفتاب کی دہکتی ہوئی تھالی میں سے منہ جھلسنے والی شعاعیں خط مستقیم میں ہمارے سروں پر پڑتی ہیں اور جہاں تک نظر کام کرتی ہے سوائے نیلے آسمان کے بادل کا کوئی ٹکڑا نظر نہیں آتا۔ جب دھوپ کی طپش ہمارے پاؤں تلے کی زمین کو جلتے ہوئے توے سے زیادہ گرم کردیتی ہے اور لووں کے جھکڑ جلتی جلتی خاک آنکھوں میں بھرتے ہیں اور ہم لوگوں کو مارے گرمی کے مچھلی بے آب کی طرح تڑپتا دیکھتے ہیں اسیوقت ہماری آنکھیں ابر کا ایک ذرا سا ٹکڑا دیکھنے کو ترستی ہیں۔ اسوقت ہماری معمولی ضرورتیا

مقصد آرزو ہو جاتی ہے اور ہمارے دلوں سے بے ساختہ یہ دعا نکلتی ہے کہ یارب پانی کا ایک چھینٹا پڑ جائے۔ اگر اسوقت بارش ہو جائے تو ہم کو فوراً محسوس ہوتا ہے کہ پانی بھی خدا نے کیا نعمت عظمےٰ عطا فرمائی ہے۔ لیکن اگر یہی پانی ایسے وقت اور ایسی جگہ پڑے جہاں اسکی مطلق ضرورت نہیں مثلاً فصل کاٹنے کا زمانہ ہے کسان اپنی مہینوں کی محنت کا پھل دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔ آسمان پر سورج کی صورت اسکے دل میں جوش و خروش پیدا کر رہی ہے اسکو خوشی لگی ہوئی ہے کہ آج سے چوتھے روز میرے کھیت کی بالوں میں دانہ خوب بڑا بڑا ہو جائے گا اور جو اپنی لہلہاتی کھیتی میں ہوا کی سرسراہٹ کا تماشہ دیکھتا ہے اسکے اعضا میں انتہائے مسرت سے سنسنی پیدا ہوتی ہے۔ اسوقت سورج اس کے لئے سب سے بڑا مہربان دیوتا ہے اسکی تیزی اور گرمی اسکی جان ہے اگر اتفاق سے کوئی بادل کا ٹکڑا تھوڑی دیر کے لئے اس جگمگاتے ہوئے چشمہ نور پر نقاب ڈالدیتا ہے تو بچارے کسان کے چہرے پر غم کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں اور اگر ایسے وقت آسمان پر گھنگھور گھٹا چھا جائے اور موسلا دھار پانی پڑنے لگے تو پھر کوئی اسکے دل کی حالت پوچھے۔ آسمان پر گھٹا کیا ہوتی ہے گویا اس کے قلب پر رنج والم، حسرت و یاس کی تاریکی چھا جاتی ہے اور اسوقت حقیقت کھلتی ہے کہ یہی پانی جس نے اس پکی پکائی کھیتی کی آغاز میں اتنی خدمت کی اور اپنے اثر سے زمین کو نرم اور تر و تازہ کرکے تاز و نعمت کے ساتھ پالا آج اپنے پرورش کا آپ ہی بر باد کنندہ بنا ہوا ہے یہ کچھ مینہ کے پانی پر منحصر نہیں بلکہ جہاں کہیں بھی ہمکو اسکی ضرورت نہ ہو اور وہاں یہ موجود ہو جائے تو ہمیشہ خرابی کا باعث ہوگا۔ فرض کرو کہ ہمنے پتھر کا کوئلہ نکالنے کی ایک کان کھودنی شروع کی اور نیچے پہونچکر ہم کو معلوم ہوا کہ جوں جوں گہرا کھودتے جاتے ہیں پانی کی

سوتیں نکلتی آتی ہیں تو ظاہر ہے کہ وہاں پانی ہمارے لئے مفید نہیں البتہ اگر کنواں کھودیں اور وہاں خالص اور صحت بخش پانی نکلے تو وہ مفید اور کارآمد ہو گا۔ یہ بڑے بڑے اور قدیم دریا جو گنگا اور جمنا کے نام سے مشہور ہیں اور اپنے فیض سے ملک کے وسیع قطعات کو سیراب کرتے ہیں ان ہی میں جب کبھی غیر معمولی چڑھاؤ آتا ہے تو سینکڑوں قیمتی جانیں تلف ہو جاتی ہیں۔ انگریزی میں ایک مثل ہے جو فی الحقیقت دریا کو کوزے میں بند کرتی ہے اسکا ترجمہ یہ ہے کہ آگ اور پانی نہایت اچھے خدمتگار ہیں لیکن نہایت خراب آقا جسکا مطلب ظاہر ہے کہ جب تک یہ دونوں ہمارے اختیار میں ہیں جسطرح ہم چاہیں ان سے کام لیں اسوقت تک ہمارے کارآمد ہیں لیکن جہاں ہمارے اختیار سے باہر ہوئے اور اپنی مرضی کے موافق چلنا شروع کیا وہیں ہمارے ضرر کا باعث ہو گئے۔

اس بحث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ جہاں اور جتنی مقدار کی ہم کو خواہش ہو وہاں اور اتنی مقدار ہر ایک چیز کی ہمارے کام آتی ہے اور اسی لئے ہم اسکو کارآمد کہتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ ہم پر فراہمی دولت کے محدود ہونے کا عقدہ کھلتا ہے کیونکہ دنیا میں ایسی بہت ہی کم چیزیں ہیں جنکی ہم کو ایک حد سے زیادہ ضرورت ہو۔ یہاں جتا دینا ضروری ہے کہ ہماری حاجتوں کا بے شمار ہونا اور دولت کی پیداوار کا محدود ہونا دو مختلف باتیں ہیں اور ہم کو اس فرق کا خیال رکھنا چاہیئے کیونکہ اگر یہ فرق اچھی طرح دلپر منقش نہ ہو گا تو دونوں اصولوں کے معنی خبط ہو جائیں گے

محمد رؤف علی بیرسٹرایٹ لا

مرجھایا ہوا پھول

موت کسی کی بھی ہو اس ظالم کے خیال سے کلیجہ پر چوٹ لگتی ہے مگر اپنے ان عزیز بچوں کی موت جو کلیجہ کو خون کے آنسو رلوا دے قیامت کا نمونہ ہے ذیل کی نظم یا مرثیہ ہمارے محترم مولوی محمد عبدالعزیز صاحب کورٹ انسپکٹر کی بچی رقیہ بیگم کا ہے نواں سال ختم کرنے سے پہلے باپ اور بہن بھائیوں کو روتا چھوڑ دینا ہے ۔ موزوں ہوا ۔ مرنے والی بچی معصوم تھی وہ دعائے مغفرت کی محتاج نہیں البتہ یہ دعا ہے کہ خداوند کریم میاں عزیز الحق سلمہٗ اور ان کی بہنوں کو صبر دے ✤

کیا سناؤں میں تمہیں لخت جگر کا حال مرگ
اللہ اللہ کرکے پہونچی ساتویں میں جب وہ گل
دیکھنے پائی فقط تھی چھ بہاروں کی بہار
اتنے میں باد اجل نے کردی شمع عمر گل

ساتویں آئی بہار اسکو بلانے کے لئے
تاکہ کھیلے آکے باہر اور دیکھے سیر بھی
نیچے اچھے پھول کھلکر اوسکو دیں فرحت تمام
اور انگلی کے اشارے سے بلا دے ہر کلی

ہائے لیکن چھوڑ کر باغ و بہار و سیر کو
پڑرہی آکر کے کمرے میں وہ مرنیکے لئے
طول کھینچا جب علالت نے تو یوں اک رات کو
سب اعزہ کو بلایا اس نے کہنے کے لئے

سنئے کیا ؟ یہ فقرہائے پرگداز دور خیز
جسکو سنکر روئیے اس جا پہ جتنے جمع تھے
سر اٹھا کر مرنے والی نے بصد حسرت کہا
اب میں مرتی ہوں دعائے مغفرت میرے لئے

اڑ گئی ہے میرے سینے میں کوئی آگ کے تئے جس سے دم گھٹتا ہے مرا سخت ہے تکلیف میں
میرے سینہ اور پیشانی پہ ہے ذرنی سا ہاتھ اور پسینے پر پسینے چلے آتے ہیں

خشک ہو کر ہونٹھ میرے پپڑیاں جمتی ہیں یا خزان مرگ سے یہ پھول مرجھاتا ہے
سانس آتی ہے مگر کمزوری ہے وقت کیسا ہوا میری ماں بتلا کہ ہم تم سے کہاں ہیں جا رہے؟

ہائے اماں جان اچپ ہو کیوں نہیں دیتیں جواب آپ کے رونے سے ہم ہیں اور بھی گھبرا رہے
اچھا لے لیجے دم آخر مجھے اب گود میں تاکہ یہ دل چھوڑتے تسکین تو پاتا رہے

میری اچھی اماں جان آپ یہ فرمائیے کیا میں رخصت ہو رہی ہوں تم سے ہلوا لیجئے
بھولے گا تو نہیں مجھکو کہیں مرنے کے بعد مجھ پہ تو تو رہے گا اکثر درود و فاتحہ

اب مصلے پر جو پہلو آپ خالی پائیں گی تو کریں گی ہائے کس کے واسطے پھر انتظار
لامحالہ دھیان آئے گا میرا آخر ضرور اس طرح پر یاد یاد آ جاؤنگی میں دو تین بار

کیونکہ وہ دن جاتے ہیں اب ہونگے ہی بیٹھے اور کھڑے ہو کر کے پہلو میں کروں جھک کر سجود
پھر طبیعت ہو جس طرح کہا کہا جائے صبح و شام اس طرح ہو تیرہ بار ان و حمد غفار ودود

باپ پیارے باپ اب جاتی ہوں میں تو اپنے گھر وہ جہاں کا ذکر فرمایا کیا کرتے تھے آپ
وہ مبارک سرزمین جس میں نہیں آتی خزاں موت کا جس جا نہیں انسان کو ہوتا عذاب

آپ فرماتے تھے واں ہیں سارے پاک نفوس
اور بیمار جو گئی ہیں جا کے واں پاتی ہیں شفا
پھر ملینگے ہم وہیں سب خوب اطمینان سے
اور بخشیگا ہمیں پروردگار نعمت بڑا

بھائی۔ پیارے بھائی۔ دیکھو وہ ہے چھوٹا سا باغ
وہ جسے اکثر کیا کرتی تھی میں سینچا بہت
وہ جہاں گیہوں وغیرہ کی ہوا کرتی تھی سیر
پھول بوٹے اور غنچے کہ جہاں تھے بہا

واں پہ بونا کچھ گل لالہ تو کچھ لا کر گلاب
پھر چنے وہ سب پھول جو کھلتے ہیں جاڑوں میں تمام
میرا داغ یادگاری تا ابد ہرا بھرا
ساتھ دوسرے پھول بوٹے تم لگا کرنا مدام

میری پیاری آپا سنتی ہو تم بھی ہوتی آج
چھوڑ کر اب تمہیں رخصت ہو جاتی ہوں میں
یاد یوں آنے کو تم کو تو نہیں آؤنگی ضرور
تو مگر اپنی نشانی بھی دے جاتی ہوں میں

وہ جو ہے ننھا سا بوٹا اک گلاب سرخ کا
جسکا میں فصل بہاری میں کیا کرتی تھی خیال
وہ ابھی ووہی سی کچھ جسمیں نہیں نکلی پتیاں
وہ دیا میں نے تمہیں آپا نہ کرنا تم ملال

اسمیں جب آئینگے غنچے اور کھلیں گے سرخ پھول
جب تلک میں چل بھی دونگی میرا ہے وقت آ گیا
لیکن اے پیاری بہن کیا جاؤ گی جلد تم بھول؟
گل چڑھانا میری تربت پر گلاب سرخ کا؟

اب پیاری والدہ گا دیجئے وہی سا گیت
تھپکیاں دے دے کے گایا وہ جو تھا کل رات کو
تھک گئی ہوں میں بہت سوؤنگی اب گہری سی نیند
جاگ کر اوٹھنا نہ ہو جسمیں خیال و خواب کو

کون ہے۔ یہ کون میرا نام لیکر رو اٹھا؟
میرے ابا جان۔ اماں جان اور بھائی بہن
آپ سب جلدی سے آکر مجھسے ملئے گا وہاں
اسلئے مت روئیے مت کیجئے رنج و محن

صبح نے بانوئے زریں اتنے میں پھیلا دئے
اور نسیم صبح فرفر آئی کمرے میں تمام
تھی معنبر بوئے گلہائے بہاری سے فضا
پر نہ کر سکتی معطر تھی رقیہ کا مشام

دبلا پتلا سر دو زردی جسم کا [illegible]
سو رہی چپ چاپ ہے دم بھی نہیں لیتی ذرا
آنے جانے والے روتے ہیں [illegible]
کیا خبر ہو۔ انا للہ۔ اسمیں ہے اب کیا رہا

ڈبڈبا آئے ہیں آنسو۔ ناظرین باوقار!
کچھ اثر تو قلب پر آخر پڑا ہے بالضرور
گر حسن کی مان لیجئے اک صلاح نیک۔ تو
فاتحہ پڑھ دیجئے اس مرنے والی پر حضور

(عزیز)

حیدرآباد

حیدرآباد جو قریباً دو صدیوں سے گورنمنٹ آصفیہ کا دارالحکومت ہے۔ ہندوستان کے اون معدودے چند شہروں میں شمار ہوتا ہے جنہیں مسلمانوں نے اپنے عروج و اقبال کے زمانہ میں آباد کیا تھا۔ یہ شہر اُس پرشان وشوکت زمانہ میں تعمیر ہوا ہے کہ شہنشاہ اکبر تخت ہندوستان پر فرماں روا تھا اور اسکے ہم عصر سلاطین بڑے کروفر کے ساتھ دکن کے سرسبز و شاداب خطہ میں حکمرانی کر رہے تھے۔

گیارہویں صدی کے اوائل ایام میں شہنشاہ اکبر نے دکن پر پیہم حملے کرنے شروع کئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندیس کی حکومت تاراج ہوگئی نظام شاہی تخت بربادی کے قریب ہوگیا۔ اور ان سلطنتوں کے ہزارہا آدمی آوارہ وپریشان ہوکر گولکنڈہ میں چلے آئے جس کے سبب یہاں کی آبادی خوب بڑھ گئی اور ایسی گنجان ہوگئی کہ وبائی امراض پھیلنے لگے۔ اس لئے محمد قلی قطب شاہ والئے گولکنڈہ نے ایک نئے شہر کو بسا کر اپنا دارالحکومت بنایا اور اپنی معشوقہ بھاگ متی کے نام پر اُسکا نام بھاگ نگر رکھا مگر جب وہ مرگئی اور مخلوق نے اسے شرم دلائی تو چودہ سال کے بعد نام بدل کر حیدرآباد رکھدیا۔ مگر مغلوں کی عملداری تک یہ نام عوام میں مشہور نہ ہوسکا۔

بادشاہ نے ۱۰۰۰ھ میں شہر کا سنگ بنیاد رکھا۔ وسط شہر میں چارمینار تعمیر کرایا۔ اسکے مقابلے میں چار بڑے بڑے بازار بنوائے اور ہر ایک بازار میں راستے اسطرح پر نکالے جو ایک دوسرے کو زاویہ قائمہ پر قطع کرتے تھے اور

ان کے تقاطع سے چوراہے بنتے ہیں۔ راستوں کے کنارے نہریں جاری کیں پھر ان کے کنارے سایہ دار درخت لگوائے۔ شمال کی جانب شاہی محلات تعمیر کرائے۔ ان عمارات کے متعدد حصے تھے۔ منجملہ ان کے ایک داد محل تھا جہاں بیٹھ کر بادشاہ مظلوموں کی داد دیا کرتا تھا۔ اور عام اجازت تھی کہ بادشاہ سے جو چاہے آکر معروض کرے۔ اس محل کی کئی منازل تھیں۔ اور ہر منزل سے بازار کی طرف دریچے رکھے گئے تھے۔ شہر پر جب مغلوں کا قبضہ ہو گیا تو شاہی حکام نے اسکو بارود خانہ بنایا۔ ۱۰۹۵ھ میں رود موسیٰ کو طغیانی ہوئی اور اس زور سے سیلاب آیا کہ بارود بھیگ گئی دوسرے روز اسے دھوپ میں خشک کر رہے تھے کہ دفعتاً جل اٹھی اور سارا مکان اڑ گیا۔ اسکے پاس خداداد محل تھا جس کی سات عالیشان منزلیں تھیں اور ہر منزل کا نام ائمہ اثنا عشر علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا ان عمارات کے عقب میں باغ تھا جس میں ایک خوب صورت بارہ دری بنی ہوئی تھی۔ باغ کے متصل جہان محل کی عظیم الشان عمارت تھی۔ اس کے مقابل میں جلوہ خانہ تھا جسکے اطراف چھ بڑے بڑے محل بنے ہوئے تھے۔ لعل محل۔ چندن محل۔ گگن محل۔ صدر صفہ۔ سجن محل نعمت خانہ۔ سجن محل میں اکابر و علماء جمع ہوتے تھے۔ باقی چار محلوں میں سلح داروں اور فوجی سرداروں کی نشست رہتی تھی۔ نعمت خانہ میں سادات و علما کو مطبخ شاہی سے کھانا کھلایا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ بادشاہ نے رفاہ عام کی بارہ ہزار عمارتیں بنوائی تھیں جن میں حمام۔ خانقاہ مدرسے۔ شفا خانے۔ لنگر خانے۔ مہمان سرائے۔ مساجد وغیرہ شامل تھے۔ صدر شفا خانہ جنوبی حصہ میں بنایا گیا تھا جس میں بڑے

نرسے طبیب ملازم تھے - اونہیں خزانہ شاہی سے تنخواہ ملتی اور مریضوں کو دوا مفت دی جاتی تھی -

حیدرآباد کو محمد قلی کے ہی عہد میں خوب رونق ہوگئی تھی اور آبادی چاروں طرف دس دس کوس تک پھیل گئی تھی - اوس زمانہ میں شہر اور اسکے مضافات سے چار لاکھ ہون وصول ہوتے اور انعام و اکرام علماء و سادات میں صرف کردئے جاتے تھے -

آبادی حیدرآباد کے سترہ سال بعد مورخ **محمد قاسم فرشتہ** نے اپنی بے نظیر تاریخ تصنیف کی ہے - اوس میں ایک موقع پر اس شہر کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کرتا ہے -

"دران ایام از بدی آب و ہوائے گلکنڈہ خلایق متنفر و پراندوہ بودند قطب شاہ در چہار کروہی بندہ مذکور شہرے کہ در تمامی ہندوستان شرقاً وغرباً وجنوباً وشمالاً مثل آن در لطافت وصفا ہرگز یافت نمی شود بنا نمودہ دارالملک خود ساخت موسوم بہ بھاگ نگر گردانیدہ و در آخر ازان نام پشیمان گشتہ موسوم بہ حیدرآباد ساختہ لیکن درمیان خلایق مشہور بہ بھاگ نگر ست نہ حیدرآباد - و دورا دور قریب پنج کروہ است بازارہا بخلاف سائر بلاد ہندوستان بطرح واقع شدہ در غایت وسعت و صفا بخلاف آب و ہوا تندرست دارد و با مسافر و مجاوردوم در موافقت و سازگاری نیز واکثر بازارہائے او از دو طرف جدول ہائے آب رواں ست و در کنار جدولہا درختان سایہ دار نشاندہ و دکاکین را در کمال مطبوعی از سنگ و گچ ساختہ اند - منازل بادشاہی نوعے ساختہ و پرداختہ شدہ است کہ مسافران اقالیم سبعہ قرین آن در ہیچ ملک نشان نمی دہند"

محمد قلی کے بعد یکے بعد دیگرے تین قطب شاہ برسر حکومت ہوئے۔ ان بادشاہوں نے بھی شہر کی رونق بڑھانے میں کوتاہی نہیں کی۔ سلطان محمد قطب شاہ نے کروڑہا روپے صرف کرکے مکہ مسجد تعمیر کرائی۔ اور دولتخانۂ شاہی کے پاس باغ لگوایا۔ اور اس میں طلائی اور لاجوردی نقش ونگار سے سجا کر ایسی بارادری بنوائی کہ جسکو دیکھ کر نظریں خیرہ ہوتی تھیں۔ شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر جانب مشرق قلعہ سلطان نگر کی بنیاد ڈالی مگر اسکے تمام ہونے سے خود اسکی عمر تمام ہوگئی۔ سلطان عبداللہ نے ایک رفیع الشان چومنزلہ قصر تیار کرایا اور اس میں ایوان ہائے وسیع اور شہ نشین تیار کرائے۔ اور انہیں تکلفات گوناگوں سے آراستہ کیا۔ ابو الحسن تانا شاہ ختم سلاطین قطبیہ بڑا رنگیلا مزاج بادشاہ ہوا ہے۔ اسکے عیش و عشرت اور نفاست مزاج کے افسانے اب تک زبان زد خلق چلے آتے ہیں۔ اس نے دو عالی شان محل تیار کرائے تھے جن میں سے ایک کا نام گوشہ محل اور دوسرے کا چار محل تھا۔ گوشہ محل اس قدر بلند تھا کہ ایک قوی ہیکل جوان اگر نیچے سے پتھر پھینکتا تو اوپر سے گزرنا تو درکنار رواقوں تک بھی نہیں جاسکتا تھا۔ محل میں ہزار کمرے تھے اور انکی ساخت بھول بھلیاں کی تھی۔ چار محل رود موسی کے کنارے واقع تھا ان میں سے پہلی عمارت عالمگیر اورنگ زیب کی فوج کشی میں مسمار ہوگئی۔ دوسرے کا بہت بڑا حصہ جل گیا۔ اور جو بچ رہا تھا مدت ہوئی کہ رود موسی کی طغیانی میں اس طرح دریا برد ہوگیا کہ اسوقت نشان تک نہیں ملتا۔

سلطان عبداللہ کے اخیر ایام سلطنت میں ایک فرانسیسی سیاح موسیو تھیونو کا گزر دکن میں ہوا تھا اس نے اپنے سیاحت نامہ میں

شہر کے حالات بہ نسبت دیگر سیاحوں کے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں اور ان میں شہر کی آبادی و رونق کو بیان کرنے کے علاوہ انتظامی۔ تجارتی۔ تمدنی معاملات پر عمیق نظر ڈالی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

" سلطنت گولکنڈہ کا پائے تخت بھاگ نگر ہے جسے فارسی میں حیدرآباد کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ شہر ایک بہت بڑے میدان میں واقع ہے جسکے چاروں طرف کئی کوس تک چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان پہاڑیوں سے یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہو گئی ہے۔

" شہر کی لمبائی اسکی چوڑائی سے زیادہ ہے۔ رستہ پورانے پل سے چارمینار تک سیدھا چلا گیا ہے۔ پھر وہاں سے دست چپ کی طرف مڑ کر بڑے چوک سے ہوتا ہوا اس دروازہ پر نکلتا ہے جہاں سے موسلی پٹم کو رستہ جاتا ہے۔ پل سے چارمینار تک ۵۲۰ قدم اور چارمینار سے چوک میں ہو کر دروازہ تک ۳۲۰۰ قدم ہیں۔ اس سے آگے بھی بیرون بلدہ کی آبادی ۱۰۰۰۰ قدم تک چلی گئی ہے۔

شہر میں بہت سے بازار ہیں۔ مگر ان میں سب سے اچھا وہ بازار ہے جو شاہی محلسرا کے روبرو ہے۔ اسکے بعد وہ بازار ہے جہاں بڑے بڑے امراء کے عمدہ عمدہ مکانات بنے ہوئے ہیں۔ شاہی محلسرا ۳۸۰ قدم لمبی ہے۔ اور چارمینار تک چلی گئی ہے۔ یہاں اسکے کناروں پر کونگ بنا دئے گئے ہیں۔ اسکی دیوار بھورے پتھر کی ہے اور اس میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر آدھے آدھے برج بنے ہوئے ہیں۔ اور ان میں رستہ کی طرف دریچے لگے ہیں۔

شہر میں کارواں سرائے عموماً خوب صورت ہیں۔ نعمت اللہ کی سرائے جو شاہی باغات کے روبرو شارع عام پر بنی ہوئی ہے سب سے زیادہ اچھی سمجھی

جاتی ہے۔ اس بیں میں اور میرے ہمراہی دو روپیہ ماہانہ کرایہ پر ایک کمرہ لے کر اوترے تھے۔ شہر کے اطراف بہت سے عمدہ عمدہ باغات ہیں۔ ان کی مصفا روشیں اور میوہ دار درخت عجیب جوبن دکھاتے ہیں۔ مگر آب پاشی کا کافی انتظام نہیں ہے۔ صرف چند حوض یا ایک دو کوئوں سے ان کی آبیاری کی جاتی ہے۔

مئی سے لیکر اکتوبر تک یہاں پانی برستا رہا۔ اس اثنا میں کبھی کبھی کھل بھی گیا۔ مگر بحالت مجموعی بارش خوب ہوئی۔ ان ایام میں دن کو کسیقدر گرمی اور مغرب کے بعد سردی رہتی تھی۔ مگر موسم ایسا ہی معتدل تھا جیسے کہ مئی میں فرانس میں رہتا ہے۔

گول کنڈہ میں ہر قسم کے اجناس افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ خاص کر میوہ جات کی تو نہایت کثرت ہے۔ انگور عام طور پر پیدا ہوتا ہے۔ اور بافراط ملتا ہے۔ چاول۔ گیہوں۔ اور دیگر بقولات کی عموماً دو فصلیں ہوا کرتی ہیں۔

حیدرآباد میں بہت سے افسر اور ملکی عہدہ دار رہتے ہیں۔ مگر ان میں سب سے بڑا کوتوال سمجھا جاتا ہے۔ اسے دیوانی اور فوجداری کے تمام عدالتی اختیار حاصل ہیں۔ سوا اسکے محصول خانہ اور دارالضرب بھی اسکے ماتحت ہے۔

بادشاہی فوج میں چالیس ہزار سوار ہیں جنہیں فی کس دس چکن ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس تنخواہ میں انہیں دو گھوڑے اور چار پانچ خادم رکھنے پڑتے ہیں۔ پیدل سپاہی کو پانچ چکن تنخواہ دی جاتی ہے اور انہیں ضرور ہے کہ دو خادم اور ایک بندوق رکھیں۔ ان کے علاوہ برچھے برداروں کی کثیر جماعت ہے اور انہیں فی آدمی تین روپیہ ماہوار مقرر ہے۔

گول کنڈہ کے بڑے بڑے امرا ایرانی یا ایرانی نسل سے ہیں۔ انہیں نہ

صرف بڑی بڑی تنخواہیں ملتی ہیں۔ بلکہ بادشاہ کی طرف سے اراضی اور دیہات بھی جاگیریں عنایت ہوئے ہیں۔ یہ امیر جب کبھی باہر نکلتے ہیں تو ان کے آگے ایک دو ہاتھی چلتے ہیں اور ان پر تین آدمی جھنڈیاں لئے سوار رہتے ہیں۔ پھر پچاس ساٹھ سوار اچھے اچھے لباس پہنے ہوئے تلواریں لئے ڈھالیں لٹکائے ایک قطار میں چلتے ہیں۔ ان کے پیچھے چند سوار قرنے پھونکتے نفیریاں بجاتے جاتے ہیں۔ ان سب کے بعد امیر گھوڑے پر سوار رہتا ہے اور اسے چالیس پچاس پیادے گھیرے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی مورچھل ہلاتا اور ایک چھتر لگائے رہتا ہے۔ اس جلوس کے پیچھے ایک دو اونٹ رہتے ہیں جن پر کچھ آدمی نقارہ بجاتے ہیں۔

بادشاہ کو اراضی سلطنت سے بہت بڑی آمدنی ہے۔ سوا اسکے جو مال تجارت اسکے حدود سلطنت سے گزرتا ہے یا موسلی پٹم اور مدراس میں آتا ہے اس پر بھی محصول لیا جاتا ہے اس ذریعہ سے بھی بہت کچھ یافت ہوگئی ہے۔

گول کنڈ کو الماس کی سرزمین کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اسکے مقبوضات میں اس قیمتی پتھر کے معاون بکثرت موجود ہیں۔ اور جو لوگ ان کا اجارہ لیتے ہیں انہیں بادشاہ کو فی گھنٹہ ایک پیگوڈا دینا پڑتا ہے۔ موسلی پٹم کے رستہ میں جو بڑی بڑی کانیں ہیں ان میں چھ ہزار آدمی کام کرتے ہیں۔ اور روزانہ تین پونڈ الماس نکلتا ہے۔

گول کنڈہ کے باشندے عموماً زراعت کرتے ہیں۔ مگر ان میں تجارت پیشہ آدمیوں کی بھی کثیر تعداد موجود ہے۔ اہل ہنر اور دستکار بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں بادشاہ نے شہر میں بہت سے کاریگر بسائے ہیں اور انہیں سرکاری مکان بنوا دئے ہیں۔

(حکیم شمس اللہ قادری)

ساقی نامہ

غم و اندوہ کی پھر دل پہ گھٹا چھائی ہے آج　　پھر مرے سر پہ مصیبت کی یہ شب آئی ہے آج

پھر میرا جینے سے بیزار ہوا جاتا ہے دل　　تلخکامی مری پیغام قضا لائی ہے آج

وسعت دامن شب ہے کہ بیابان جنوں　　وحشت اندوز عجب کچھ دل سودائی ہے آج

خواب کو دیدۂ بیدار کی دربانی ہے　　آنکھ نے جنبش مژگاں کی قسم کھائی ہے آج

میری غربت پہ ہے انجم کو پریشاں نگہی　　چشم حیرت سے فلک میرا تماشائی ہے آج

نالہ پیغام رساں ہے صفت بانگ درا　　رحلت قافلۂ صبر و شکیبائی ہے آج

ایک وہ ہیں جو شب ماہ رہیں جام بکف　　ایک مجھسا جو اسیر غم تنہائی ہے آج

ایک وہ ہیں لب ساقی جنھیں دیتے ہیں صدا　　مے ہوئے گلستاں میں بہار آئی ہے آج

میں تہی دست نہ رہتا جو مقدر ہوتا
کوئی ساقی کوئی مینا کوئی ساغر ہوتا

بخت کا کچھ نہ گلہ ہے نہ شکایت تیری　　یہ وہ ہے دل کہ ہے جس دل میں محبت تیری

تو اگر چاہے تو سب کچھ ابھی بخشے مجھکو　　چاہئے بندۂ عاصی پہ عنایت تیری

تو خداوند دو عالم ہے جو چاہے سو کرے　　ہم گنہگاروں کو درکار ہے رحمت تیری

میرا حال دل بیتاب تو تجھ پر ہے عیاں　　الجھنا مجھسے ہے درپردہ مشیت تیری

اک اشارے ہی سے ہو جائے علاج دل زار　　گر مسیحائی کرے چشم مروت تیری

میں اگر ہوں بھی تو اک بندۂ ناچیز تیرا　　دل تیرا مال ہے اور جان ہے دولت تیری

تجھکو کیونکر یہ گوارا ہے کہ مضطر ہو کر　　پھینک دوں دل جو ترے پہلو کو امانت تیری

آبرو دین نبی کی جو ہے منظور تجھے　　کس لئے جوش میں آتی نہیں غیرت تیری

گردشِ ساغرِ صہبائے حجازی دکھلا
بھیج اب ساقی کوثر بندہ نوازی دکھلا

دل میرا مائل نظارۂ گلزار نہیں — نغمۂ دلکش بلبل سے مجھے دکار نہیں
شمع محفل مرا ساقی ہے میں پروانہ ہوں — شمع و پروانہ سے کچھ مجھکو سروکار نہیں
دلِ وحشت زدہ اسوقت ہے دیوانۂ جام — جسکا سودا ہے میرے سر میں وہ طرہ نہیں
تو دہ خاکِ مذلت میرا بالیں کب تک — بندہ ایسا تو زمانے میں کوئی خوار نہیں
شکوۂ کم نگہی مجھکو نہیں ہے زنہار — مست ایسا بھی نہیں گرچہ میں ہشیار نہیں
ماجرائے دل غمدیدہ بیاں کرتا ہوں — یہ نہیں کہتا کہ تو مجھسے خبردار نہیں
ہجر ساقی میں لہو روتی ہیں آنکھیں میری — دل پہ قابو نہیں اب طاقت گفتار نہیں

جلد لبریز مئے ناب سے ساغر کر دے
اے خدا بندہ مفلس کو تو انگر کر دے

میرے گھر میں ہو اُجالا اگر آئے ساقی — جلوہ اپنے رُخِ روشن کا دکھلائے ساقی
شام ہو ہجر و محن کی سحرِ عید مجھے — میری قسمت کا جو رُخ آکے پھرائے ساقی
پھر تو میں خاک نشیں عرش نشیں ہو جاؤں — لطف سے پاس بٹھا کر جو پلائے ساقی
پی کے مے پھول سی ہو جائے طبیعت میری — خار جن جن کے میرے دل سے ہٹائے ساقی
صبح تک دور چلے وہ کہ میں سرمست رہوں — پھر اگر ہوش میں لائے بھی تو لائے ساقی
پردۂ ظلمت شب سے ہوں عیاں دو خورشید — جس گھڑی جام بکف بزم میں آئے ساقی
بس یہی دل میں ہے حسرت کہ پلا کر مجھکو — روح پرور کوئی نغمہ بھی سنائے ساقی
ریزش مے سے ہو ساغر میں عیاں بارش نور — گر ترا دستِ کرم فیض دکھائے ساقی

اُترے شیشے میں پری ونگ سلیماں ہو جائے
چشم کافر بھی جو دیکھے تو مسلماں ہو جائے

ساقیا جلد پہونچ اور مجھے شاداں کر دے مشکلیں جو ہیں شبِ غم کی وہ آساں کر دے
وہ تبسم مجھے پھر برق نما دکھلا دے جو سحابِ غم و اندوہ پریشاں کر دے
خود کبھی آئے گی اجڑے ہوئے گلشن میں بہار میرے ویرانے کو پھر رشکِ گلستاں کر دے
تنگ ہے پہلو میں بسکہ دلِ کافر میرا مے پلا کر صفتِ گل اسے خنداں کر دے
دمبدم جلوۂ جام و مے و مینا دکھلا گھر پرستان میرا اور مجھکو سلیماں کر دے
آتشیں رنگ و صہبا ہو شرارہ جسکا غیر کے دل پہ جو پڑ جائے تو بریاں کر دے
زندگی بخش ہو ایسی مئے اعجاز نما جو مسیحا کو بھی انگشت بدنداں کر دے
لب میرے لبِ ساغر کو ملا دے جلدی میں دعاگو ہوں ترا مجھ پہ یہ احسان کر دے

عمر بھر دور میں ساقی تیرا پیمانہ رہے
دلِ فرزانہ ہمیشہ تیرا دیوانہ رہے

بھر کے ساغر وہ مئے تند پلانا مجھکو سہل ہو جس سے نہ پھر ہوش میں آنا مجھکو
ضبط کی دل کو نہیں تاب تیرے سر کی قسم تنگ کرتا ہے بہت اب تو زمانہ مجھکو
اک اشارہ ہو میرا کون و مکاں کو کافی فلکِ پیر کو ہے چرخ میں لانا مجھکو
ہو کے سرمست زمانے سے کروں میں یہ خطاب نہ ستانا نہ ستانا نہ ستانا مجھکو
جوش سے گرم میرا خونِ حمیت ہو جائے اور مئے پینے کا مل جائے بہانا مجھکو
پھر تو دنیا میں حریفوں پہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نہیں ایسا کچھ آسان مٹانا مجھکو
میں اگر عالمِ مستی میں اٹھوں تیغ بکف سارے عالم کو ہو دشوار بچانا مجھکو
کیا کہوں تجھ سے اسلام کی پستی کا خیال یاد گزرا ہوا آتا ہے زمانا مجھکو

پھر وہی زیرِ قدم عرشِ بریں ہو جائے
مملکت کفر کی پھر زیرِ نگیں ہو جائے

ہر طرف چلنے لگے پھر مئے توحید کا جام صفتِ مہر بلندی پہ ہو اسلام کا نام

نکل آ جلد مدینے سے خدارا ساقی — ہاتھ میں جام ہو شانے پہ نشان اسلام
دل ہو مسرور مرا سنکے حجازی نغمہ — رنج و غم میں ہوئی جاتی ہے میری عمر تمام
یا رسول عربی وقت مدد ہے اب تو — شاد امت ہو تیری اور ہوں دشمن ناکام
پھر دل امت مرحوم کو زندہ کر دے — پھر سے ہشیار ہوں دنیا میں کریں تیرا نام
پھر تیرے رندوں کی قسمت کا ستارہ چمکے — تاکہ آغاز سے ہو جائے نکو تر انجام

اگر ارشد پہ بھی کچھ چشم عنایات رہے
تیرے در پہ ہی تیرا رند خرابات رہے

(آغا غلام حسین - ارشد)

یاسمین پروفیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم - اے مصنف خواب ہستی کا دوسرا ناول اور تمدن الحبسی کی پہلی کتاب جس کے واسطے عرصہ سے لوگ بے چین تھے چھپکر تیار ہو گئی اس کتاب میں قابل مصنف نے بنگالہ کی ایک نازنین یاسمین کا واقعہ اسقدر دلچسپ اور پر لطف لکھا ہے - کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے قابل مصنف کا اسم گرامی بتا سکتا ہے - کہ کتاب کس پایہ کی ہوگی -
قیمت ایک روپیہ (عہ)

راحت زمانی - مولوی سید احمد صاحب کی بیبش بہا تصنیف جو علاوہ دلچسپ ہونیکے ایک نہایت سود مند کتاب ہے - مصنف نے از سر نو ترمیم کے بعد نہایت محنت سے تیار کی گئی ہے بیگماتی زبان قلعہ معلی کے محاورے - قصہ کی دلچسپی - مختصر یہ کہ کتاب بغیر ختم کئے چھوڑنیکو جی نہیں چاہتا - قیمت (عہ) مینیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کرو

موت

کیا جس طرح تیرا آنا، تیرا روح سے ایک جنگ فاتحانہ کرنا مسلم اور اک امر ناگزیر ہے، کیا اسی طرح، تیرے سکرات، تیرے شدائد یقینی جگر خراش ہیں؟ مینے تجھ کو اپنے تخیل میں، اپنی نگاہ میں مختلف صورتوں میں دیکھنا چاہا، تیری حالت، تیری ہیت۔ تیری ماہیت کو قابل الفہم بنانے کی کوشش کی، مگر آہ، میں تیری ہستی کو نہ پڑھ سکا۔ کوئی صورت اطمینان دہ ثابت نہ ہوئی، کوئی تکلیف تیرے وجود کا ترجمان صحیح نہ بن سکی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ صحیح نہ بن سکی، اس لئے کہ جتنے تیرے شدائد کے ضرب الامثال، تیری بے دردی کی کہانیاں، تیرے بے رحمی کے قصص مشہور ہیں۔ ویسی ہی یا قریب قریب اسکے کوئی صورت نہیں دیکھی، جس کی تکلیفیں، جسکی سختیاں ایسی خونی کتاب کی شکل میں بیان کی جاتی ہوں۔ مگر باوجود ان تمام ناکامیوں کے ایک صورت ضرور ایسی پیدا ہوئی ہے، جسکو میں ڈرتے ڈرتے تجھ سے تشبیہ دینا چاہتا ہوں، ڈرتے ڈرتے اس لئے کہ مجھے یقین ہے تو اسقدر ظالم نہ ہوگی۔ وہ کیا ہے؟ فراق! سچ بتا کیا تیرا مفہوم صحیح، تیرا مصداق محکم یہی ہے؟ دیکھ اپنی خاموش تصدیق، اپنے ساکت اقرار سے مجھکو تباہ نہ کر، مجھکو اس ہلاک فریب تیقن سے دھوکے میں نہ ڈال، میرے ضمیر کے ہمزبان نہ بن۔ آہ، اگر تو واقعی ایسی ہی ہے، تو سچ کہتا ہوں تو بڑی سفاک ہے، بڑی بے رحم ہے، سخت سنگدل ہے۔ اسوقت کا ذکر میں نہیں کرتا، جب میں رنج دوری سے ناآشنا،

غم تنہائی سے ناواقف تھا کیونکہ اسوقت تو مجھے کبھی یاد تک نہ آئی تھی، مگر میں اس وقت کا حال کہتا ہوں، جب مجھے اس غم میں ایک دفعہ نہیں، بارہا خیال آیا کہ تجھکو یاد کروں، تجھ کو بلاؤں، تجھ کو یسیر الحصول سمجھ کے تیرے ملک میں جاکے ایک بے خبر زندگی بسر کروں، اس وقت البتہ تیرے غیر معتمد تصور کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر گئی، مگر نہیں میں جان گیا، کہ تو خود ایک فراق ہے طویل، ایک ناامیدی ہے غیر محدود، ایک حسرت ہے دائمی، تجھ سے ڈرتا ہوں جی چراتا ہوں، تو میری دشمن، میری تخیل زا خاموشی کی دشمن، میرے گنجینہ ہستی، مایہ زندگی کی دشمن ہے، تو چاہتی ہے کہ میری تکلیف ذوق کم ہو جائے میرا سنخ دوری جاتا ہے، میرا غم تنہائی مٹ جائے، مطلب یہ ہے کہ میں اب اس سے بھی جی نہ بہلاؤں، جان بوجھکر ایسی زندگی بسر کروں، جس میں میں یہ جانتا ہوں کہ کچھ نہ جان سکونگا، کبھی نہ ہوگا، ہرگز تیرے کہنے میں نہ آؤنگا کبھی تیری راحت نما اذیت کو اختیار نہ کروں گا، میں غلط سمجھتا تھا کہ تو اس قدر سفاک نہیں ہے، نہیں، تو سخت بیدرد ہے، یہ اگر میرے وجود کو مظلوم بناتے ہیں تو اوسکو مسموم کرنا چاہتی ہے، قہر غم پر زہر غم کو کبھی ترجیح نہ دونگا، فنا اور آسان بن کہ تیرا نام لیتے ہوئے جی نہ دہلے، ذرا مزاجداں بن کہ تجھ سے رغبت پیدا ہو، یہ یاد رکھ کہ جب تک تو میرے وجود شعری کے ہلاکت کے درپے ہے اس وقت تک کبھی تجھ سے الفت پیدا نہیں ہوسکتی، مجھکو چاہے تو ہلاک کردے، برباد کردے لیکن میری پرُغنا ہستی، میرے دردمند وجود کو نہ مٹا، مگر آہ، تو تمثیلات سے باہر تخیلات سے بڑھکر، تصورات سے گذرکر، اور کہیں کی رہنے والی سنگین دل ظالم ہے تیری سرزمین مجھکو خون سے رنگی ہوئی نظر آتی ہے، جس سے امید دیں

لاکھوں آرزوئیں اُٹھ اُٹھ کے تیرے ملک کے آسمان سے خونیں بارش کی شکل میں دکھائی دیتی ہیں، اور تو، افوہ، اپنے لاتعداد ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے، مہیب صورت شیروں کے اوپر سوار سرخ لباس میں جلوہ گر ہے. تیری بڑی بڑی آنکھوں سے خون ابل رہا ہے اور تو اُسے پونچھ پونچھ کے چاروں طرف چھڑک رہی ہے. میں جانتا ہوں کہ تیرے خط وخال بُرے نہ ہونگے. مگر تیرے کوائف، تیرے مالا نیفک انداز بہت ہولناک ہیں، ان سے جدا ہوکر ان سے الگ ہوکر، ہم کو صورت دکھا، دم نکال لیکن ذرا دلاسے سے، روح لیجا، لیکن محبت وپیار سے، تعمیر ہستی مٹا مگر ذرا آرزوؤں کو دیکھکر. تجھکو ذرا رحم نہیں آتا؟ جب تو دم نکال کے آنکھوں میں لے آتی ہے اور بیماری آنکھ اس ننھی سی جان کی طرف، جو اپنی بےقرار ماں کی گود سے چپٹی ہوئی اپنے یتیم ہوجانے والے وجود کا خیال دلا دلاکر اور اسکا کلیجہ نکال رہی ہے، ٹکٹکی باندھ کر رہ جاتی ہے؟ تیرا مطلق دل نہیں پسیجتا، کہ مرنے والا اپنی بڑھیا ماں کا اکیلا چراغ ہے، اے بانجھ، تجھے کیا خبر کہ ماں کا کیا حال ہوگا جب اسکے جوان بیٹے کا بھاری لاشہ جسکو خونِ جگر پلا پلا کر اس نے پالا تھا گھر سے نکال کر دور جنگل میں ہزاروں من مٹی کے نیچے دفن کر دیا جائیگا، کیا تو اسوقت بھی آبدیدہ نہیں ہوتی جب وہ اپنے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے والے پھر کبھی نہ ملنے والے جگر گوشہ سے بے اختیار لپٹ کر منہ چومنے لگتی ہے، تجھے ذرا بھی اس دیوانی، باؤلی پاگل ماں کا خیال نہیں آتا؟ تو نے اک ننھی سی بچی، کسی کی آغا میا کو کھیلتے ہوئے کنوئیں کی جگت سے لیکر اندر پھینک دیا. ماں کو ایک تو اپنی بولتی ہوئی مورت کے جانے کا رنج دوسرے اس کے پاش پاش سر کا خیال، کیا دل دہلا دینے والا نہیں ہے؟ ذرا اسوقت کو دیکھ،

جب ایک نوجوان دولہا اپنی دلہن کو رخصت کرائے ہوئے گھر لئے جاتا تھا، اور تو نے ان دونوں کو عین بیچ میں دریا میں کشتی کے ساتھ غرق کر دیا، ہاں جو شام کو اپنے بیٹے اور بہو کا خوشی خوشی انتظار کر رہی تھی، یہ خبر سنکر دنگ ہو جاتی ہے ؛ ذرا تو ہی انصاف کر کیا یہ شکایت کی باتیں نہیں ہیں، کیا ان کا گلہ خلاف عقل و فطرت ہے؟ پھر اگر تجھ سے نفرت ہے، تیرے نام سے ڈر لگتا ہے تو کیا گناہ ہے؟ تو چاہتی ہے کہ محبت کا نام دنیا سے مٹ جائے، الفت کا نشان نہ رہے، انسان حیوان سے بدتر ہو جائے، بے شک! مگر یہ تو بتا کہ پھر تجھے اس وقت کیا لطف آئے گا، میں جانتا ہوں کہ تو اسوقت حیات دراز کا تمغہ دیگی، کیونکہ تجھے تو کچھ اسی میں مزہ آتا ہے کہ زبردستی سینہ سے سینہ جدا کر دے، ایک کو ہلاک کرے تو سو کے دل زخمی ہو جائیں، جب یہ نہیں تو تیری زندگی بھی بے کار ہے، تیرا وجود بھی معطل و بدمزہ ہے، گویا الفت تیرے دائمی حیات کی قربانی، محبت تیرے ابدی وجود کا صدقہ ہے۔ اچھا ہم اگر ترک انسانیت کی کوشش کریں، تو کیا تو ہٹ جاوگی چلی جائے گی؟ کبھی نہیں، پھر تو اور بھی جلدی کرے گی کہ اس ترک محبت پر ہماری ضمیر کی ملامت کا نظارہ کرے، جا، جا، ہٹ، میں تجھ سے خوف کرنا بھول چلا ہوں، میری محبت مادی نہیں ہے جو جسم کے ساتھ فنا ہو جائے، میری روح پر تیرا قبضہ نہیں ہے، تو نہیں جانتی کہ ہماری الفت کا سرچشمہ وہاں ہے، جہاں سے تجھکو یہ خونیں خلعت عطا ہوا ہے، لے، یہ اپنا جسم لے، یہ گوشت پوست لے، سڑا ڈال، گلا ڈال، میں اب اک روح ہوں آزاد، اک وجود ہوں غیر فانی، اک ہستی ہوں غیر مادی، جہانتک نہ تیری رسائی ہے اور نہ تیرا دسترس ہے، میں اب اک نور ہوں بسیط، جو حوروں کی بڑی بڑی آنکھوں میں، کوثر کے

غزل

بدل جائے گا شوخی سے حجاب آہستہ آہستہ　　تکلف سب اٹھا دے گا شباب آہستہ آہستہ

ہوئی چشم خماری بے حجاب آہستہ آہستہ　　پلائی آج ساقی نے شراب آہستہ آہستہ

طبیعت رنگ پر آئے تو ہم یہ دیکھو پوچھیں گے　　جوانی خود اٹھا دیگی نقاب آہستہ آہستہ

تغافل۔ بیوفائی۔ حیلہ سازی۔ عشوہ بیجا　　یہ سب گھاتیں سکھا دیگا شباب آہستہ آہستہ

صراحی دور میں آئی جمایا رنگ ساقی نے　　ہوئی توبہ شکن بزم شراب آہستہ آہستہ

پئیں گے وہم تو پینے دو کہ نوآموز ہیں زاہد　　یہ سب جاتا رہے گا اجتناب آہستہ آہستہ

ارادہ ہے کدھر کا کونسا ہشیار تاکا ہے　　کہاں جاتا ہے وہ مست شراب آہستہ آہستہ

مری بربادیاں تک ہو گئیں برباد یا قسمت　　کیا سودائے الفت نے خراب آہستہ آہستہ

سرشک متصل سے ایک عالم غرق حیرت ہے　　سمندر بنگئی چشم پر آب آہستہ آہستہ

کبھی ہو جائیگا یہ بانکپن بھی قاتل عالم　　چڑھا کرتی ہے اس خنجر پر آب آہستہ آہستہ

یہ ڈر ہے اف نہ کر بیٹھے کہیں دل سوختہ انکا　　کہ ہوئے سوز دیتا ہے کباب آہستہ آہستہ

سر بالین ہے وہ خورشید رو اے بخت خفتہ اٹھ　　کہ سر پر آگیا ہے آفتاب آہستہ آہستہ

کسی کے مصحف رخسار پر ایمان لے آئے　　تو ہم بھی بن گئے اہل کتاب آہستہ آہستہ

کوئی خم دے رہا ہے جلد ہی زلف پیچاں میں　　کوئی کھاتا ہے دلمیں پیچ و تاب آہستہ آہستہ

بھرم اس نقش باطل کا کھلا جب گھر میں پہنچے　　نظر سے ہو گیا اوجھل سراب آہستہ آہستہ

بڑا دربار ہے اسکا رسائی ہوتے ہی ہوگی
دعائیں ہونگی ارماںؔ مستجاب آہستہ آہستہ

(سید سرفراز حسین خاں ارماںؔ دہلوی)

مزارِ غالبؔ پر دو آنسو

رات کے اس حصہ میں جب خلقِ خدا میٹھی نیند کے مزے لے رہی تھی مائیں بچوں کو کلیجہ سے لپٹائے بیخبر پڑی تہیں، ہاتہوں کے گجرے اور کانوں کے پہول وداعِ شب کا پیغام لا چکے تہے دلِ وحشی اس شعر کا لطف اٹہا رہا تہا جو عزیزم مولوی ابو محمد سید حسن امام صاحب نے سرنامہ پر اسطرح لکہا۔

مئے عشرت کی خواہش ساقیٔ گردوں سے کیا کیجے
لیے بیٹھا ہے دو ایک جام سکن وہ اژگوں وہ بھی
(غالب علیہ الرحمہ)

باندک تصرف

آج سے بیس برس پہلے کی دلّی آنکہہ کے سامنے تھی، خیالات کی رو کہیں سے کہیں پہنچی اور گو بد نصیب آنکھیں استاد سخن کے دیدار اور اس زمانہ کی تصویر دیکھنے سے محروم تھیں جسکو شہر آبادی کہنے والیاں بھی جنگل میں جا بسی ہیں تاہم جو کچھ آنکھیں دیکھ چکی تہیں اور جو صورتیں نظروں سے اچھی طرح آشنا تہیں ان کی یاد کلیجہ مسل رہی تھی اسٹری اچھی اور ٹھنڈی رات، قوٰی ضعیف اور رو بہ انحطاط، مگر خیالات نے قلبِ مضطرب کو چین نہ لینے دیا اور جسدِ خاکی اس مقام پر پہنچا جہاں ان مٹنے والوں کی ٹوٹی پہوٹی قبریں پہیلی ہوئی تہیں جن کے دماغ علم ادب کے دامن پر موتی لٹا گئے، چادرِ مہتاب انکا سراغ دے رہی تہی، اور گو عالم سنسان تھا مگر شبنم ان متبرک ڈھیروں پر آنسو بہا رہی تھی،

اللہ اللہ کیسا پر لطف منظر اور عجیب مقام تہا، کچی پکی قبریں، اینٹ مٹی کے ڈھیر، چونہ کے تودے، ڈہئے ہوئے تعویذ، اور رہی ہوئی دیواریں، ان سب کو پہلو میں لیے ہوئے تہیں جن کے دیکھنے کو لاکھوں ترستی ہوتی آنکھیں ہمیشہ کی

بند سو گئیں، اور جو دماغ ایک دنیا کو مالا مال کر گئے آج ہوا کے ٹھنڈے جھونکے انپر فاتحہ خوانی کر رہے تھے۔

انسان بیوفا اور احسان فراموش سب کچھ سہی مگر میں کہتا ہوں قبرستان تعلقات کی کسوٹی ہے، جن کے دماغ موت کا پیام تھے، ان کے نام سے جی بیزار ہو گیا، آنکھوں میں بسنے والے چند روز میں بھول بسر گئے اور جب موت نے پیاروں کی ہڈیاں تک برباد کر دیں تو ان کی یاد بھی دل سے فراموش ہو گئی، غالب مرحوم کی تصویر سے آنکھ آشنا تھی اور مزار غالب حیات مستعار کا درس دے رہا تھا کہ قوت متخیلہ نے یہ صدا دی۔ یہ قبروں کے سونے والے خاک نشین مردہ نہیں زندہ ہیں، شاہجہاں آباد کا ہر ذرہ اور دریائے سخن کی ہر لہر ان کی بقا و دوام کی شہادت دے رہی ہے گنگا کا بہتا ہوا پانی برہمپتر کی سر بفلک چوٹیاں ان کے گیت گا رہی ہیں، مشرق ان محسنوں کی خدمت پوری نہ کر سکا مگر یہ پھول آجتک اپنی خوشبو سے ملک کو معطر کر رہے ہیں لیکن آن پہنچا ہے وہ وقت کہ مغرب ان کے نقش پا کو سجدہ کرے گا اور کمال کے کھوجی ان کے نام سر آنکھوں پر رکھیں گے،

دل صدائے تخیل پر لبیک کہتا ہوا آگے بڑھا۔ اب وہ مقدس بزرگ آنکھ کے سامنے موجود تھے یہ جو خاک دل سے اٹھے اور آسمان ادب پر چاند بنکر چمکے ان کا فقیرانہ لباس تقدس کے آبدار موتیوں سے جگمگا رہا تھا اور خلق خدا ان کے اوگلے ہوئے نوالے سر آنکھوں پر رکھ رہی تھی، علم و ہنر کے دریا ان کے پاؤں میں لوٹ رہے تھے، اور گو زمانے کی ناقدری نے ان کے متبرک کلیجے جلا دیئے تھے مگر عدل و انصاف کے دیوتا سدا بہار پھول کی نچھاور کر رہے تھے۔ کیسا مبارک وقت تھا کیا کیا صورتیں آنکھ کے سامنے

تھیں اور کیسے کیسے لوگ جن کے نام مٹ کر بھی کندن کی طرح دمک رہے ہیں، پیش نظر تھے، اجسام فانی پر بقاء ابدی کا رنگ چڑھا ہوا تھا اور دل جن کے دیکھنے کو مدتوں ترسا اور تڑپا آنکھ اس وقت ان کے نورانی چہرے دیکھ رہی تھی۔

پرستش کے قابل تھیں یہ مقدس صورتیں جن پر دلی مدۃ العمر ناز کرے گی اور جن کی نظیر اب پردہ ہستی پر نظر نہیں آتی، کیوں شیدائیان ہستی کیسے تھے وہ دماغ، اور کہاں چھپ گئیں وہ صورتیں جن کا فیض آج تک جاری ہے اور جب تک سلسلۂ حیات کے ساتھ مذاق سخن موجود ہے جاری رہے گا۔ کیسی لالہ زار ہوگی وہ سرزمین جس پر ایسے پھول کھلے جن کی پنکھڑیاں رستہ چلتے مسافروں کو باغ جناں کا دھوکہ دے رہی ہیں اے فانی دنیا، کیا کئے وہ تاجدار سخن جن کی کرنوں سے اب تک جذبات کی چادر آب جھلمل جھلمل کر رہی ہے، کہاں لے گئی وہ لوگ جن کے منہ سے دم گفتار پھول جھڑے اور جن کے قدموں سے دم رفتار ایسے چشمے پھوٹے جو آج یوم نامہذا اب و تاب سے بہہ رہے ہیں +

اے ظالم موت! کیسے کیسے در شاہوار، دیکھنے دکھانے کے قابل جن پر کیوں جدا کئے۔ جن کی یاد کلیجے تڑپا رہی ہے۔

صبح صادق کا وقت قریب تھا۔ اور دل مجروح یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ لعنت کے قابل اور ملامت کے لائق ہے وہ دنیا جو ان شاداب پودوں کو اجاڑ کر راشد جیسے کانٹوں کا مسکن ہو ضمیر نے اِس فیصلہ کی داد دی۔ آنکھ نے حسن عقیدت کے آنسو گرائے فاتحہ کے لہلہاتے ہوئے پھول چڑھا کر مزار غالب کی خاک پاک کو بوسہ دیا اور یہ کہتا ہوا آگے بڑھا +

برگزیدہ، اور مٹ کر روشن، ہونیوالی پاک روحوں، یہ آنسوؤں کے

قطرے خلوص کی آنکھ سے نکلے ہیں، اور عقیدت کی گود سے دودھ پیکر اس قابل ہوئے ہیں کہ قدردانی کے پھول تمھارے مزاروں پر چڑھائیں فلسفۂ قلب کے ماہرو، یہ ناچیز تحفہ قبول فرماؤ، علوم کی شاہراہ آج تمھارے بغیر سونی ہے مغربی ہوا تمھارے روشن کئے ہوئے فانوس گل کر چکی، مگر ابھی کچھ چراغ ٹمٹما رہے ہیں۔ اور گو باد مخالف ان کے سر پر چل رہی ہے مگر یہ بجھنے والی نہیں، قربان ہونے کے قابل تھے تمھارے وہ مبارک ہاتھ جو اس اجڑی نگری کو آباد کر گئے، جو برباد ہو کر بھی تمھاری گلکاریوں کا نشان دے رہی ہے۔

اس عالم تنہائی میں جہاں شب ماہ کے سوا کوئی مونس اور روز روشن کے سوا کوئی ہمدم نہیں، مالک حقیقی تمھارا نگہبان ہو، اور وہ گلہائے رنگین جو تمھارے خون جگر سے سینچے گئے اور اب تک موسم بہار کا لطف دے رہے ہیں ہمیشہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں +

عالم فانی میں میٹھی نیند سونیوالو میری سمع خراشی معاف برکت کا ہاتھ میرے سر پر رکھو دعا دو اور رخصت ہو +

"راشد الخیری"

مہر افروز بیگم۔ یہ وہ کتاب ہے جو ڈھونڈے نہیں ملتی تھی اور اب عصمت ایجنسی نے نہایت محنت و صرف سے تیار کی ہے قصہ کی دل آویزی زبان کی سلاست دیکھنے سے تعلق رکھتی قابل مصنف مولوی سید احمد صاحب کا نام ہی اس کی خوبیوں کی کافی ضمانت ہے۔
قیمت ۸ر
منیجر عصمت و تمدن دہلی

نومبر

تمدّن

اُمّہاتُ الاُمّہ

از شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی - ڈی - او - ایل

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوحیٰ اِلَیَّ یہاں تو یُوحیٰ اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ہے[1] اور دوسری جگہ اُوحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ[2] بہرکیف پیغمبر صاحب ہماری ہی طرح کے بشر تھے اور انہیں تمام بشری خواص تھے مگر بشریت ایک کثیف چیز ہے اور فرشتے ٹھیرے ارواح مجرّدہ اور لطیف اسی لیے پیغمبر کی بشریت میں ایک خاص طرح کی لطافت یعنی روحانیت ہوتی ہے جو کسی اور چیز میں نہیں ہوتی اور اسی روحانیت کی وجہ سے فرشتہ پیغمبر پر وحی لاتا ہے یعنی پیغمبر برزخ

[1] میں (بھی) تم ہی جیسا آدمی ہوں (مگر) مجھ پر وحی آتی ہے ۱۲ [2] یہ قرآن میری طرف اسی لیے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جس کو اس کی خبر پہنچے اس کو عذاب خدا سے ڈراؤں ۱۲

ہوتا ہے درمیان بشر اور ملائکہ کے ۵

ادھر مخلوق میں شامل ادھر اللہ سے واصل
خواص اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا

پس ہم پیغمبر کے کسی فعل کو نہ اپنے افعال پر قیاس کر سکتے ہیں اور نہ اپنی تحریکات میں سے قطعی طور پر کسی تحریک کو ان کی طرف منسوب کر سکتے ہیں غرض ہم کو پیغمبر کی حقیقت تو پوری پوری معلوم نہیں تاہم ؏ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست ہم خالص بشری خواص ہی کے اعتبار سے پیغمبر صاحب کے تعلقات پر نظر ڈالتے ہیں یہاں خاصۂ بشری سے مراد لینی ہوگی قوۃ اب دیکھنا چاہتے ہیں کہ دواعی تکثیر ازدواج کیا ہو سکتے ہیں مشہور تو یہ ہے کہ ؏

مال و جمال و آل نخواہند از زنان

لیکن نہ یہ تقسیم درست ہے نہ اس کی ترتیب دواعی تکثیر ازدواج میں سب سے پہلے ہماری نظر غلبۂ قوت پر پڑتی ہے کہ یہ قوۃ ہی مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی طرف مائل کرتی ہے خلاق عالم نے اس قوت میں ایک طرح کی لذت رکھی ہے اور وہ لذت مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ مقصود بالذات ہے تکثیر نسل جو نتیجہ ہے اس قوت سے کام لینے کا مگر کوتاہ بین آدمی نے تکثیر نسل سے قطع نظر کر کے لذت کو مقصود بالذات بنا لیا۔ یہ بھوک پیاس کی طرح اضطراری نہیں مگر لوگ اس کے پیچھے سلطنتیں تک کھو بیٹھے ہیں بایں ہمہ چونکہ فطری اور خداداد ہے ہم اس قوت کو برا بھی نہیں کہہ سکتے ہیں قوت فی نفسہا بری نہیں ہے بے جا استعمال نے اسکو بدنام کر رکھا ہے۔ ورنہ خداداد قوتیں سب اچھی ہی ہیں علی القیاس غصہ علیٰ ہذا القیاس حب مال بلکہ فطری قوتوں میں ایک بات اور بھی دیکھی جاتی ہے کہ ان قوتوں کی زیادتی کمال انسانیت کی دلیل

سمجھی جاتی ہے۔ حافظہ۔ ذہانت۔ باصرہ۔ سامعہ۔ توانائی۔ کل جسمانی قوتوں کا یہی حال ہے اور اب یہ بات عام طور پر مان لی گئی ہے کہ روح کی توانائی جسم کی توانائی پر موقوف ہے جسم ضعیف روح قوی کا حامل ہو نہیں سکتا اور سرکاری مدارس میں اسی مصلحت سے لان ٹینس اور فٹ بال اور دوسرے کھیلوں کی ورزشیں لازمی قرار دی گئی ہیں تاکہ طلبہ چاق چوبند چونچال رہیں اس اصول کے مطابق اس قوت کا بھی جو زیر بحث ہے یہی حال ہونا چاہیئے مگر کثرت استعمال سے بے جا زیادتی تو رہی در کنار سرے سے قوت ہی کو کمالات انسانی کی فہرست سے خارج کر دیا ہے شاید حیادار شخص یہ چاہتے ہیں کہ لوگ عنین پیدا ہوں تو وہ معتوہ العقل بھی ہوں گے اور ایسا ہی دیکھا بھی گیا ہے پس جب یہ قوت فطری ہونے کی وجہ سے قبیح نہ ٹھیری بلکہ جو اس قوت سے محروم ہو وہ انسان ناقص سمجھا جائے تو اس کے مؤیدات اور معدات کیوں قبیح ہونے لگے یعنی مثلاً محل استعمال قوت کا حسن صورت کہ وہ بیش برین نیست کہ مذاق قوی کے مطابق قوت کو ہیجان میں لانے والا ہے شباب کو بھی ہم حسن صورت کی ایک ادا سمجھتے ہیں ؎

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد
بندۂ طلعتِ آنیم کہ آنے دارد

کچھ حسن صورت پر موقوف نہیں کہ اسی کی وجہ سے مرد عورتوں کی طرف رغبت کرتے ہوں اور بھی چند در چند باتیں ہیں جو مردوں کو مرغوب ہیں کوئی ہنرمند کو پسند کرتا ہے کوئی دیندار کو۔ کوئی خدمت گذار اور اطاعت شعار کو کوئی اچھے خاندان کو۔ کوئی مال دار کو جو بہت سارا جہیز لائے اور ساس سسرے اس قدر خوش حال ہوں کہ بیٹی کو معقول آمدنی جہیز میں دیدیا

تو اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ کوئی لکھی پڑھی کو آجکل کے انگریزی خواں ایسی
بے تکلف کو جو تہذیب النسواں میں شوہر کے لیے اشتہار دے انتخاب
شوہر سے پہلے جو مانگے اس کو اپنا فوٹو بھیجدے اس کے اندرونی حالات
پوچھے جائیں تو اپنا کچا چٹھا کھول کر آگے رکھدے یعنی اگر مردوں کو ٹیٹی پیرے
کوئی اولاد کے لیے بی بی کرتا ہے اور اسی نے عورت کی غرض غایت کو
ٹھیک سمجھا ہے۔ غرض شخصی ضرورتیں شخصی مذاق بہتیرے ہیں جنکی وجہ سے
مرد عورتوں پر گرتے ہیں اب ہم کو ٹٹول کرنی چاہیے کہ بیبیوں سے پیغمبر
صاحب کی کونسی غرض متعلق ہوسکتی تھی۔ چونکہ وہ بشر تھے اور بشر بھی کامل
القویٰ اور خود پکار کر کہتے تھے۔ انا بشر مثلکم[1] اور لا اقول لکم عندی
خزائن اللہ ولا اعلم الغیب و لا اقول لکم انی ملک[2] تو ذکور کیا اناث کی طرف
مائل ہونے میں عام جائز وجوہ جو اوروں کی طرف منسوب ہوسکتی ہیں پیغمبر
صاحب کی طرف بھی منسوب کی جاسکتی ہیں پہلے اس کے کہ ان کی شان
پیغمبری میں ذرا سا بھی ضعف آئے یہ کچھ انوکھے پیغمبر تو نہ تھے۔ ما کنت[3]
بدعاً من الرسل ان سے پہلے بھی پیغمبر آئے منہم من قصصنا علیک و منہم
من لم نقصص علیک[4] اور وہ سب صنعت بشری سے تھے اور سب ضرور

[1] کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں۔ ۱۲

[2] میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کی سرکار کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے کہتا ہوں ۱۲

[3] میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا پیغمبر تو ہوں نہیں ۱۲

[4] ان پیغمبروں میں سے (بعض) ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو سنائے اور ان میں (بعض) ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تم کو نہیں سنائے ۱۲

بدون ترکیب عنصری کو باقی نہیں رکھ سکتے تھے لیاکلون[1] الطعام ویمشون فی الاسواق تو اس ایک قوت لتسکنوا الیہا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ[2] نے مجبور کیا ہے کہ اس کا عمل میں لانا مستلزم کسر شان پیغمبری ہو۔ دواعی نکاح جو سامنے اوپر گنوائے ہیں اس کے علاوہ پیغمبر صاحب میں اشاعت اسلام کا ایک داعیہ خاص بھی تھا تمام داعی پر غالب وہ دین توحید لیکر آئے تمام ادیان مروجہ کے مخالف اور لیکر آئے ایسے لوگوں میں جن کو بھلمنساہت چھو نہیں گئی تھی وہ چھوٹتے کے ساتھ گالی گلوچ اور مار لتائی پر اوتر پڑے صبر وتحمل کی بھی ایک حد ہوتی ہے مگر کرتے کیا ایک طرف خدا کہتا ہے یاایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ[3] اور اسی پر بس نہیں دوسری جگہ فرماتا ہے ولو تقول[4] علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فما منکم من احد عنہ حاجزین۔ دوسری طرف جو ہے خون کا پیاسا ہی اور اگر واللہ یعصمک من الناس اور واصبر وما صبرک الا باللہ

[1] وہ پیغمبر کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں (بھی) چلتے پھرتے تھے ۱۲

[2] تاکہ تم کو ان کی طرف (رغبت کرنے سے) راحت ملے اور تم (میاں بی بی) میں پیار اور اخلاص پیدا کیا ہے ۱۲

[3] اے پیغمبر جو (احکام) تمپر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ (بلا کم وکاست لوگوں کو) پہنچادو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھا جائیگا کہ) تم نے خدا کا پیغام (بھی لوگوں کو) نہ پہونچایا۔۱۲

[4] اور اگر (یہ پیغمبر زبردستی) کوئی بات ہمارے سر چپکیتا تو ہم نے (خونیوں کیطرح) اس کا دہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن اڑادی ہوتی اور تم میں کوئی بھی ہم کو اس سے

ولا تحزن علیہم ولا تک فی ضیق مما یمکرون کی تقویت اور حفاظت نبوی تو رسالت کی بیل ایک گھڑی بھی منڈھے چڑہنے والی نہ تھی مگر صداقت کے بھروسے پر پیغمبر صاحب تیرہ برس تمام آفتیں اور تکلیفات [illegible] یہانتک کہ پائے ثبات جگہ سے اکھڑ گئے اور مدینے میں جاکر پناہ لی۔ [illegible] دل میں کہ یہ سب کچھ سن سمجھ کر بھی اسلام پر نہیں سمجھتے۔ لوگ [illegible] کرنے میں جو اعتراض مدنظر رکھتے ہوں۔ ہمارا دل تو گواہی دیتا ہے اور ہمارا دل کیا گواہی دیتا ہے ہر ایک منصف دل گواہی دے گا کہ پیغمبر صاحب نے جو بی بی کی اسلام کا مفاد مدنظر رکھکر کی کیسی نفسانی خواہش اور کیسا حسن و جمال اور کیسی دولت اون کو اسلام کے آگے کچھ سوجھتا ہے نہ تہا ہم اسکی ضرورت تو سمجھتے نہیں کہ مناکحت کو خلاف شان پیغمبری سمجھکر پیغمبر صاحب میں فقدان قوت کے قائل ہوں۔ ایسا سمجھنا ان کے کمال انسانیت کو بٹہ لگانا ہے۔ پس سچی اور سیدھی بات یہ ہے کہ پیغمبر صاحب کی مناکحت میں اس قوت کو بھی دخل ضرور تہا مگر اسلام کی دھن کے آگے پیغمبر صاحب کی تمام بشری خواہشیں بشری اغراض مغلوب تہیں۔ ہر نکاح میں اول اور اقدم اسلام اور اسلام کی رکھن میں دوسری اغراض اور یہی وجہ تکثیر ازواج کی بھی ہوئی کہ دامادی کے دباؤ سے سارے سسرالی قبیلے کو جھکنا پڑتا ہے اور اسی کی اسلام کی اشاعت کے لیے بڑی ضرورت تہی۔ یہاں تک کہ جب اسلام کو خدا نے

بقیہ نوٹ ص ۶۷) روک نہ سکتا ؂ اور اللہ تم کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ اور (اے پیغمبر تم مخالفوں کی ایذاؤں پر) صبر کرو اور خدا کی توفیق کے بدون تم صبر کر ہی نہیں سکتے اور ان مخالفوں کے حال پر افسوس نہ کرو اور یہ لوگ جو تمہاری مخالفت میں) تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو ۱۲۔

غلبہ دیا اور اعوان و انصار کے بہم پہونچانے کی ضرورت نہ رہی تو لا یحل لک النساء
من بعد سے تکثیر کو روک دیا۔ غرض ہم تو پیغمبر صاحب کے نکاحوں میں کسی طرح
کی اخلاقی برائی پاتے نہیں۔ یہ بات کہ اشاعت اسلام کے آگے پیغمبر صاحب
کی تمام بشری خواہشیں مغلوب تھیں اس کی ہمارے پاس بہت سی دلائل
ہیں۔ از انجملہ یہ کہ پیغمبری کے پہلے سے پیغمبر صاحب بالطبع بت پرستی سے
نفور رہتے تھے اور اپنی قوم اپنے اہل وطن بلکہ تمام لوگوں کو مبتلائے گمراہی دیکھکر
بہت ہی بے چین رہتے تھے ان کو اس فکر میں کھانا پینا سونا ملنا جلنا
کوئی چیز بھلی نہیں معلوم ہوتی تھی پس یہ اُن کے اخلاق کا اصل الاصول
ہے غلبۂ اسلام کے ساتھ اس فکر کی شان تو بدل گئی مرتے دم تک رہے
اسی فکر میں منہمک ؎

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
غم کے جانے کا بہت ماتم رہا

ہم اس درد کا ٹھیک اندازہ کر نہیں سکتے جو ان کو ابنائے جنس کا تھا
پیغمبری کے قریب قریب وہ بالکل عزلت پسند ہو گئے تھے اکیلے غار حرا
میں بیٹھے خدا کا دھیان کرتے بلکہ ایک مرتبہ مایوسی کی حالت میں پہاڑ پر سے
گر کر اپنی جان تک گنوا دینے کا ارادہ کیا تھا۔ اسی حالت پر قیاس کر لو کہ جس
شخص کے ایسے خیالات ہوں اسکو نفسانی خواہشیں کہاں تک گدگداتی
ہیں عرب جیسے گرم ملک کے رہنے والے جہاں مرد اور عورت دونوں
سویرے بالغ ہو جاتے ہیں اول درجے کے شریف النسب جوان خوش رو
نیک نام ہمہ صفت موصوف یہ تو اگر چھوٹوں طلب کرتے مکے کے بڑے بڑے

۱؎ اے پیغمبر اس وقت کے بعد سے دوسری عورتیں تمکو درست نہیں ۱۲

رئیس سمجھتے اپنی بیٹیاں ان سے بیاہ دیتے مگر ان کو مذہبی استغراق
میں ایسی باتوں کا خیال ہی نہ تہا پیغمبر صاحب تو یتیم پیدا ہوئے تھے
شروع دادا عبد المطلب کے کنار عاطفت میں پرورش پائی اون کے انتقال
کے بعد چچا ابو طالب کفالت کرتے رہے - قریش خانہ کعبہ کی تولیت
کی وجہ سے تمام قبائل عرب کے رئیس تہے اور قبیلہ قریش کے رئیس کا بڑا
[illegible] کا بڑا پیغمبر صاحب کے آبا و اجداد یہ

باقی آیندہ

احسن التفاسیر اردو - جیکے چیدہ چیدہ فواید ترجمہ قران شریف مطبوعہ مطبع
فاروقی دہلی کے حاشیہ پر چڑہائے گئے تھے اور جنکا نام احسن الفوائد تہا جو نہایت
مقبول ہوئے اب وہ قران شریف بہی نایاب ہے مگر اکثر احباب کے اصرار سے
میرزا عبد الستار بیگ صاحب مالک تحفہ ہند پریس کوچہ روح اللہ خان دہلی نے
اون فوائد کو صحت روایات کی پوری پابندی کیساتھ مکمل کر کے احسن التفاسیر کے نام
سے پوری تفسیر قران شریف اور قران حمید کی نہایت عمدہ طبع کیا ہے اس تفسیر
کی منزل منزل جدا ہے ہر منزل تفسیر کے ساتھ مضامین کی ایک فہرست بہی لگادی
گئی ہے تاکہ ہر ایک مطلب کے نکالنے مین آسانی ہو اور اول منزل کے ساتھ اس
تفسیر کا دیباچہ بہی لگادیا گیا ہے جسمین اصول تفسیر کے بہت سے مسائل حل کردے
ہین - اردو مین یہ تفسیر پہلی طرز کی صحیح روایتہ کی تفسیر ہے اور مولف تفسیر حضرت
مولانا علامہ زمن مولوی سید احمد حسن صاحب اول تعلقہ دار حیدر آباد دکن
پنشنر کی یہ محنت مسلمانون کے دلی شکریہ کی مستحق ہے - قیمت کامل تفسیر جو خاص
رعایت کی گئی ہے صرف دس روپے چار آنہ علاوہ محصول ڈاک ہے -
جو میرزا صاحب مالک تحفہ ہند پریس دہلی کے پتہ سے مل سکتی ہے -

نامۂ فیاض

من تصنیف عالیجناب معلے القاب حضرت نواب محمد فیاض الدین خاں مرحوم تخلص فیاض المخاطب مشرف جنگ۔

اے جگر بند خاص لخت جگر — میرے نور نظر گل تر
سعد اختر سعید سعد الدین — نیک منظر رشید سعد الدین
اے خجستہ سیر ارادت مند — تجکو خالق کرے سعادتمند
اے میرے نور دیدہ راحت جاں — فرحت افزائے قلب تاب توان
مردم چشم آرزو تو ہے — غنچہ دل کا رنگ و بو تو ہے
تجکو مطلب پہ کامرانی ہو — مجکو دو چند شادمانی ہو
میرے فرزند جگر پیوند — حق تعالیٰ ہمیشہ رکھے خرسند
سب اپنے مطالب پہ کامران تو ہو — بخت و دولت سے شادمان تو ہو
جب سے لندن کو تو سدھارا ہے — کیا کہیں حال کیا ہمارا ہے
اے مرے نور چشم نور العین — تیری دوری سے جان ہے بیچین
روز و شب تیرا دھیان رہتا ہے — دل بیتاب رنج سہتا ہے
غم دوری کا کس کو یارا ہے — تیری فرقت کہاں گوارا ہے
میرے فرزند کا ہے تو فرزند — میرے دلبند کا ہے تو دلبند
نخل امید کا ثمر تو ہے — صدف چشم کا گہر تو ہے
آجتک ہے مجھے یہی حیرت — کون سے دل سے دی تجھے رخصت
پرورش پائے جو بصد اعزاز — اوسکو ایسا سفر ہو دور و دراز

تیرا ہر دم خیال ہے مجکو — لحظہ لحظہ وبال ہے مجھکو
دل ہے بیتاب جان ہے بیکل — ہجر کا اک برس ہے اک اک پل
آگے آنکھوں کے ہے تیری تصویر — تیری جانب ہے خاطر دلگیر
ہے جدائی تری نہایت شاق — تیرے دیدار کا ہے دل مشتاق
روز و شب دل کو بے قراری ہے — یاد تیری زباں پہ جاری ہے
یہ دعا ہے جناب باری سے — پھر کے تو آئے کامگاری سے
میرے یوسف خدا ملائے تجھے — چشم مشتاق سے دکھائے تجھے
کبریا تجکو ارجمندی دے — بخت مندوں پہ سربلندی دے
اپنے مطلب پہ شاد کام ہو تو — دو نو عالم میں نیک نام ہو تو
ہو معاون ترا خدائے زمن — دل ما شاد و چشم ما روشن
اس سفر کا مآل اچھا ہو — یہ مہینا یہ سال اچھا ہو
تیری محنت کا ہو صلہ رحمت — سب ٹھکانے لگے تیری محنت
ہو اسیطرح سب کی یکجائی — بسلامت روی وباز آئی

دل سے کرتا ہے تو دعا فیاض
سن لے تیری دعا خدا فیاض

(مرسلہ محمد عبدالستار)

ناظرین تمدن خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں۔

منیجر تمدن

تعدد ازدواج اور اُسکے اسباب

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

(۱) خدا ہمارے محترم بزرگ قوم مرحوم و مغفور جناب مولانا نذیر احمد صاحب اعلی اللہ تعالےٰ کو غریق رحمت کرے! کہ مرتے دم تک ہماری طرف سے غافل نہ ہوئے اور چلتے وقت بھی اپنی ایک نشانی چھوڑ گئے جو ان کے لایق عزیز اور ہمارے قابل احترام کرمفرمائے مولوی محمد عبدالرشد الخیری صاحب اڈیٹر رسالہ ہذا کے ذریعہ ہم کو پہونچ رہی ہے۔ مولانا مرحوم کے ایسے علمی قابلیت کے آدمی کی یادگار سوائے قلمی کارناموں کے کیا ہوسکتی ہے؟ مولانا مغفور کی آخری تصنیف **امہات الامہ** ہے۔ جسکے ابتدائی حصے رسالہ ہذا کی اگلی اشاعتوں میں چھپ چکے ہیں اور باقی چھپنے کو ہیں۔ جس طرح مولانا نے اردو لٹریچر میں اپنی ناولوں کی تصنیف سے نئی روح پھونک دی تھی میں تو کہونگا۔ کہ اس نئی کتاب کے لکھنے سے انھوں نے اردو داں پبلک کے سامنے ایک نیا طرز جواب پیش کر دیا ہے۔ اِس وقت تو ضرور بعض طبائع اس نئی صنف تالیف کو دیکھکر ذرا بھڑکیں گے مگر چونکہ چیز ہے عمدہ اور پھر مفید مطلب بھی تو آگے چلکر ان کو بھی اپنی رائے بدلنی پڑے گی۔ اسوقت چونکہ مجھے اس کتاب پر اظہار خیالات نہیں کرنا ہے لہذا اُسکے بارے میں مزید رائے زنی فضول سمجھتا ہوں۔

(۲) ہاں تو کہنے کی بات یہ تھی، کہ فطری طور پر اسوقت ناظرین کے تحریں

حافظہ میں وہ سب دلائل جو امہات الامۃ کے شائع شدہ حصہ میں لکھے ہوئے ہیں محفوظ ہونگے۔ اور اس بنا پر ایک خاص دلچسپی اس بحث کے ساتھ رکھتے ہونگے۔ مجھے معلوم نہیں مگر یقین ہے کہ مولانا موصوف نے آب و ہوا و گرد و نواح کے اثرات کو بھی اپنے دلائل میں ضرور شامل کیا ہوگا۔ جیسا کہ ہم آنے والی اشاعتوں میں دیکھیں گے۔ اس وقت میں ذیل میں ایک یورپین مستشرق کے خیالات اور دلائل کا جو تعدد ازدواج کی ضرورت پر ہیں ترجمہ دینا چاہتا ہوں مگر قبل اسکے کچھ مدعا ضروری الاظہار لکھنا قرین مصلحت سمجھتا ہوں۔ یقین غالب ہے کہ ناظرین اس مضمون کو دلچسپی کی نظر سے دیکھیں گے۔

پادری ایف۔ برہم زنگ F. Barham Zincke ان معدودے چند یورپینوں میں سے ہیں جو اگرچہ اسلام کو اس عظمت اور تقدس کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جس نظر سے پیروان دین متین اسکو دیکھتے ہیں مگر تو بھی جہاں معقولیت ہوتی ہے وہاں سر تسلیم خم کرنے میں بھی نہیں ہچکچاتے کئی دنوں سے میں انکی ایک کتاب مسمی بہ Egypt of the Pharaohs* جسکا پہلا اڈیشن وسط ۱۸۷۱ء میں شایع ہوا تھا۔ دیکھ رہا تھا۔ اس بات کے معلوم کرنے کے بعد کہ وہ حلقہ وہرسٹڈ کے پادری Chaplain اور ملکہ مرحومہ کے خاندانی پادری تھے شاید ناظرین کو تعجب نہ ہوگا اگر وہ سنیں گے کہ مستشرق نے حج۔ قرآن اور صوم کا جسکو وہ جو رزم کہتے ہیں اپنے خیال کے مطابق خوب خاکہ اڑایا ہے مگر چاند پر تھوکنے سے منہ پر پڑتا ہے۔ کہاں تک وہ اس روش کے قائم کرنے میں برسر حق ہیں جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ اسی موجودہ مضمون میں ناظرین

٭ یوں ان کے ذہن میں کوئی بات نہ آئے تو اور ہی امر ہے ۱۲

* and the Khedive

اکثر جگہ پر قابل گرفت بھی پائیں گے مگر ہم سفارش کرتے ہیں کہ پادری صاحب کی غلط بینی کو نظر انداز کیجئے اسلیئے کہ وہ ان کی کمی بصارت پر دال ہے۔

(۴) فطرت کہو یا نیچر معنی دونوں کے ایک ہیں صرف فرق یہ ہے کہ یہ انگریزی لفظ ہے اور وہ عربی مگر اس سے کیا ہوتا ہے دیکھنا یہ ہے کہ آیا جو قواعد مقرر کیئے ہیں وہ بھی انسانی طبائع کے خلاف ہیں یا نہیں۔ اگر ہاں کہوگے تو اسکا یہ مطلب ہو گا کہ بدیہی باتوں سے انکار ہے اور یہ دلیل عقلی نہیں اس سے لا بدی طور پر نفی میں جواب دینا پڑیگا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ طبائع فطرت کے بنے ہوئے ہیں۔ تو ضروری ہوا کہ فطرت جو قانون وضع کرتی ہے تو اس وقت ان طبائع کا اسکو علم ہوتا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ ان کے خلاف ہو باقی رہا اختلاف طبایع جو آب وہوا اور بعض بعض نسلی اور شخصی خصوصیتوں کا اثر ہے تو اس سے یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ عام اجازت میں یہ رخنہ انداز ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں کو یقین ہے کہ احکام دین متین سب جگہ کے واسطے ایکساں ہیں اور کہ ہر شخص مثلاً روزہ رکھنا ہر ملک کے مسلمین پر فرض ہے اسی طرح غیر مستطیع مسلمانوں پر کہیں بھی فرض نہیں۔ ہمارے لایق مستشرق کہتے ہیں کہ تعدد ازدواج اصول فطرت میں سے ہے مگر انھوں نے نیچر کی حکومت کو ایک خاص حلقہ میں محدود کر دیا ہے جو مادہ پرست یورپ سے کبھی نہ کی جا سکتی۔

(۵) اصل بات یہ ہے الاسلام دین الفطرت اسلام دین فطرت ہے اسکے احکام ہر جگہ کے لئے ہیں اور یہ تو خود غلط ہے کہ "کسی مذہب نے بھی جو یورپ میں کبھی بھی اختیار کیا گیا ہو۔ اسکے عمل کی پاسداری سے ایسا

قانون نافذ کیا" اسے عمل سے مراد تعدد ازدواج ہے۔ افسوس دیدہ و دانستہ پادری صاحب جیسا عالم آدمی ایک کھلی حقیقت سے انکار کرتا ہے۔ کیا کسی بڑے مذہب نے بھی عام اس سے کہ وہ کسی ملک کا ہو تعدد ازدواج کی مخالفت کی ہے؟ اور کیا یورپ کی موجودہ حالت باوا آدم کے وقت سے آ رہی ہے؟ یہ محض یورپین تہذیب کی ایک ظاہری نمائش ہے۔ جسنے وہاں سے تعدد ازدواج کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ تو بھی ذرا کسی یورپین ملک کی حالت کو دیکھو کہ ایک ایک مرد کی کئی کئی ناجائز بیاں ہیں۔ اور پھر ان باتوں کو کیوں پیتے ہو۔ اگر تم اعداد کا رد دیکھو تو معلوم ہو گا کہ اس وحدانیت زوج نے نشیشہ فہتے پر کیا اثر کیا ہے۔ پیدائش اور اموات اطفال اور تعداد مرد و زن پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ایک درد انگیز حکایت سن رہے ہو۔ جولائی ۱۹۱۲ء کی London magazine کا پہلا مضمون اور وکیل امرتسر کا ۱۴ دیکھو۔

انگلستان میں ہمدردان قوم نے جو ملک کی اس دن بدن متنزل حالت سے متاثر ہوئے ہیں ایک سوسائٹی قائم کی ہے جسکا نام Eugenics Society رکھا ہے۔ اس سوسائٹی نے اعداد و شمار فراہم کئے ہیں جو بہت درد انگیز ہیں۔ بہر کیف پورے غور و خوض کے بعد معلوم ہوا اس پیدائشی زوال کے اسباب حسب ذیل ہیں:۔

(۱) عورتوں کی آبادی کا تہائی کے قریب حصہ بن بیاہی زندگی بسر کرتا ہے۔

(۲) ملک میں اسقاط حمل کی کثرت ہے۔

(۳) جو بچے پیدا بھی ہوتے ہیں ان کی خبر گیری نہیں ہوتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اموات اطفال کی گرم بازاری ہے۔

(۴) آبادی کی فلاکت زدہ جماعت اولاد کی پرورش کا بار نہیں اٹھا سکتی
اب ان اربعہ عناصر زوال کو دیکھئے۔
(۱) عورتوں کی آبادی کا اتنا بڑا حصہ کیوں بن بیاہی زندگی بسر کرتا ہے۔ اسکی دو ہی وجہ ہیں اول یہ کہ ان کے لئے شوہروں کی کمی ہے۔ یا دوسرے یہ کہ آزادی کی اس قدر دلدادہ ہیں کہ محکوم ہونا پسند نہیں کرتیں۔ اگر تعدد ازدواج ممنوع نہ ہوتا تو پہلے سبب کا تو فوری علاج ہو سکتا تھا کہ مرد متعدد شادیاں کرتے۔ باقی دوسرا سبب تو میرے خیال میں اس آزادی کا بھی یہی علاج ہے کہ ان کو کافی موقعہ دیا جائے کہ وہ اس مسئلہ کو غور کر کے حل کر ڈالیں ضرور ہے کہ ہر پیچر کی فتح ہوگی۔
(۲) اسکی وجہ تو اظہر من الشمس ہے اور مزید تشریح کی محتاج نہیں کاش کہ آج تعدد ازدواج کا رواج ہوتا تو یہ دلسوز واقعات سننے میں نہ آتے۔ آج جن کارروائیوں کی شرم نے انسانی ہمدردی کو قلب سے دھو دیا ہے اور ان کو مردم در جا دیا ہے اگر تعدد ازدواج ہوتا تو یہ شرم فخر سے بدل جاتی اور آبادی عالم کا اسقدر کثیر حصہ نذر اجل نہ ہوتا۔
آپ جانئے دلدادگان تہذیب جدید تو اس بات کے کوشاں ہیں کہ مشرق مغرب ہو جائے مگر مغرب ہے کہ مشرقی نقش قدم پر چلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ لیکن سوسائٹی کی جکڑ بند زنجیروں سے خلاصی نہیں ملتی۔ آہ! اسقدر دل دکھلانے والی کہانی ہے کہ عورت یعنی ماں جسکی محبت تمام جہان میں ضرب المثل ہے۔ اپنی اولاد کی پرواہ نہیں کرتی۔ اور طعمۂ نہنگ اجل ہوتے ہوئے دیکھتی ہے اور خاموش ہے
وہاں کی اندرونی زندگانی پر غائر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ ماں کو اپنی سوشل

دعوتوں۔ جلسوں۔ محفل رقص و سرود۔ پارٹیوں اور لکچروں سے اتنی فرصت کہاں کہ جن تعلقات سے وہ چند دنوں کے لئے مجبوری علحدہ ہوگئی تھی ان سے پیچھا چھڑا کر اولاد کی طرف متوجہ ہو۔ پیدایش کے بعد بچہ نرس یعنی دایہ کے سپرد ہوجاتا ہے۔ لیکن دایہ رکھنے کی حیثیت نہ ہوئی اور بچہ سوسائٹی میں بھی ہنسی اڑوانی نہیں تو مجبورتن بہ تقدیر کسی پڑوسن یا گھر کی بوڑھی نوکر عورت کے سپرد اسکو کردیا اور بیوی صاحبہ ہوا خوری کے لئے فرار ہوگئیں ان سب پہ مزید بر آں آجکل عورتوں کے ووٹ راے رہی کا وہ شور بے ہنگام برپا ہے کہ الامان والحفیظ۔ سچ تو یہ ہے اس ملک کا اللہ ہی حافظ جہاں کی عورت ایسی ابسیلی ہے۔ اللھم احفظنا من کل البلیات۔ اگر تعدد ازدواج کا رواج موجود ہوتا تو پھر کس آسانی سے مرد بجز بیوی کی خدمت علحدہ کردیتا اور کس عمدگی سے کام چلتا۔

اب جب یہ ثابت ہوگیا کہ تعدد ازدواج کی بہت ہی ضرورت ان مخصوص ملکوں کے علاوہ دیگر ممالک میں عموماً اور یورپین ملکوں میں خصوصاً ہے اور یہی مجھے ثابت کرنا بھی تھا تو اب میں اصل مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اپنے ناظرین سے ان کے قیمتی وقت کے بیشتر حصے کے برباد کرنے کی معافی مانگتا ہوں مگر ناظرین کو یہ ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ جس طرح میں تعدد ازدواج کا یورپ کے واسطے اور جہاں ضرورت ہو وہاں کے واسطے حامی ہوں اسی طرح طلاق کی آسانیوں کو بھی عام کرنے کا طرفدار ہوں۔ اگر یہ امر ہو مطلب ہو۔ لیکن اگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تعدد ازدواج کی یورپ کو ضرورت ہے تو بھی کچھ حرج نہ تھا اسلئے کہ یہ مسئلہ جوازی مجملہ فرائض سے تو نہیں ہے ... جی چاہے عمل کرو اور جی چاہے نہ عمل کرو چھوڑ دو۔ میں خوش ہوں انشاء اللہ ...

(ماخوذ از کتاب مسمیٰ مصر فیرواںؔ[۵۱] و خدیو" مولفہ پادری ایف ۔ برہم زنگ)

مرد و زن کے ان مختلف اصول معاشرت کو دیکھکر سیاحوں کو تعجب ہوتا ہے جو حدود مشرقی میں مروج ہیں ۔ اور جنھوں نے رسم و رواج اور انسانی طریقہ رہائش کی بالکل صورت بدلدی ہے ۔ عورتوں کی سوسائٹی میں لطف محال ہے ۔ عورتیں نماز کے وقت مسجدوں میں نظر نہیں آتیں ۔ اور ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ انکا گھر پر بھی فریضہ پنجگانہ ادا کرنا محض شاذ و نادر مثال ہے اسلئے کہ اصول و قواعد جو نماز کے لئے ضروری ہیں ان کو کبھی بتلائے ہی نہیں گئے ۔ بہت اچھی طرح ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی سڑک سے گذرے جہاں بکثرت آمد و رفت ہو مگر آنے جانے والوں میں اسکو ایک عورت بھی نظر نہ آئے ۔ قاعدہ مقررہ کے مطابق کوئی عورت جب تک نکاح نہ ہوے اور شوہر کے گھر نہ جائے نہ تو اپنے منگیتر کو دیکھ سکتی ہے اور نہ اس سے بات چیت ہی کر سکتی ہے ۔ نکاح کے بعد بھی عورت سوائے برادری والوں کے کسی غیر مرد سے سوشل برتاؤ نہیں کر سکتی ۔ غیر ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ آخر وہ کون سے اسباب ہیں جنھوں نے ایسے رسم و رواج پیدا کر دئیے جو ہمارے یہاں کے اس قسم کی باتوں کے جنکو ہم بھی برعقل اور پسندیدہ سمجھتے ہیں اس قدر برعکس ہیں ۔ ہم ایک نظر میں دیکھ لیتے ہیں کہ یورپی قومیں مرید شک اور رشک کرنے والوں کی تسلی سے (شاید یورپ کا باوا آدم دوسرا تھا مترجم) اور شک و شبہات بھی ایسے جن کا گرچہ ہم لوگوں کو ذرا بھی احساس[۵۲] نہ ہو ۔ مگر باشندگان مشرق میں بہت بڑی مقدار میں موجود ہیں ، تو کیا یہی وجوہات ہیں جو مشرقی اقوام میں ان ناپسندیدہ

[۵۱] فیرواں جو قدیم شاہان مصر کا خطاب ہے (حسن وارثی) [۵۲] دروغ گویم برروے تو مترجم)

خیالات کے محرک ہوئے؟ ضرور اسکی کوئی ایسی ہی معقول وجہ ہونی چاہیئے۔ جسمیں صرف شک وشبہات پیدا کرنے کی طاقت نہ ہو جس سے مرد عورت کے تعلقات باہم دیگرے کے پورے خصوصیات پر غور کرنے کے لئے کافی نتائج نکل سکیں بلکہ اسکو ایک ایسا سبب ہونا چاہئے جبکا ان کے ساتھ ایک خاص اور عجیب وغریب تعلق ہو یہ تعدد ازدواج اور صرف تعدد ازدواج کی بنا ہوئی ہیں۔

ایک آدمی کا بہ یک وقت کئی بیویاں کرلینا اور جتنا اسکا جی چاہے یا جتنے کی اسکو گنجایش ہو اتنی ہی لونڈیاں بھی رکھ لینا مشرقی ضروریات زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اور اسکے لئے ہر دوسری اشیا میں کمی وبیشی کرنی ہوتی ہے۔ برعکس حالت لیجئے اور شاذونادر مثالوں سے قطع نظر کیجئے کہ انتظام عالم کے معمولی قوانین کے اعتبار سے اسکے عمل کا کیا نتیجہ ہوگا۔ اگر عورت کو ایک سے زیادہ شوہروں کی الفت پر قرار رکھتی ہوتی تو پھر حالت کیا ہوتی؟ اور وہ رسم ورواج جو اس حالت سے پیدا ہوتے کس قسم کے ہوتے؟ بفرض محال اگر عورتوں کو اپنے حسب خواہش قانون بنانے اور ان کے عمل درآمد پر مجبور کرنے کا اختیار ہوتا تو کیا اس حالت میں ہر اک عورت اس بات کی پوری تبرگیری نہ کرتی کہ اسکے شوہر کے دوسری عورتوں سے جہانتک ممکن ہو کم تعلقات رہیں؟ کیا وہ ان کو مردانے مکان میں بند نہ رکھتیں؟ کیا وہ ان کو بے برقع کے باہر نکلنے دیتیں؟ اس حالت میں جو رشک وحسد عورتوں کو ہوتا وہی موجودہ حالت میں مرد محسوس کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے انہیں حسیات پر عمل کیاہے اور مدین جہت مشرقی رسم ورواج قایم کیا۔

اس اعتراض میں کوئی معقولیت نہیں کہ تمام جگہ تعدد ازدواج رائج نہیں ہے۔ تمام جہاں تعدد ازدواج کا رستہ بند ہو سکتا ہے مگر یہ وہ حالت ہے جسکے لئے عام رسم و رواج کو بہت کچھ مناسب حال ہونا پڑے گا جس امر کو سب لوگ صحیح اور درست مانتے ہیں اور جسپر عمل پیرا بھی ہیں وہ ایک ایسی شے ہے جسکی ضروری فکر پہلے ہی سے کی گئی ہو۔

ابھی تک ہم لوگ بات کی تہ کو نہیں پہونچے ہیں۔ کسی خاص عمل کے اسباب بیّن طور پر خاص رسم و رواج دکھلائی دینگے بہر کیف یہ بحث پورے طور پر سمجھ میں نہ آوے گی جب تک ہم ایک قدم آگے بڑھکر یہ نہ معلوم کریں کہ اس رواج کے پیدایش کے اسباب کیا ہیں۔ اکثر اس قیاس کی وجہ کہ مشرق میں باعتبار مغرب کے آتش ...... کے شعلے زیادہ تند و تیز ہیں مرے سے اس سوال ہی کو چھوڑ دینے پر ہمسکو مجبور کرتی ہے۔ کسی آدمی کا یہ مطلب ہوتا ہے جبکہ آپ اسکو یورپین کے بارے میں سرد مزاج اور عرب کی نسبت آتش مزاج بولتے ہوئے سنتے ہیں کہ آخر الذکر کا قیاسی طور پر حد سے زیادہ تند مزاج ہونا مشرقی آفتاب کی حرارت کے لحاظ سے مانا گیا ہے حقیقت میں اسکی کوئی شہادت نہیں اور نہ یہ اُسکا سبب ہو سکتا ہے کیونکہ اگر یہ تشریح صحیح بھی ہوتی تو ہم تعدد ازدواج کو وہاں اس جملہ کے دونوں معنی میں مروج پاتے (یعنی متعدد بی بیوں کے لئے متعدد شوہر بھی ہوتے مترجم) بیشک اسکی بھی کوئی شہادت نہیں کہ اس آگ کے شعلے یورپ کے بہ نسبت ایشیا میں زیادہ گرم ہوتے ہیں۔

اس بات کی تحقیقات کرنے میں مثل اور دوسری باتوں کے ہم کو جو کرنا ہے وہ محض یہ ہے کہ اسکی حقیقتوں کو دریافت کریں اور بعد ازاں

دیکھیں ان سے کیا کیا معقول نتیجے نکلتے ہیں۔ بے شک ایک بڑی اہم حقیقت یہ ہے کہ زمین کے خاص محدود حصوں میں تعدد ازدواج رائج ہے اسکی کافی اور پوری تصریح کی گئی ہے۔ یعنی اس حصہ میں شمالی افریقہ۔ مصر۔ عرب۔ شام اور ایران داخل ہیں۔ لیکن اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ تعدد ازدواج کا رواج اور ملک میں کبھی نہ ہوا۔ ممکن ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مثل دیگر رواجوں کے اس رسم نے بھی اپنے محدود حلقہ سے قدم باہر نکالے ہوں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ خاص حدود جو قائم کئے گئے ہیں ہمیشہ سے اور اب بھی تعدد ازدواج کے اصلی اور فطرتی وطن ہیں محدود یورپ وحدانیت زوج کے اعتبار سے ویسی ہی نمایاں ہیں۔ ایشیائے کوچک ایک ایسا متوسط الحال اور اسی ترتیب کے ذیل میں نہ آنے والا خطہ ہے جو محل وقوع کے لحاظ سے اگرچہ ایشیار کا سرحدی جزیرہ نما ہے مگر خط وخال کے اعتبار سے یورپ سے زیادہ قریبی مشابہت رکھتا ہے۔

اب دیکھئے ان محدود ملکوں میں ایک عام اور نمایاں مادی علامت ہے یعنی یہ سوکھے اور اجاڑ ریگستان علاقے ہیں۔ یا زیادہ مناسب طور پر کہہ سکتے ہیں کہ ایک ریتلا صحرائے عظیم ہے جس میں جہاں تہاں آباد اضلاع بکھرے ہوئے ہیں۔ اسوجہ کر ان جگھوں کی آب وہوا صرف غیر معمولی طرح کی یابس ہی نہیں بلکہ مقابلتاً مطلع صاف ہونے کے سبب کر غیر معمولی طور پر ملک روشن بھی ہے جو ایک قابل لحاظ خصوصیت ہے اور جسم کو پژمردہ کرنیکی نادر طاقت رکھتا ہے۔ ان ممالک کے نمایاں خصوصیات ہیں۔ ہوا۔ روشنی۔ اور گرمی کی زیادتی ہے۔ یہ تاثیرات عرب میں اپنے حد کو پہونچی ہوئی ہیں جو بہر نوع ان کا اصلی وطن اور مرکز ہے اور جو خاصکر اسی قوم کی جائے پیدائش ہے

جسکا مزاج ایسے ملک کی آب و ہوا کے بالکل مناسب تھا اور جو بالآخر اس نسل کے رسم ورواج اور قوانین کے ساتھ تمام محدود حلقوں میں اس طرح پھیل گئی گویا کہ ایک سیلاب عظیم نے ملکوں کو غرق کر دیا۔

لیکن اس خطہ ارضی کی عورتوں کا کیا حال ہے؟ ہوائی یبوست قریب قریب ہر وقت رہنے والی گرمی۔ اور فوارۂ آفتاب کے چمکیلے پھارو (شعاعوں) کا جسکے نیچے جملہ موجودات ہر وقت چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور جسکا اثر قوائے حیوانی کا جوش زن کرنا ہوتا ہے ان سب کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ وہاں عورت یورپین عورتوں کے بہ نسبت قبل از وقت نمویافتہ اور بالغ ہونے پر مجبور ہوتی ہے لہذا قبل از وقت ہی فرسودگی اور زوال شباب ہوتا ہے۔ یہ بہت ہی اہم وجہ ہے اور فی الحقیقت رسم ورواج اسکے محکوم ہیں۔ اسی ایک خصوصیت کو لے لینے سے جو خارجی اور نمایاں بھی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آب و ہوا میں چمڑے کو بڑھانے۔ خشک کرنے مرجھا دینے اور اس میں جھرّی پیدا کر دینے کی بہت تیز تاثیر ہے اور یہ تیزی اس حد درجہ تک ہے کہ ہم لوگوں کے معتدل آب و ہوا اور مرطوب ملک میں بالکل معلوم نہیں ہوتی۔ عورت ان شدید تاثیرات کے زیر اثر رہکر جلد بڈھی ہو جاتی ہے۔ پندرہویں برس وہ پورے طور پر جوان ہوتی ہے۔ بیسویں سال سے زوال شباب معلوم ہونے لگتا ہے اور پچیس برس کے بعد بڑھاپے کی نشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

مرد بھی بہ آسانی بیان شدہ سبب کہ جتنا ہم لوگوں کے یہاں مروج یا ممکن ہے اس سے بہت زیادہ کم سنی میں شادی کر لیتے ہیں ہمارے یہاں کی تہذیب ان لوگوں کے یہاں کے بہ نسبت بہت زیادہ عقل پہنچ

ہمارے یہاں نوجوانوں کو اپنی آیندہ زندگی کے لئے ضروری علم کے تحصیل میں بہت وقت دینا پڑتا ہے۔ جو لوگ تحصیل علم کا بار اٹھا سکتے ہیں ان کو اٹھارویں برس تک اسکول اپنے آغوش شفقت میں رکھتا ہے اور بہتوں کو یونیورسٹی کی ڈگری کے لئے تین برس اور تحصیل علم جاری رکھنا ہوتا ہے۔ مگر اسوقت بھی کسی کو خیال نہیں ہوتا ہے کہ شادی کا زمانہ آگیا۔ اس حد پر پہونچکر پھر بھی بہت کچھ ضرورت باقی ہے جو سوسائٹی میں حیثیت کے مطابق گذران زندگی کے لئے کفایت کرے۔ جوانوں کے ذمے شادی کرنے کی یہ دوسری ممانعت ہے۔ اسکو پہلے اپنی حیثیت کے مطابق خاندان کا خرچہ پورا کرنے کی قابلیت پیدا کرنی ہوگی ورنہ اسوقت تک انتظار لازمی ہے۔ جب تک اس میں اسکی قابلیت نہ ہو جائے۔ ان سب امورات کے لئے وقت کی ضرورت ہے مگر مشرق میں جہاں ضروریات زندگی محض گنے ہوئے ہیں اور جہاں زیادہ علم کی ضرورت نہیں آدمی کمسنی میں شادی کرسکتا ہے میں نے بیت المقدس میں مسجد عمرؓ کے شیخ کے لڑکے کو دیکھا جو اسوقت اگرچہ سولہ برس کا جوان لڑکا تھا۔ مگر دو شادیاں کرچکا تھا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ مرد کے عالم شباب ہی کو پہونچتے پہونچتے اسکی بیوی بڈھی ہونے لگتی ہے اسکا ضروری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج اسقدر فطری امر ہوگیا ہے جتنا کہ محض شادی بذات خود ہے۔ بہرکیف اب تک یہی ایسا ہی ہے۔

طلاق کی آسانیاں جو قانون اور رواج نے ان ملکوں میں پیدا کردی ہیں وہ انہیں اسباب کا نتیجہ ہیں۔ فی الحقیقت تعدد ازدواج کے عمل ہی سے

یہ یہ آسانیاں نکلی ہیں۔ تعدد ازدواج کے سبب کر جو اکثر ایک ناقابل برداشت حالت ہو جاتی ہے۔ اس سے نجات حاصل کرنے میں یہ آسانیاں مرد عورت دونوں کو مدد دیتی ہیں۔ اور ان کے عملی اثر نے شادی کو محض ایک وقتی بندوبست بنا دیا ہے۔

ہم لوگوں پر سرد و مرطوب آب و ہوا اور تاریک ملکوں میں برعکس حالتوں نے اسلئے اثر پیدا کئے۔ بڑی بات یہ ہے کہ وہاں عورتیں بدیر سن بلوغ کو پہونچتی ہیں اور سن کے اثرات کا خوب مقابلہ کرتی ہیں۔ اس بارے میں مرد کو انسے کوئی فضیلت نہیں ہے اور جب وہ قابل شادی ہوتی ہیں تو دس برس کی بچی نہیں ہوتیں بلکہ بیس برس کی عورتیں ہوتی ہیں۔ جو کافی علم رکھتی ہیں۔ اور اپنی مستقل مزاجی کی وجہ کر اپنے حقوق کو حاصل کرتی ہیں۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں مردوں کو ایک سے زیادہ بیوی کرنے کی ضرورت نہ معلوم ہوئی اور اگر وہ اسکی خواہش بھی کرتے تو عورتیں ان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتیں۔ تمت بالخیر

نیچر ہی نے ہم کو ایک عورت پر قانع بنایا ہے۔ کسی مذہب نے بھی جو یورپ میں کبھی بھی اختیار کیا گیا ہو اسلئے عمل کی پاسداری سے ایسا قانون نافذ نہ کیا۔ کیونکہ یہ محض بدیہی بات تھی اور سب لوگوں کا اسی پر اجماع تھا کہ کہ ہم لوگوں کے لئے وحدانیت ازدواج بہت ہی مناسب اور سب سے بہتر انتظام ہے۔ جزیرہ نمائے بلقان [illegible] غربی ازدواج کا پابند نا منجملہ ان استثناؤں کے ہے جو کسی قاعدہ کے تحت ہوتے ہیں۔

فرض کریجئے کہ اگر کاتب ازلی نے لکھدیا ہو کہ جزر و مد کی ترقی کے جن کے زیر اثر ہماری دنیا ہے وسیع صحرائے عظیم کی ریتلی دنیا جو ہوائے یابس تپتا

کرنے کے نیچر کا سب سے بڑا کارخانہ ہے ایک مرتبہ پھر سمندر کی موجوں کے نیچے آجائے گی۔ تو جو ہوائیں مغرب یا جنوب مغرب سے اٹھیں گی وہ اس محدود خطۂ زمین کو مرطوب کردیں گی اور اپنے ساتھ وہاں ایسے بادل لیجائینگی جو صرف پانی ہی نہ برسائیں گے بلکہ روشنی کی اُس مقدار کو جو آجکل اسکے حصہ میں ہے بہت کم کردیں گے۔ یہ بھی فرض کرلیجئے کہ عرب سے شام تک پھیلے ہوئے ریگستان کی حالت بھی تقریباً ایسی ہی ہوجائے گی تب مشرقی اور شمالی ہواؤں کا بھی یہی اثر ہوگا۔ لہذا اب جہاں یبوست ہے وہاں رطوبت ہوجائے گی۔ خیمہ کی زندگی کا زمانہ ختم ہوجائے گا۔ اچھے مکانوں عمدہ لباسوں۔ نفیس اور لذیذ غذاؤں اور بہتر عیشوں کی ضرورت ہوگی لوگ اس قدر کم سنی میں شادی نہ کریں گے۔ عورتیں اتنی جلدی بڈھی نہ ہونگی۔ اس خطے سے تعدد ازدواج اس طرح غایب ہوجائے گا جیسے گدہے کے سر سے سینگ۔ مذہب اس طرح اصلاح پذیر ہوگا کہ وہ نئے خیالات کو جو نئی حالتوں اور ضرورتوں سے پیدا ہوں گے مان لے گا اور اس کا لحاظ کرکے مقدس قانون نافذ کرے گا۔ اسوقت تعدد ازدواج کی مذہباً ممانعت ہوجاوے گی۔ (ماخوذ از انگریزی)

(مترجم حسن وارثی)

تصویر جوانمرگ۔ جو اس پرچہ مین شایع ہو رہی ہے اسکے متعلق حضرت سفیر کاکوروی کی نظم آئندہ پرچہ مین شایع ہوگی۔

عصمت انجنبی کی کتابیں

اثبات واجب الوجود

وہ لاجواب کتاب جس کے ترجمہ پر پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی نے پروفیسر مفتی انوار الحق صاحب ایم اے کو انعام دیکر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس کتاب میں اللہ تعالی کے وجود کا ثبوت اس خوبی سے دیا گیا ہے کہ ایک ایک حرف دل نشین ہے۔ یہ کتاب عقائد کی پختگی کے واسطے اکسیر کا کام دیگی۔ عبارت سلیس اور مضمون دلچسپ طرز بیان دل آویز قیمت ایک روپیہ (عہ)

قوت الخیال

پروفیسر صاحب موصوف کی دوسری کتاب جو اس مشہور انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جسکی تھوڑے عرصہ میں تیس چالیس ہزار جلدیں فروخت ہو چکی ہیں کتاب کی خوبی دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے قیمت چار آنے (۴ر)

عصمت کے چھ پرچے مجلد

یعنے جنوری سنہ ۱۹۰۸ء سے جون سنہ ۱۹۰۸ء تک کے پرچے۔ جو منتخب اہل قلم کے مضامین سے آراستہ ہیں۔ اصلی قیمت عہ جلد مفت

ناظرین جلدی کریں کیونکہ یہ جلدیں بہت تھوڑی باقی ہیں

المشتہر

منیجر عصمت وتمدن۔ دہلی

جلد ۱۱ دسمبر ۱۹۱۲ء نمبر ۶

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹرز۔ شیخ محمد اکرام بیرسٹرایٹ لا۔ محمد عبدالرشید الخیری دہلوی

فہرست مضامین

[illegible]



تمدن

اُمہات الاُمہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

از شمس العلما رمولانا مولوی حافظ محمد نذیر احمد صاحب - ایل - ایل - ڈی - ڈی او ایل

باوجود سخت مذہبی مخالفت اور پرخاش کے پہلے عبدالمطلب اور عبدالمطلب کے بعد ابوطالب کی حمایت کی وجہ سے پیغمبر صاحب دشمنوں کی دست درازی سے بہت کچھ محفوظ تھے مگر وہ لوگ اس ٹوہ میں تھے کہ کسی ڈہب سے دادا اور چچا ان سے دست بردار ہو جائیں تو چٹکی بجاتے میں اس آئے دن کے جھگڑے کا تیا پانچا کر دیں یہ دل میں ٹھان اور جمع ہو کر ابوطالب پاس گئے اور ان سے جاکر کہا کہ آپ کو تو کچھ خبر نہیں ہوتی آپ کے بھتیجے نے ہم سب کا ناک میں دم کر رکھا ہے اس کو ایک نئے دین کا خبط اُچھلا ہے۔ سر بازار اور گلی کوچوں میں ہمارے مذہب کی توہین بزرگوں کی تحقیق کرتا پھرتا ہے ہم آپ کے لحاظ سے اب تک سہ

گھونٹ پیکر رہ جاتے ہیں آپ اسکو ہمارے سامنے بلاکر پوچھئے تو سہی کہ آخر یہ چاہتا کیا ہے اگر ریاست کی ہوس ہے تو ہم سب اس بھرے مجمع میں اسکو اپنا بادشاہ تسلیم کیے لیتے ہیں اگر دولت درکار ہے تو جتنا کہو چندہ جمع کردیں کہ یہ امیر الامرا ہوجائے اگر خوبصورت عورت چاہیئے تو قریشی عورتیں حسن میں شہرۂ آفاق ہیں جس کو پسند کرے اس کو اس سے بیاہ دیں اور اگر اس کا دل الٹ گیا ہے تو طبیب سے سیانے سے اس کا علاج کرائیں اور اگر کسی صورت سے راضی نہ ہو تو آپ اپنے دین آبائی کی خاطر اس پر سے اپنا ہاتھ اٹھائیں۔ پھر ہم اس سے سمجھ لیں گے یا یہی نہ ہوگا یا ہم نہ ہوں گے۔

ابوطالب نے پیغمبر صاحب کو سب کے روبرو بلاکر کہا کہ بھتیجے! یہ سب بھلے بھلے آدمی تم سے ایک معقول درخواست کرتے ہیں تم سوچ سمجھکر ان کو جواب دو۔ پیغمبر صاحب نے چچا کے اس کہنے سے ایسا خیال کیا کہ شاید چچا مجھکو جواب دیتے ہیں یہ سمجھکر ان کو اپنی بیکسی پر رونا آیا۔ مگر کہا تو یہ کہا کہ یہ لوگ مجھکو کیا لالچ دکھاتے ہیں اگر چاند سورج کو بھی میری گود میں لا بٹھائیں میں اپنے ارادے سے باز آنے والا نہیں۔ یہ حکایت ہم نے اس غرض سے بیان کی کہ اگر پیغمبر صاحب کو بی بی کی خواہش ہوتی تو اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا مگر ان کو اس سے بحث ہی نہ تھی انکا نکاح پہلا خدیجۃ الکبریٰ سے ہوا۔ ان کی خواستگاری سے نہیں بلکہ خدیجۃ الکبریٰ نے خود پیام دیا۔ نکاح کے وقت پیغمبر صاحب کی عمر ۲۵ برس کی تھی اور خدیجۃ الکبریٰ کی ۴۰ برس کی۔ علاوہ بریں خدیجۃ الکبریٰ پیغمبر صاحب کی پہلی بی بی

تھیں اور پیغمبر صاحب خدیجہ کے تیسرے شوہر۔ ان کے پہلے شوہر ابوہالہ اور دوسرے عتیق ان کو بیوہ چھوڑ کر مر گئے تھے اس حکایت سے کام کی کئی باتیں مستنبط ہوتی ہیں سب سے پہلے یہ کہ نفسانی خواہش پیغمبر صاحب کو خدیجہ سے نکاح کرنے کی محرک نہیں ہوئی ورنہ وہ اپنے سے پندرہ برس بڑی بیوہ صاحب اولاد کو نہ کرتے بلکہ خدیجہ میں چند در چند خصوصیتیں تھیں سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت ان کے مذہبی خیالات تھے۔ ان کے تفصیلی حالات پیغمبر صاحب کی دوسری بیبیوں کی طرح ان ہی کے بیان خاص میں لکھیں گے جب عنفوان شباب میں پیغمبر صاحب نے نفسانی خواہش کی پروا نہ کی تو بعد کے نکاحوں میں جبکہ یوماً فیوماً عمر دبانحطاط تھی اور اسلامی ترددات رد بازو یاد کیونکر کر سکتے تھے پیغمبر صاحب کے مزاج میں حیا کی افراط بھی بدرجہ غایت تھی۔ الحیاء من الایمان[1] اور اس کی وجہ سے وہ تکثیر ناروا پر قادر ہی نہ تھے ایک دفعہ کا مذکور ہے کہ کعبہ آتش اتفاقی سے جل کر مسمار ہو گیا تھا قریش نے جمع ہو کر از سر نو اسکو بنانا شروع کیا تو ہر شخص کار ثواب سمجھکر اس کی تعمیر میں جو جس سے بن پڑا تھا خدمت کرتا تھا یہاں تک کہ مال مسالا کندھوں پر ڈھو ڈھو کر پہونچا رہے تھے ان میں پیغمبر صاحب کے چچا عباس بھی تھے اتنے میں پیغمبر صاحب بھی آنکلے اور لگے کندھے پر پتھر ڈھونے اس وقت پیغمبر صاحب کی عمر ۱۲۔۱۳ برس کی رہی ہوگی اور عرب میں اتنی عمر کے لڑکے ستر عورت بہت کم کیا کرتے تھے عباس نے جو ان کو کندھے پر پتھر لاتے دیکھا انکا تہمد کھول گنڈلی بنا کر کندھے پر رکھ دیا کہ اسپر

[1] حیا ایمان کی ایک شاخ ہے ۱۲۔

پھر کھو نہیں کندھا چھل جائے گا تہمد کا کھولنا تھا کہ بے بارے حیا کے غش کھا کر گر پڑے تہمد بدستور باندھ دیا تب ان کو ہوش آیا پھر آخر عمر تک یہی حال رہا کہ عورتیں بیعت کرنے آتیں تو ان کو دور ہی سے کہہ دیتے کہ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی غرض کبھی کسی اجنبی عورت کا ہاتھ تک نہیں چھوا۔ ہم نے اب تک پیغمبر صاحب کی تکثیر ازدواج کی بابت جو کچھ لکھا پیغمبر صاحب کی طرف سے لکھا کہ ان کی مناکحت میں غرض اوّلین پاسداری اسلام ہوتی تھی اور علی سبیل التنزل غرض ثانوی کے طور پر اس میں شائبہ خواہش نفسانی کا بھی ہو تو چونکہ خواہش نفسانی فطری اور خدا داد اور بقائے نوع انسان کا سبب ظاہر ہے اور اسی وجہ سے کوئی فرد بشر اس سے بری نہیں تو پیغمبر صاحب میں اس خواہش کے ہونے سے ان کی شان پیغمبری میں کسی طرح ضعف اور فتور نہیں آتا بلکہ اس خواہش کا فقدان نقصان بشریت ہے اور پیغمبر کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے یہ سبب کچھ سہی مگر نکاح سے تو زن و شو دو شخصوں کے حقوق متعلق ہوتے ہیں تو ہم کو امہات المومنین کے لحاظ سے بھی پیغمبر صاحب کے نکاحوں پر نظر کرنی چاہیے۔

عرب کے رسم و رواج نے تو عورتوں کے تمام حقوق پامال کر ہی دیے تھے کہ عورت مرد سے کسی حق کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتی تھی مگر اسلام نے لھن مثل الذی علیھن بالمعروف سے اور تکثیر ازدواج کی صورت میں عدل کی شرط سے عورتوں کو حقدار ٹھیرایا۔ دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر صاحب اپنی ازواج میں کہاں تک شرط عدل کا ایفا کرتے تھے

سیر کی تمام کتابیں بالاجماع گواہی دیتی ہیں کہ پیغمبر صاحب نے امہات المومنین میں بالمساوات دن تقسیم کر رکھے تھے جس دن جس کی باری ہوتی اس کے یہاں شب باش ہوتے، سفر میں کسی کو ساتھ لیجانا ہوتا تو قرعہ ڈالتے غرض سفر میں حضر میں کسی حالت میں مساوات کے قاعدے کا نقص نہیں کیا۔ جس دن مرض الموت میں علیل ہوئے زینب بی بی کی باری تھی اس خیال سے کہ ام المومنین عائشہ کے گھر میں تیمارداری اچھی ہوگی اور ان کے والد ابوبکر جو پیغمبر صاحب کے مشیر خاص تھے بیٹی کے گھر پر آمد و شد کر سکیں گے سب بیبیوں کی اجازت سے عائشہ کے گھر بیماری کے دن کاٹنے چلے گئے اور دوسری بات یہ ہے کہ امہات المومنین کو عام بیبیوں پر قیاس کرنا ہی ٹھیک نہیں [۵۱] یانساء النبی لستن کاحد من النساء بے شک پیغمبر صاحب کی بیبیاں پیغمبر تو نہ تھیں اور کبھی کوئی عورت نبی نہیں ہوئی مگر مردوں میں جو شرف پیغمبر صاحب کو حاصل تھا۔ عورتوں میں یہ شرف ہم بستری پیغمبر کو بھی اسی کے لگ بھگ سمجھو [۵۲] الطیبت للطیبین والطیبون للطیبت دنیا کی نظروں میں [۵۳] وازواجہ امھتھم کیا کچھ تھوڑا شرف ہے جس طرح پیغمبر صاحب اسلام کے آگے کسی دنیاوی خواہش کی چنداں پرواہ نہیں کرتے تھے یہی حال کل امہات المومنین کا تھا کہ پیغمبر صاحب کی ہم بستری کے آگے ان کی سب خواہشیں مغلوب تھیں عورتوں کو

---

۵۱ پیغمبر کی بیبیو! تم عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں ۱۲

۵۲ پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ۱۲

۵۳ اور پیغمبر کی بیبیاں (ادب و تعظیم میں) ان کی مائیں ہیں ۱۲

نان ونفقے کی بڑی طمع ہوتی ہے تو امہات المومنین سب کی سب خوش دلی سے ساتھ فقر وفاقے میں بسر کرتی تھیں پیغمبر صاحب نے صاف صاف لفظوں میں ان سب سے کہہ دیا تھا[۵۱] ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتہا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرا عظیما۔

روایت ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو پیغمبر صاحب نے عائشہ رض کی نوعمری کی وجہ سے ان سے کہا تھا کہ دو ٹوک جواب دینے سے پہلے تم اپنے باپ سے رائے لے لینا۔ عائشہ رض نے چھوٹتے ہی کہا کہ باپ سے صلاح لینے کی کچھ ضرورت نہیں میں خدا رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں اسی سے سمجھ لو کہ امہات المومنین پیغمبر صاحب کی زوجیت کی کس قدر عظمت کرتی تھیں ام المومنین سودہ عمر سے اتری ہوئی تھیں ان کو از خود خیال ہوا کہ کہیں پیغمبر صاحب مجھکو چھوڑ نہ دیں انہوں نے خوشی رضی سے عائشہ رض کو اپنی باری دے دی اور پیغمبر صاحب سے کہا کہ مجھکو اسی قدر بس کرتا ہے کہ میں قیامت میں آپ کی بی بی کہہ کر پکاری جاؤں۔

ہم پیغمبر صاحب کو تمام لوازم ضعف بشریت کے ساتھ بشر مانتے ہیں اور وہ خود اس کے معترف تھے ہاں جو بات تفتیش حالات سے

---

۵۱ کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے ساز وسامان کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور عاقبت کے گھر کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیک و کار ہیں ان کے لیے اللہ نے (بڑے) بڑے اجر تیار کر رکھے ہیں ۱۲

ہم کو ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ پیغمبر صاحب اور امہات المومنین فریقین کو نکاح میں مذہبی غرض زیادہ تر مقصود تھی پیغمبر صاحب کو اسلام کی تقویت اور امہات المومنین کو شرف ہم بستری پیغمبر۔ دنیاوی اعتبار سے بھی کیا کوئی عزت اس عزۃ کو پا سکتی ہے کہ پیغمبر صاحب کی بیبیاں ادب اور تعظیم کی رو سے تمام امت کی مائیں قرار پائیں۔ کسی اور عورت کو بھی یہ رتبہ حاصل ہوا ہے۔ عورتیں بالطبع کھانا پینا خوش حال گھر ڈھونڈھا کرتی ہیں۔ سو پیغمبر صاحب کو تو خوش حالی ساری عمر نصیب ہی نہیں ہوئی اور ہوتی کہاں سے باپ کو تو آنکھ کھول کے دیکھا تک نہیں دادا نے یتیم پوتے کو پالا تو خیر ان کے وقت میں خدا نے ننگا۔ بھوکا۔ نہیں رکھا۔ دادا کے مرے پیچھے چچا ابوطالب نے دست گیری کی تو وہ خود قرضدار اور کثیر العیال تھے۔ ام المومنین خدیجہؓ کے تعلق سے پیغمبر صاحب کی خوش حالی کا آغاز سمجھو تو مذہبی مخالفت کی وجہ سے قریش نے ان کو اور ان کے طرفداروں کو شعب ابی طالب میں نظربند کر دیا برادری سے خارج۔ کھانا پینا موقوف۔ لین دین بند۔ میل جول متروک۔ تو ایسی حالت میں خیالی خوش حالی کا کیا کام دے سکتی تھی۔ ہجرت کے بعد سے خیال ہو سکتا ہے کہ مدینے میں مردوں سے فتوحات ہونے لگی ہو گی تو فتوحات کا حال یہ ہے کہ زکوٰۃ کو اور صدقات کو پیغمبر صاحب نے نہ صرف اپنے اوپر بلکہ تمام بنی ہاشم پر حرام کر رکھا تھا اور ان کو لوگوں کے مال کا میل اور ان کے لینے کو ذلیل بے غیرتی فرماتے۔ ہاں غنیمت کی ایک رقم تھی جس سے خوش حالی کی توقع کی جا سکتی تھی تو عرب کا دستور تھا کہ لڑائی میں جو

لوٹ کا مال ہاتھ آتا اس کا چوتھائی فریق غالب کے سردار کا حق ہوتا تھا
اور تین چوتھائی لشکر کا۔ پیغمبر صاحب نے چوتھائی کو گھٹا کر پانچواں کر دیا۔
اور پانچویں میں ایک انار اور صد بیمار۔ واعلموا انما غنمتم من شیٔ[۱]
فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربے والیتمے والمساکین وابن
السبیل۔ ایک دفعہ کا مذکور ہے کہ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ پیغمبر صاحب
کے پاس غنیمت میں کچھ لونڈیاں آئی ہیں آپ نے حضرت فاطمۃ الزہرا کو
جا خبر دی کہ تم شکایت کیا کرتی ہو کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے
پڑ گئے ہیں اور گھر کے کام کاج سے مجکو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ بچوں کی
خبر لوں۔ ایسے میں جا کر اپنے والد صاحب سے ایک لونڈی مانگ لاؤ
فاطمہؓ گئیں اور ان کو پیغمبر صاحب کی عادت معلوم تھی کہ وہ مہاجر
مسلمانوں کی تکلیف کے آگے اپنی اور اپنے قرابتمندوں کی تکلیف
کی پروا نہیں کرتے ہچکچاتی ہوئی پیغمبر صاحب کے پاس تشریف
لے گئیں۔ اتفاق سے اس وقت پیغمبر صاحب گھر تشریف نہیں رکھتے
تھے انہوں نے ام المومنین بی بی عائشہ سے اپنا واقعہ بیان کیا
اور چلتے وقت کہتی گئیں کہ پیغمبر صاحب کو میرا آنا اور یہ واقعہ یاد دلا دینا
پیغمبر صاحب تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے بی بی فاطمۃ الزہرا
کے آنے اور آنے کی ضرورت بیان کی۔

(باقی آیندہ)

---

[۱] اور (مسلمانوں) جان رکھو کہ جو چیز تم (لڑائی میں) لوٹ کر لاؤ اس کا پانچواں حصہ
خدا اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا
اور مسافروں کا ۱۲

اسلام کی صدا

اے میرے عزیزو مری آنا خلف اولاد فریاد ہے فریاد ہے فریاد ہے فریاد
مٹی نہ ہو اسطرح کسی قوم کی برباد تم آنکھوں سے دیکھو میں سہوں ہائے یہ بیداد
جو کانپتے تھے نام سے میرے کبھی تھر تھر
ہیں اپنے کلیجے پہ سوار آج وہ کافر

آنکھیں تمہیں مدت سے دکھاتا تھا زمانہ عبرت تمہیں رہ رہ کے دلاتا تھا زمانہ
روز ایک سبق تمکو پڑھاتا تھا زمانہ عبرت تمہیں رہ رہ کے دلاتا تھا زمانہ
یہ راہ غلط تمہاری ہے۔ للہ اسے چھوڑو
لٹ جاوگے۔ مخدوش ہے یہ راہ۔ اسے چھوڑو

کھو بیٹھے تعیش میں زر و ملک و حکومت باقی نہیں جو میں نے سکھائی تھی اخوت
آئینۂ دل میں وہ بھی گرد کدورت آپس ہی میں کی صرف جو کچھ رکھتے تھے قوت
داغ آہ مرے دل پہ نہ کیا کیا دیے تم نے
سو فرقے بنا کر مرے ٹکڑے کیے تم نے

مانا کہ تمہاری وہ حکومت نہیں باقی وہ حشمت و جاہ وہ دولت نہیں باقی
اخلاص نہیں تم میں۔ اخوت نہیں باقی کیا اس کے یہ معنی ہیں مروت نہیں باقی
تم خیر امم۔ عاشق شیدائے نبی ہو
من حیث مسلماں کے جو پہلے تھے وہی ہو

اللہ کی جانب سے یہ ایک جانچ ہے گویا قائم رہے تم اس میں تو بس پار ہے بیڑا
ہے وقت کہ دنیا کو دکھا دو وہ تماشا اب تک جو نہ آنکھوں نے زمانے کی ہو دیکھا

گر ہار نہ بیٹھو مرے شیدائیو تم دل
جو چاہو تمہیں چشم زدن میں ہو وہ حاصل

اے مسلمو مر مر کے تو جینا نہیں اچھا — بہتر ہے کہ مٹ جائے یہ ہر روز کا جھگڑا
دل میں جو کھٹکتا ہے نکل جائے وہ کانٹا — یا تم نہ رہو یا نہ رہیں ملک میں اعدا

رہنا ہو جو دنیا میں تو عزت سے رہو تم
مر جاؤ پہ للہ نہ ذلت سے رہو تم

منظور نہ ہو تم کو اگر ذلت و خواری — سہنا نہ ہو یورپ کی اگر دست درازی
رہنا نہ ہو دنیا میں اگر بن کے یہودی — کرنا نہ ہو کفار کی گر تم کو غلامی

حرمت کا مری پاس ہے ملت کی جو کد ہے
لو مٹھیاں کھولو کہ یہی وقت مدد ہے

اے فاتح عالم تمہیں کچھ اپنی خبر ہے — وہ حوصلہ اب کیا ہوا۔ وہ جوش کدھر ہے
گر رکھتے ہو دل سینوں میں اور دل میں اثر ہے — کچھ عظمت قومی کا نشاں تم میں اگر ہے

لایا تھا جو خون رنگ عرب اور عجم میں
تم آج دکھا دو کہ وہی خون ہے ہم میں

کچھ تم میں ہے غیرت تو دلیلوں سے بتا دو — الزام جو سر پر ہے تمہارے وہ مٹا دو
موقع ہے کہ دنیا کو کچھ اب کر کے دکھا دو — ہاں دشمن دیں پر علم آج جتا دو

زندہ ہیں ہم۔ اور رہنا ہے زندہ ابھی ہمکو
آساں نہیں یورپ کا مٹانا ابھی ہم کو

محمد مسلم
عظیم آبادی

درختوں کی خوراک

اکثر اصحاب جنہوں نے علم نباتات کا مطالعہ نہیں کیا۔ یہ سن کر متعجب ہونگے کہ مشاہدہ کرنے سے ابتدائی حیثیت میں حیوانات اور نباتات میں بہت ہی کم فرق معلوم ہوتا ہے۔ اور سرسری مقابلہ کرنے سے تو حیوانات اور نباتات میں یہ معمولی فرق بھی بدقت محسوس ہوتا ہے تاہم ان علموں کے ماہرین نے چند ایسے نکات بتا دیے ہیں جن کی مدد سے ہم حیوانی اور نباتاتی زندگی میں فوراً تمیز کر سکتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:-

۱- حیوان اپنی خوراک کم وبیش ٹھوس شکل میں حاصل کرتے ہیں۔ نباتات کے لیے خوراک کا رقیق ہونا ضروری ہے۔

۲- حیوان اپنی خوراک کے لیے ضروری کاربن۔ نشاستہ، شکر اور چربی وغیرہ ایسی چیزوں سے حاصل کرتے ہیں جو دوسرے جانوروں نے یا درختوں نے اپنے لیے فراہم کیے ہوں۔ مثلاً حیوانوں میں انسان ہی کو لو یہ اپنی کاربن گیہوں اور مختلف قسم کے اناجوں سے حاصل کرتا ہے نباتات میں ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ متذکرہ بالا اشیا یا تو ہوا کی کاربن ڈائی آکسائیڈ (Carbon Dioxide) سے یا براہ راست پانی سے حاصل کرتے ہیں۔

۳- حیوانات نائٹروجن بھی کاربن کی طرح دوسروں کی تیار کردہ حاصل کرتے ہیں۔ اور فضلہ خارج کرتے ہیں لیکن درخت نائٹروجن زمین کے مختلف نمکوں سے حاصل کرتے ہیں۔ اور کسی قسم کا فضلہ خارج نہیں کرتے۔

۴۔ حیوانات میں کلوروفل (Chlorophyll) جو سبز رنگ کا ایک رقیق مادہ ہوتا ہے اور درختوں کے پتوں میں موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے پتے اکثر سبز نظر آتے ہیں موجود نہیں ہوتا۔ لیکن درخت بغیر اس کے اپنی خوراک کسی طرح حاصل نہیں کر سکتے۔

۵۔ حیوانوں میں بدن کے تمام حصے ایک دوسرے کے کام پر مبنی ہیں۔ درختوں میں یہ بات ہے تو سہی لیکن اتنی نہیں جتنی حیوانات میں وغیرہ وغیرہ۔ خیر ان پیچیدگیوں کو جانے دیجئے اب سوال یہ درپیش ہے کہ درخت اپنی خوراک کس طرح حاصل کرتے ہیں۔ درختوں کے سبز سبز پتے صرف خوبصورتی اور آپکی آنکھوں کی طراوت پہنچانے کی غرض سے نہیں پیدا کئے گئے۔ بلکہ خالق حقیقی نے جسطرح ہمارے اور دیگر حیوانوں کے ہاتھ پاؤں بنائے ہیں۔ اسی طرح پتے بھی درختوں کے ہاتھ ہیں۔ بغیر ان کے درخت کسی صورت میں اپنی خوراک حاصل نہیں کر سکتے یہ تو سب جانتے ہیں کہ جڑیں بھی خوراک حاصل کرنے کا ایک بڑا وسیلہ ہیں مگر درختوں کا اصل کھانا پتوں اور جڑوں کے مشترکہ کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے کلوروفل جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے تمام درختوں کے پتوں میں کم و بیش موجود ہوتی ہے۔ اس کا خاصہ یہ ہے کہ سورج کی گرمی کی مدد سے ہوا کی کاربن ڈائیا وکسایڈ کو اپنے ساتھ ملا لیتی ہے اور کاربن جذب کرکے آکسیجن نکال دیتی ہے بس پتوں کا صرف اتنا ہی کام ہے۔ جڑ زمین سے پانی کاربن۔ نائیٹروجن گندھک۔ فاسفورس کیلشیم۔ پوٹیشیم۔ لوہا۔ سوڈیم۔ سلیکن۔ کلورین جن میں سے پہلی چھ سات چیزیں خوراک کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ یہ سب چیزیں جڑوں کے ذریعہ تنے میں اور تنے سے پتوں میں آجاتی ہیں اور کاربن کے ساتھ ملکر درخت کی خوراک بن جاتی ہیں لیکن یہ خوراک بھی اس قابل نہیں

ہوتی کہ درخت اسے ہضم کرسکے۔ اس لیے یہ تبدیل ہوکر شکر جسکو انگریزی میں Glucose کہتے ہیں بن جاتی ہے۔ اب درخت اس کو ہضم کرسکتا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ ان تمام عناصر کا پانی میں تحلیل ہونا ضروری ہے نیز پانی تمام چیزوں سے زیادہ لازمی ہے کیونکہ یہ مرکب پانی پتوں میں پہنچنا چاہیے۔ اگر یہ تمام عناصر جن کا اوپر ذکر ہوچکا ہے پانی میں ملا کر ایک شیشے کے برتن میں رکھے جائیں اور اس میں کوئی پودا اسطرح لگایا جائے کہ اس کی جڑ گلاس میں رہے اور ہوا اندر نہ داخل ہوسکے تو پودا اچھا اُگے گا اور قائم رہے گا لیکن ابھی تک یہ بات تحقیق نہیں ہوئی کہ ان عناصر کی مقدار کیا ہونی چاہیے۔ ہاں یہ معلوم ہے کہ مختلف عناصر درخت کی نشوونما کے لیے ضروری ہیں مثلاً لوہا۔ بغیر لوہے کے کلوروفل کا پیدا ہونا محال ہے حالانکہ اگر کلوروفل کے عناصر الگ کیے جائیں تو لوہے کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اسلیے زرخیز زمین وہی کہلاتی ہے جس میں یہ تمام عناصر مناسب مقدار میں موجود ہوں۔ اگر ایک میں بھی کمی ہوگی تو درخت کی بالیدگی میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور لاحق ہوگا۔

اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ جڑ میں جذب کرنے کی قوت کس طرح پیدا ہوتی ہے اگر ہم ربڑ کے ایک پھکنے میں کھانڈ کا شربت بھر کے پانی کے ایک گلاس میں رکھکر کوئی دو تین گھنٹہ کے لیے چھوڑ دیں اور اس عرصہ کے بعد گلاس میں جو پانی ہے اُسے چکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں کچھ کچھ مٹھاس آگئی ہے اور پھکنے کی مٹھاس کم ہوگئی ہے۔ غرضیکہ پانی اور شربت دونوں کی مٹھاس تقریباً ایک ہوگئی ہے اسطرح اگر ایک شربت کے گلاس میں معمولی پانی بھرا ہوا ربڑ کا پھکنا رکھا جائے تو یہی صورت ہوگی۔ بس بالکل یہی

حال جڑوں کا ہے۔ جڑوں کے سروں پر چھوٹے چھوٹے باریک بال ہوتے ہیں۔ جو بغیر خوردبین کے نظر نہیں آتے۔ ان بالوں کے اندر ربڑ کے پھکنے کی مانند شربت تو نہیں مگر پانی جس میں تیزاب ملے ہوئے ہوتے ہیں موجود رہتا ہے اور زمین کا پانی ان بالوں میں تیزابوں کی طاقت بڑھانے یا گھٹانے کیلئے جیسی ہی صورت ہو۔ داخل ہوتا ہے۔ اور اپنے ہمراہ تحلیل شدہ متذکرہ بالا عناصر جڑوں میں لے جاتا ہے۔ ہوتے ہوتے یہ مرکب پانی جڑوں سے پتوں تک پہنچ جاتا ہے۔

یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ مختلف اقسام کے پودے اگر ایک ہی قطعۂ زمین میں بوئے جائیں تو وہ اپنی خوراک کی ضروری چیزیں مختلف تناسب میں حاصل کر لیتے ہیں اسی اصول پر کاشتکار لوگ حساب لگا لیتے ہیں کہ کون کون سی جنسوں کے لیے کن کن عناصر کا زیادہ خرچ ہے۔ اس لیے ہر سال ایک ہی قسم کی جنس نہیں بوتے بلکہ ردوبدل کرتے رہتے ہیں۔ گو یہاں کے کسان اپنے کھیتوں میں تبدیلی تو کرتے رہتے ہیں مگر اس کی اصلی وجہ نہیں سمجھتے۔ دیگر ممالک کے لوگ اس اصول سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا گزارہ صرف زمین کی مدد سے نہیں ہوتا بلکہ وہ گوشت خوار ہیں۔ خداوند کریم نے ان کی وضع ایسی عجیب غریب بنائی ہے کہ انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی ؟ دنیا کے بعض حصوں میں ایسے درخت پائے جاتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے اور مکھیاں کھاتے ہیں۔ سنا ہے بعض بڑے بڑے جانور تک ہضم کر جاتے ہیں۔ مکھیاں کھانے والے پودے ہندوستان کے جنوبی اور انگلستان کے بعض بعض حصوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے

اکثر ننھے سے مٹی کے گھڑے کی مانند ہوتے ہیں اور انگلستان میں اسی نام سے موسوم (Pitcher Plant یعنی گھڑے کی وضع کا پودا۔ اس گھڑے کے منہ پر ایک طرف ڈھکنا لگا ہوا ہوتا ہے۔ اندر پانی کی طرح کا ایک رقیق مادہ ہوتا ہے جس میں تیزاب کی مانند کوئی چیز ہوتی ہے۔ گھڑے کے منہ کے ذرا نیچے اندر کی طرف چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں جن میں سے شہد نکلتا ہے۔ بیچارے کیڑے اور مکھیاں اس شہد کی لالچ میں اس گھڑے میں گھس جاتے ہیں اور جونہی یہ اندر داخل ہوئے یکدم ڈھکنا بند ہو جاتا ہے کیڑے یا مکھیاں تیزاب کی وجہ سے پانی میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور درخت اس پانی کو جذب کر لیتا ہے جب اپنا شکار کھا چکتا ہے تو ڈھکنا پھر کھل جاتا ہے اور یہ شکار پکڑنے کے لیے پھر تیار ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

یہ تمام طریقے جو بیان کیے گئے صرف ایسے درختوں کی بابت ہیں جو اپنی ساری خوراک اپنی محنت سے حاصل کرتے ہیں۔ لیکن دنیا میں بعض درخت حیوانات کی کی طرح اس تاک میں رہتے ہیں کہ کہیں سے نیا نیا مال ہاتھ لگے تو کام بنے چنانچہ شاید آپنے دیکھا ہوگا کہ مالی جب درخت کو خشک کرنا چاہتا ہے اس درخت پر اُگاس بیل کا بیج یا ایک ٹکڑا ڈال دیتا ہے۔ یہ بیل اس قسم کی ہوتی ہے کہ اپنے آپ تو نہ کسی قسم کی محنت کرتی ہے نہ مشقت جو کچھ بیچارے درخت نے اپنے کھانے کے واسطے تیار کیا ہے جھٹ خود ہضم کر لیتی ہے۔ بمثل "دکھ بھریں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں"۔ اسی طرح ہوتے ہوتے جب درخت کو اپنی کمی پوری کرنے کے لیے خوراک نہیں ملتی تو رفتہ رفتہ سوکھ جاتا ہے اس قسم کے درختوں کو اپنے آپ تو محنت کرنی پڑتی ہی نہیں اس وجہ سے ان میں کلوروفل بھی نہیں ہوتا نہ پتے ہوتے ہیں۔ اور کلوروفل کی عدم موجودگی سے رنگ بھی

زرد ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ جس چیز کی آپ ضرورت

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا

آریا ہوں یا کہ عیسائی سبھوں کا ہے خیال
طاقت شمشیر سے اسلام پھیلایا گیا

ہے مسلمانوں کا یہ دعویٰ نہیں ہرگز نہیں
اپنی مرضی سے ہر ایک اس دین میں داخل ہوا

ہم بھی ہیں آخر مسلماں ہے ہمارا بھی خیال
زور سے تلوار کے اسلام کا ڈنکا بجا

اپنے سر پر تیغ براں سب نے جب دیکھی علم
خوف کے مارے قبول اسلام آخر کر لیا

ایسا بھاری دین آبائی نہیں تھا لوگوں پر
خنجر اسلام نے جبراً اسے چھڑوا دیا

بندھ گئی تھی دھاک ایسی بانیِ اسلام کی
جس کی جانب اٹھ گئیں نظریں اسکا جھک گیا

ہاں مگر تیغ تیغ آہنی ہرگز نہ تھی
خنجر اسلام ہرگز خنجر آہن نہ تھا

راستی کی تیغ تھی جو تھی مسلمانوں کے پاس
خنجر آہن نہ تھا وہ خنجر اخلاق تھا

قطعہ

خون رو رہا ہوں دیکھکے اسلامیوں کا حال
غیرت کسی میں ہے نہ حمیت کسی میں ہے

کچھ پڑ گئی ہے حلقہ بگوشی کی ایسی لت
ہے اسکا اعتقاد کہ عزت اسی میں ہے

اس قوم کا ہے حال اسی عندلیب سا
اندر قفس کے بند جو اک بیبسی میں ہے

ہر سو سے دشمنانِ جفا خو کا ہے ہجوم
ہر شخص غرقِ قلزمِ ایذادہی میں ہے

کل تک نہیں جس سے لاکھوں امیدیں خلوص کی
دیکھا تو آج محو وہی دشمنی میں ہے

کسطرح دوستی کا کرے کوئی اعتبار
کھٹکا سا دشمنی کا ہر اک دوستی میں ہے

کیونکر مٹا دیں امتِ خیر الوریٰ کا نام
اتنو ہے یہ عیاں کہ یہی سب کے جی میں ہے

اس قوم پر ہجوم بلا دیکھہ دیکھہ کر
احباب کو ملال ہے دشمن خوشی میں ہے

کیا جانیں روزِ حشر کب آنے کو ہے مگر
محشر بپا تو آج ہی دینِ نبی میں ہے

پروردگارا کوئی بار غیب سے بچ العزت سے بچانی کی کوئی صورت

تمنائے عمادی پھلواری عظیم آبادی

دعا

اسلامیوں پہ آفت اے عز و جل نہ آئے — ان کی ترقیوں میں کوئی خلل نہ آئے
ہو جائے گر لڑائی سلجھائے یا الٰہی — تخم منافقت گر بوئے تو پھل نہ آئے
اب علم میں ترقی کرنے لگے ہیں ہم بھی — اس میں خلل کا پہلو کوئی نکل نہ آئے
کیا علم تھا عمل تھا واقف ہی تو ہمارا — کھویا ہوا نہ پائیں جب تک تو کل نہ آئے
ہو فقر میں قناعت ہمکو نصیب یارب — وہ صبر دے کہ ہرگز ابرو میں بل نہ آئے
صنعت میں بھی کسی کے محتاج ہوں نہ ہرگز — بنکر ہماری خاطر یورپ سے کل نہ آئے
گمراہی و ضلالت ہم کو فنا نہ کر دے — پھر پھر ہو دیوں کی صادق مثل نہ آئے
لیڈر دے ہم کو یارب ہمدرد و نیک و مخلص — آوازاں کی مثل صوت طبل نہ آئے
قانون بوعلی ہے مانا کہ مایۂ ناز — کیا فائدہ جو ہم کو اسپر عمل نہ آئے

اسلاف پر کریں کیا ہم فخر و ناز عابد
جب تک کہ ہم میں انکا علم و عمل نہ آئے

(قاضی زین العابدین عابد)

تصورِ جاناں

جی ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

سنتے ہیں کہ عاشق نامراد فرہاد کو جو لطف کوہ بے ستون میں اکیلے بیٹھ کے شیریں کے یاد کرنے اور شیریں کے خیالی پیکر سے گفتگو کرنے میں آتا تھا کبھی خود شیریں کی صحبت میں نہ آیا۔ اور ایسے ہی ہم کو بھی جن دلربا صورتوں سے لگاؤ ہے اُن کے تصور کے ہر وقت تازہ رکھنے میں جو مزہ آتا ہے خود ان سے مل کر نہیں آتا۔

پیارے دل! اسکی کیا وجہ ہے کہ جو خوبیاں تمھارے تصور اور تمھارے خیال میں ہیں خود تم میں نہیں؟ کیا اس واسطے کہ تم بے مہر و تغافل شعار ہو؟ یا اس لئے کہ تم ہمیں جلایا کرتے ہو؟ نہیں ایسا تو نہیں۔ کاش یہی بات ہوتی تو پھر تمھاری ان بے وفائیوں اور تغافل صبر آزما کے تصور میں ہمیں کیوں لطف آتا؟ ہم نے تو ایسا ستم آشنا دل پایا ہے کہ تمھاری بے مہریوں۔ کج خلقیوں اور لاپروائیوں کو بھی یاد کر کر کے مزے لیا کرتے ہیں۔ تمہارے ظلم و ستم سے گھبراتے ہوتے تو پھر اسی ظلم و ستم کے تصور سے دل بہلنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔؟

حقیقت یہ ہے کہ کرم ہو یا ستم۔ لطف ہو یا تغافل۔ وفا ہو یا جفا۔ غرض کوئی ہو جس چیز سے دل کو کسی قسم کا لگاؤ ہو اسکے ذکر اور اسکے تصور میں جو کیفیت و لطف ہے خود اُس میں نہیں۔ "ذکر عیش به از عیش" جس کسی نے

کہا ہے بہت صحیح کہا ہے اور بڑے تجربہ کے بعد کہا ہے۔
دوستو! سچ کہتے ہیں جو لطف کہ ہم نے اکثر اوقات تمہارے تصور سے اور تمہاری عنایتیں اور صحبتیں یاد کرکے اٹھا لیا ہے خود تم سے اور تمہاری صحبت سے نہ اٹھا سکے۔ دشت غربت اور بادیہ پیمائی کی صعوبت میں تم جب کبھی یاد آگئے ہو۔ آہ! کیا کہیں کہ ہمارے مہجور دل کو کیسی تشفی اور تمہاری الفت آمیز باتوں کے تصور سے کس درجہ تسکین ہوگئی ہے؟ تمہارے تصور ہی کی کشش نے اسقدر بے چین کیا کہ ہم ترقی کی صدہا تمناؤں اور منفعت کے ہزاروں ارمانوں پر پانی پھیر کر بس ایک تمہارا جذبۂ الفت دل میں لئے ہوئے وطن آئے مگر سچ کہ دیں۔ برا نہ ماننا، یہاں آکے تم میں وہ بات نہ پائی جو تمہارے تصور میں تھی۔
مگر کیا وجہ ہے کہ کسی چیز یا کسی شخص کے تصور میں جو لذت وکیفیت ہے خود اس میں نہیں، بادی النظر میں یہ امر قطعی عقل وفطرت کے برعکس نظر آتا ہے، عقل یہی فیصلہ کرے گی کہ جس چیز کے خیال وتصور میں لطف ہے خود اس میں کہاں تک نہ ہوگا؟ بلکہ چاہیئے تو یہ کہ ذکر وتصور سے بدرجہا زیادہ لطف اسکے حصول میں ہو۔ لیکن نہیں، یہ قیاس کی غلطی ہے۔ جسے تجربہ اور روزمرہ کے مشاہدہ نے غلط ثابت کر دیا ہے۔
عیش کا تصور، خود عیش سے زیادہ کیوں بامزہ ہوتا ہے؟ اسکو تاریخ اور واقعات عالم اچھی طرح بتا رہے ہیں کہ عیش میں اکثر خلل پڑ جاتا ہے اور کمبخت آسمان بیشتر ایسی ناگہانی افتادیں ڈال دیتا ہے جس سے رنگ میں بھنگ اور سارا نقشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے جشنوں میں زیادہ تر یہی دیکھا گیا ہے کہ کچھ نہ کچھ آفت ایسی نازل ہوئی جس نے سارا مزہ

کرکرا کر دیا۔

جن صحبتوں میں داد عیش دی جا رہی تھی اور نہایت ہی بے فکری سے رنگ رلیاں منائی جا رہی تھیں ان کا خاتمہ تم نے بسا اوقات دیکھا ہوگا کہ کیسی بدمزگی و تنغص پر ہوا ؟ جو بڑے بڑے امیر گھرانے دنیا کے مزے اڑا کے بگڑ گئے اور جو رونق دار شہر ہر طرح کی دلچسپیوں کے کرشمے دکھلاکے اجڑ گئے۔ جو سربرآوردہ و ممتاز قومیں اپنے جلال و جبروت کا تماشہ دکھا کے حوادث زمانہ کی نذر ہوگئیں اور جو عظیم الشان و طاقتور سلطنتیں عظمت و شوکت کے جلوے پیش نظر کرکے تباہ و برباد ہوگئیں۔ جو سر بفلک پہاڑ مغرورانہ انداز سے سر اُٹھائے ہوئے تھے پیوند زمین ہو گئے اور جو عالیشان عمارتیں کہ دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتیں تھیں خاک میں مل گئیں اون سے قطع نظر کرکے جس صحبت شبینہ میں کل شب ہی کو ہو حق ہو رہی تھی اور دور محن کے تمام تفکرات پر لات مارکے بادۂ عیش کے جام پر جام لنڈھائے جا رہے تھے، صبح کو اسی کا انجام جا کر دیکھو جبکہ رات بھر کی روئی ہوئی شمع کے آنسو خشک ہو گئے ہوں، شب بھر کے جاگے ہوئے تاروں کی آنکھیں خمار آلود ہو رہی ہوں، اور سیہ مست حریفان صحبت ایسے غافل پڑے ہوئے ہوں کہ کسیکو سر و پا کی خبر نہ ہو تو صاف نظر آجائیگا کہ عیش و عشرت کا انجام کیا ہوتا ہے اور کیا ہوتا رہا ہے ؟

اسی انجام عشرت کو نباض فطرت مرزا نوشہ نے جن اچھے، سچے اور خوبصورت الفاظ میں دکھایا ہے ان سے بہتر الفاظ آج تک ہماری شاعری اور ہمارے لٹریچر کو نصیب نہ ہو سکے۔ فرماتے ہیں ؂

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل   زنہار اگر تمھیں ہوسِ نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے
ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی — مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامان باغبان و کف گل فروش ہے
لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ — یہ جنت نگاہ، وہ فردوس گوش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و سوز، نہ جوش و خروش ہے

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

کچھ انہیں پر منحصر نہیں، دنیا میں ہزاروں واقعات ایسے ہو چکے ہیں جو
جو بآواز بلند بتا رہے ہیں کہ عیش کی صحبتیں شاذ و نادر ہی عیش و عشرت پر ختم
ہوتی ہیں مگر ذکر عیش میں ایسے کسی خلل اور صدمہ کا مطلق اندیشہ نہیں ہے۔
خدا رکھے! کسی کی یاد اور اسکے تصور کا وہ دلکش عالم ہے کہ
اس میں آکے دنیا کی تمام مصیبتیں اور تکلیفیں فکریں اور پریشانیاں
بھی پر لطف بن جاتی ہیں۔ یہاں حسرتناک افسانہ بھی مزہ دیتا ہے اور داستان
غم میں بھی اسیقدر لطف آتا ہے جسقدر کہ عیش و عشرت کی کہانی میں۔

ہر عیش اور ہر راحت کے بعد ایک خمار ہے مگر اس ناگوار اور تکلیف دہ خمیازہ
عیش سے اگر خالی ہے تو صرف ذکر عیش جس سے جبتک چاہئے لطف اٹھائیے۔ نہ طبیعت بے کیف
ہوگی اور نہ دل افسردہ ہوگا، یہی خمار صحبت عیش ہے جسکی وجہ سے انسان اکثر و فور طرب شادمانی
سے اکتا جاتا ہے لیکن ذکر عیش اور کسی کے تصور میں یہ بات نہیں۔ آپ چاہیں کتنے ہی زمانہ
تک عیش و عشرت اور شادمانی و مسرت کے خیال میں محو رہیں دل نہیں گھبرائیگا اور
چاہے جسقدر عرصہ تک بیٹھے ہوئے، تصور جاناں میں مستغرق رہیں، جی نہیں اکتائیگا
بلکہ طبیعت کا بار بار تقاضا یہی ہوگا ؎
جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن — بیٹھے رہیں، تصور جاناں کئے ہوئے

قطعہ

کہا یہ مدعی کینہ کوش نے مجھسے
ہیں آپ مادر گیتی کے باخبر فرزند
اگر ہو مجھکو اجازت تو اک سوال کروں
بشرط آن کہ نہ ہو پہنچے حضور ا دلگیر زند

دیا جواب یہ میں نے اُسے کہ بسم اللہ!
رکھو نہ محبس دل میں تم اپنی حسرت بند

بہت ادب سے یہ اس نے کہا کہ بندہ نواز!
ہیں جتنی قومیں جہاں میں ہیں سبکی سب خرسند
مگر یہ قوم مسلمان کچھ ایسی ہی قلاش
نہ اسکے پاس حکومت نہ رتبۂ بلند
نہ اسکے پاس ہی تیغ و سنان دشمن کش
نہ اسکے پاس کمان و کمند دشمن بند
نہ اسکے پاس ہی توپ۔ اور نہ اسکے گھر بندوق
نہ اسکے تحت میں فوج قوی و طاقت مند
پھر ایسی زیست ہی کیونکر نہیں وبال ہیں
یہ بیحیائی کا جینا ہے کیسے اسکو پسند

کہا یہ میں نے کہ اے دوست اکیا کبھی تم نے
سنی ہے حافظ شیراز کی نہیں یہ پند
مبیں حقیر گدایان عشق را کیں قوم
شہان بے کمر و خسروان بے کلہند

(دمتنائے عمادیؔ پھلواروی عظیم آبادی)

مہر اور نہ بیگم - یہ وہ کتاب ہے جو ڈھونڈھے نہیں ملتی تھی اور اب عصمت المعنی نے نہایت محنت و خرچ سے تیار کی ہے قصہ کی ادا دلچسپی نیز زبان کی سلاست سیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قابل مصنف مولوی سید احمد صاحب کا نام ہی اسکی خوبیوں کی کافی ضمانت ہے قیمت ۸ر

زوالِ عجم

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدیدست صنادید عجم را

اے سرزمین ایران! تجھے اب بھی یاد ہوگا کہ تیرے آغوش الفت میں کیسے کیسے سلاطین ذوی الاحتشام اولیائے عظام آئمہ کرام شعرائے عالیمقام وجود میں آئے۔ زمانہ سلف سے زمانہ حال تک تجھ میں کیسے کیسے انقلابات عظیم پیدا ہوئے۔ تیرے مقدس ارض پر فتح و ظفر کے کیا کیا شادیانے بجائے گئے اگر تیری دیرینہ سطح پر کبھی سلطنت کیانیوں کا ڈنکا بجا تو ایک وقت میں ساسانیوں کا سکہ چلا۔ کبھی وہ زمانہ تھا کہ ظلمت کفر کی گھٹا ہر سمت چھائی تھی یا وہ وقت آیا کہ آفتاب عالمتاب اسلام کی شعاعوں سے تیرا گوشہ گوشہ منور ہوگیا۔ درفش کاویانی کی جگہ اسلام کا پھریرا لہرایا۔ اللہ رے تیرا جبروت! تو جب کبھی موج میں آئی تو تیرے پروردہ آغوش بادشاہ کیخسرو نے بابل اور نینوا کی عظمت تہ خاک کی اور یونان کے سمندروں میں کھلبلی مچا دی اور کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ تیرے ہی طفل نوخیز نادرشاہ نے روس کے دارالصدر سینٹ پیٹرسبرگ کو چشم زدن میں جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ ہائے آج تیرے ہی اوس با جاہ و جلال عدیم النظیر سلطنت پر یورپ کے مردم خوار جنگل کا ایک وحشی درندہ جس کا موزوں لقب خرس ہے اپنے ناپاک تہذیب و تمدن کا تمام دنیا کو عملاً ثبوت بہم پہنچانے کے لیے

بدرس کا دور دورہ شروع کرتا ہے اور تیرے آغوش عاطفت سے معصوم مسلمانوں کے حقوق سلب کرکے ان کے گھر لوٹتا زن و فرزند لوتہ تیغ بیدریغ کرتا ہے اور ان کے کشتوں کے پشتے لگاتا ہے علمائے دین کو پھانسیاں دیتا ہے۔ مشہد مقدس پر گولہ باری کرکے اسلامی دنیا کے جذبات کو عالمگیر صدمہ پہونچاتا ہے۔ ابھی جنگ طرابلس الغرب سے بیچارے مسلمانوں کو اطمینان حاصل ہوا بھی نہ تھا کہ اتنے میں مراکش پر بیٹھے بٹھائے فرانس نے دست تعدی درازکی۔ اور تجھ پر مہذب روس نے یورش کردی۔ مراکش و طرابلس کو گو ظالموں نے کند چھری سے ذبح کیا لیکن ذبیحہ کو تڑپنے کی اور ہاتھ پیر مارنے کی گنجایش مل گئی مگر اے مقتول جفا ایران! تیرے بدقسمتی سے تیرے خونخوار نے تجھے ایسا جکڑا کہ اُف نہ کرسکا بلکہ سچ تو یہہ ہے کہ ظالم نے تو تجھے زندہ ہی درگور کردیا اور اس بیکسی و مایوسی کی حالت میں ہوتے ہوئے تیرے شومی طالع کے باعث یورپ کے پیروں میں نیوٹریلٹی کی زنجیریں بھی پڑگئیں جس سے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہگیا ؎

در درون قعر دریا تختہ بندہ کردہ
بازمیگوئی کہ تردامن مکن ہشیار باش

یورپ نے نیوٹریلٹی کا قانون بھی اچھے وقت پاس کیا ہے۔ کیا عالم تباہ حال مظلوم پر ظلم کرتے ہوئے دیکھنا اور باوجود طاقت و قدرت کے گُھنی سادھ جانا اسی کے معنی انصاف کے ہیں۔ مگر ؎

وہی قاتل وہی منصف ہی وہی مخبر بھی
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

کریٹ یا آرمینا کا مقابلہ ہوا اور نہ ایک سے ایک بڑھکر جنگی جہاز گولہ باری پر آمادہ کیبل کاٹنے سے درست الٹی میٹم دینے کو طیار رکھا تھا۔

اے مقدس ایران! اب ہم کو بجائے شہیدان کربلائے معلّٰی کا ماتم کرنے کے تیرا ہی ماتم کرنا چاہیے کیونکہ جس دربار سے بزم عزا کی رونق تھی وہ دربار ہی مفقود ہوا جاتا ہے۔ بلا مشہد مقدس کا حال دیکھتے ہوئے دیگر مقامات متبرکہ کا ہمارے لیے کون ضامن ہے کیانی و ساسانی رستم و اسفندیار کے کارنامہ شجاعت و جرأت و صیفوں کی حشمت و سیاست۔ فردوسی و نظامی۔ سعدی۔ و انوری۔ حافظ و خاقانی جیسے شعرائے عذب البیان وعنادل رطب اللسان کی شاعری اور قدیم و پرشکوہ فارسی لٹریچر کے ساتھ تیری آزادی بھی چند ہی ساعت کی مہمان ہی تجھپر بلائے ناگہانی کے نزول سے جو غضب و کرب ٹوٹ پڑا ہے اس کا احساس نہ صرف تیرے ہی فلاکت زدہ و ستم رسیدہ باشندگان کو ہے بلکہ تمام دنیائے اسلام کو تیرے ساتھ دلی ہمدردی ہے غمخواری ہے۔ تیری پیاری سطح پر عجمیت جس کی بنیاد کیومرث نے ڈالی اور جس کی عالیشان و بلند بنیان عمارت جمشید کے ہاتھوں مرتفع ہوکر شاہان اسلام نے تکمیل کو پہنچائی ہے وہ آج کیسی بے بسی کی حالت میں فنا ہوئی جا رہی ہے۔ افسوس! صد افسوس!! خدا کی قدرت۔ تیری اس مصیبت کے ساتھ ہی تیرے دیگر ابنائے جنس بھی (مراکش و طرابلس وغیرہ) اپنا اپنا مرثیہ پڑھ رہے ہیں ؎

نہ مونسے نہ رفیقے نہ ہمدمے دارم   حدیث دل بکہ گویم عجب غمے دارم

مگر جو تاسف و حزن تیرے جانے سے ہمکو ہوگا وہ کبھی بھی ہمارے دلوں سے محو نہ ہوگا اور ابدالآباد تک تیرے رخصت ہونے کا مرثیہ پڑھا جائیگا یہ بات ہمیں خوب ذہن نشین ہوچکی ہے کہ اسلام کے خطرناک و مخدوش ہونیکے جہاں

اور وجوہات ہیں ان میں ایک وجہ یورپ[1] کی غیر منصفانہ پالیسی بھی شامل ہے - اس حکمت عملی سے در حقیقت تمام سلطنتہائے اسلامیہ میں ایک بھونچال سا آگیا ہے اور یہی سبب ہے ان کی وہ شاندار عمارت جس کی اینٹیں اسلاف کے مقدس خون سے جمائی گئی تھیں آج آپس میں بجڑی ہیں اور ابھی سے سب کی زبان پر نفسی نفسی کا لفظ جاری ہو چلا ہے۔ کبھی ذات واحد کے قبضہ میں تھی مگر بعدہ تیری بد قسمتی نے شخصی سلطنت کا ورق الٹ دیا جس سے یورپ کو تیرے نظم و نسق میں بہانہ مل سکا۔ جب اس چال میں حاسد ناکام رہے تو شیعہ اور سنی میں تفرقہ ڈلوانے کی کارروائی عمل میں آئی تاکہ ترک اور ایرانیوں میں نفرت اور خصومت کی بنا پڑے مگر خدا کا شکر ہے کہ جانبین سے علمائے اتحاد کے فتوے جاری کیے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں جماعتوں میں اتحاد اور ارتباط کی بنا اور بھی مستحکم ہو گئی اور حاسدوں کی حسرت بھری آرزوؤں کا خون ہو گیا۔ تیرے ارض پاک پر فارسی نے جو کچھ نشو و نما پائی وہ سب زمانہ اسلام ہی تک پائی۔ ساری ایشیا کی انشا پردازی اور ایشیائی تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ہونیکا تجھی کو افتخار حاصل ہے۔ ہندوستان کی زبانیں عموماً اور اردو شاعری خصوصاً تیرے ہی فن شاعری کے نقش قدم پر چلنے سے معراج کمال پر پہنچی ہیں تو وہی ہے کہ جب تیرے کنار صحبت میں سلطنت ساسانی عروج کو پہنچی تو اس کو ہر کمالے را زوالے کا مصداق بننا پڑا اور جب سرزمین عرب سے آفتاب اسلام طلوع ہوا تو اس کی پاکیزہ شعاعوں نے تمام ظلمت کفر کو کافور کر دیا اور آتش ہزار سالہ کو ٹھنڈا کر ڈالا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رسول نے تیری سرزمین میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنا خون و پسینہ ایک کر دیا اور قیمتی سے قیمتی ہزاروں جانیں چڑھا کر مسلمانوں نے فتح و ظفر کا دن دیکھا پایا۔

[1] یا سلطنت برطانیہ

اے مقدس سرزمین! پھر تجھ پر خلفائے عباسیہ کا جھنڈا لہرانے لگا۔
اللہ اکبر کے موحدانہ جوش کے نعروں نے تجھ میں اسلام کے جاہ و جلال
کی دھاک بٹھادی اور حقانیت کی روح پھونکدی۔ اے ایران! پیارے
ایران!!! مفلوک الحال ایران!!!! دنیا سے رخصت ہونیوالے ایران
تجھ کو ہمیشہ اس وصف سے آراستہ اور پیراستہ پایا ہے کہ تیرے تمدنی حالات
میں کبھی کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ تیرے ہی طرز معاشرت کی تمام عالم
نے تقلید کی۔ حتی کہ اہل عرب نے بھی تیرے ہی قدم بہ قدم رکھا۔ تجھ سے تمام
عالم کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً دلی ہمدردی ہے واقعی امر یہ ہے کہ تیری
مبارک سرزمین سے وہ وہ لوگ پیدا ہوئے ہیں جن کے کارنامے مشاہیر
عالم کے تاریخی صفحوں پر موجودہ اقوام عالم کے لیے شمع ہدایت کا کام دے
رہے ہیں۔ تیری پشت پر سکندر اعظم کا حملہ ایک ہوائی جھونکے کی طرح آیا اور گذر گیا
تو نے کبھی سلطنت روم کو دبایا اور کبھی شکستوں پہ شکستیں دیں اور مسیحت کو دجلہ و فرات
تک روکا ڈر ہے کہ کہیں خدانخواستہ تیرا بھی حشر ہو جو سات سو برس متواتر حکومت
کرنیکے بعد اندلس کا ہوا تھا۔ کاش اب ہی تیرے ارض پاک پر کوئی شخص
ایسا ہویدا ہو جائے جو تیرے بکھرے ہوئے اجزا کے شیرازہ بندی کرکے تجھکو
غیروں کے ناگہانی دستبرد سے بچائے اور تجھ پر خوش اسلوبی کے ساتھ
سلطنت کے کاروبار انجام دینے کے لئے تیرے معصوم اور یتیم بچوں کو آزادی
دلوائے تو ہماری عادل گورنمنٹ کی خاموشی دیکھکر مایوس نہ ہونا۔ دیر آید درست
آید۔ اب تیری بیکسی بھی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور قریب ہے کہ سلطنت عثمانیہ اپنی مدد کا
ہاتھ بڑھائے یا رحمت الٰہی کا دریا جوش زن ہو اور پردۂ غیب سے تیرے لیے
وہ سامان مہیا ہو کہ تیری سابقہ آبرو از سر نو رجعت قہقری کرے اور کلبۂ احزاں
شود [illegible]

جوابِ شکوہ ڈاکٹر اقبال از حضرتِ ذو الجلال

یہ کہاں تاب کہ میں شکوہ اقبال سنوں ضبط کر جاؤں اگر گریہ اطفال سنوں
دیکھتا خوب ہوں اسلام کا کیا حال سنوں ہو نہ معلوم اگر مجکو تو احوال سنوں
وہ مسلمان ہی اب ہیں نہ وہ اسلام رہا
ہاں بس اسلام کا باقی فقط اک نام رہا

دل میں توحید کی عزت نہ شریعت کا خیال مثل فاروق کوئی اب ہے نہ ثانی بلال
جب مسلمانوں کے اعمال کا ہو جائے یہ حال کیوں نہو نیر اقبال کو پھر اُنکے زوال
آبرو چاہو تو پابندِ شریعت ہو جاؤ
شوق سے راہروِ کوئے طریقت ہو جاؤ

نہ وہ ملت نہ محبت نہ مروت باقی نہ وہ الطاف و کرم مہر و عنایت باقی
نور ایماں کی جھلک ہے نہ صداقت باقی نہ رفاقت نہ ریاضت نہ عبادت باقی
حُبِ قومی سے ہوئی تمکو عداوت جب سے
مجکو بھی ہو گئی تم لوگوں سے نفرت تب سے

جوشِ اسلام ہے سچا نہ شجاعت باقی اب نہ ہمت نہ خیالات کی رفعت باقی
نہ طبائع ہیں نہ وہ جود و سخاوت باقی نہ صنائع ہیں نہ وہ علم کی دولت باقی
سارے اوصاف ہی اپنے ہیں کھو بیٹھے ہو
اپنی اصلاح سے تم ہاتھ ہی دہو بیٹھے ہو

نازِ اسلاف پر اپنے ہی سراسر بیجا فخرِ اجداد پر اپنے نہیں تم کو زیبا

چاہیئے آدمی طینت سے ہو ہی اچھا اپنے ہی قلب میں ہو نیر ایماں کی ضیا
ایک ہی ہے کوئی اسوقت مسلماں ایسا
عہد میں سرور عالم کے ہراک تھا جیسا
آتش رشک سے آتشکدہ سینے سب کے صاف سینوں میں نظر آتے ہیں کینے سب کے
جو ہر علم سے خالی ہیں خزینے سب کے اور افعال سراسر ہیں کمینے سب کے
دعوی اسپر بھی وہ کرتے ہیں مسلمانی کا
انکو احساس ہی باقی نہیں نادانی کا
باپ بیٹے سے الگ باپ سے بیٹا ہی جدا بھائی کے دل میں نہیں بھائی کی مطلق پروا
دردمندی نہیں باقی ہے دلوں میں اصلا جب قومی ہوئی اسلام کے گلشن سے ہوا
پھر نہ کیوں باد مخالف سے چمن ہو ویراں
کیوں بکھر جائے نہ گلدستہ اہل ایراں
جب مسلمان لڑے مرتے ہیں خود ہی باہم شیعہ سنی کا کیا کرتے ہیں ہر دم ماتم
ظلم اک دوسرے پر کرتے ہیں گویا ہیں تم کچھ برادر کے نہیں غم کا برادر کو الم
روس کے دام میں پھنس جائے نہ پھر کیوں ایراں
کیوں نہ ترکی سے لڑیں جوش میں اہل بلقاں
ناروا عیش میں کرتے ہیں شب و روز بسر دم بدم تازہ گنہہ کرتے ہیں بیخوف و خطر
شرم دنیا کی نہ ان کو ہے نہ اللہ کا ڈر فکر دنیا میں پڑے رہتے ہیں سب آٹھ پہر
دیکھتے ہی نہیں اعمال کو اپنے اصلا
کرتے پھر بندے ہیں ناحق کو خدا کا شکوہ
کفر و اسلام سے ہے ذات خدا مستغنی احتیاج اسکو نہیں آپ ہے اللہ غنی
شکوہ ہوا اور پھر اللہ کا یہ کیا معنی بات کیا فائدہ کہنے سے جو ہو لایعنی

چاہیے بندے کو وہ دیکھ لے سارے حالات
پھر ادب سے وہ کرے اپنے خدا سے کوئی بات

اہل اسلام سے اللہ کو الفت ہے ضرور
امت احمد مرسل سے محبت ہے ضرور
حال پر بندوں کے خالق کی عنایت ہے ضرور
فرض او بندوں ہی مگر اسکی اطاعت ہے ضرور

چاہتا ہے رہے قانون شریعت جاری
ساتھ ہی ساتھ رہے شکر طریقت طاری

سارے آلام ہیں خاصان خدا ہی کیلئے
خلق عشاق ہوے مشق جفا ہی کیلئے
بندے پیدا ہوے ہیں مہر و وفا ہی کیلئے
خاص طاعت کے لیے انکی ثنا ہی کیلئے

آزماتا ہے وہ خاصان خدا کو اکثر
رنج و غم درد و الم فقر و مصیبت دیکر

حضرت نوح سے پوچھو جو پریشانی تھی
کس تلاطم میں پڑی کشتی طوفانی تھی
راہ حق پر نہ چلے بندوں کی نادانی تھی
سر پر انکے وہ بلا آئی جو ہیجانی تھی

تھا وہ طوفاں کہ اک قہر الہی تھا وہ
ہستی ذات خدائی کی گواہی تھا وہ

بانی خانہ کعبہ تھے خلیل اللہ
کرکے قربان پسر کو بھی نہیں کی اک آہ
آگ میں کس لیے ڈالے گئے پھر وہ دیکھا
نار کس وجہ سے گلزار ہوئی تھی ناگاہ

آزمایش تھی فقط ان کی خدا کو منظور
اور موسی کو اسیطرح ملا جلوۂ طور

چاہ میں حضرت یوسف کو گرایا اُسنے
عشق میں اُنکے زلیخا کو پھنسایا اُسنے
نجد کے دشت میں مجنوں کو پھرایا اُسنے
اور لیلا کو بھی محمل میں بٹھایا اُسنے

رمز کی باتوں سے اسکے کوئی آگاہ نہیں

جانتا بھید کو اس کے کوئی واللہ نہیں

پیتے محبوب کے دانتوں کو کیا اُسنے شہید — کسقدر بات یہ تھی اسکی محبت سے بعید
اب مسلمانوں کے دل میں ہوا اگر تردید — بھید ہوگا کوئی اسمیں نہیں یہ امر جدید
مبتلائے غم معشوق ہیں جو ہیں عشاق
حسرت وصل کبھی اور کبھی رنج فراق

تیغ کفار نے کیا کیا نہ مصیبت ڈھائی — کربلا میں بھی کچھ ایسی ہی قیامت آئی
جان دیتے تھے جہاں بھائی پر اپنے بھائی — ہائے شبیر نے آخر میں شہادت پائی
حق کی مرضی میں نہیں دخل کسی کو بھی ذرا
چاہتا ہی نہیں وہ کوئی کرے چون و چرا

مصلحت اپنی وہی خوب سمجھتا ہو جناب — چاہے الطاف کسی پر کرے وہ چاہے عتاب
ہم پر اسوقت ہر اک پردے میں نازل ہے عذاب — اور اغیار پر الطاف ہیں بیحد و حساب
مصلحت اس میں جو کچھ ہو وہ خدا ہی جانے
دل سے تم اسکو اگر مانو تو وہ ہی مانے

صاف کہتا ہوں میری بات سمجھ لے امت — اب بھی سمجھے تو ہنائے نہ ذرا بھی ہمت
ہو نہ مایوس کہ خالق کی بڑی ہو رحمت — ہمتی ہے بڑی عجب شان سے لفظ وسعت *
سمجھو دنیا میں ہیں اللہ کے بندے سب ہی
پرورش انکی ہی کرتا ہے تمہارا رب ہی

آپ ہی اپنی مدد جو نہیں کرتا انساں — اسکا حامی نہیں ہوتا ہے خداوند جہاں
اپنے ہی پاؤں کے بل جو کوئی ہوتا ہو رواں — اُسکو کرتا ہے خداوند دو جہاں ملکہ دواں
آپ جو اپنی مدد کرنے کو تیار نہیں
سمجھو اسلام بھی پھر اس کا مددگار نہیں

* وَسِعَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ کلام پاک میں ہے

شکوہ اقبال کا ہی داد کے قابل بیشک　　حال اسلام ہی فریاد کے قابل بیشک
نام اللہ ہی ہی یاد کے قابل بیشک　　حالت امت کی ہی امداد کے قابل بیشک
ہی مگر شرط کہ پابند شریعت ہو جائے
دل سے وہ راہرو کوے طریقت ہو جائے

فضل رب کی یہ دعا ہی کہ اے رب ودود　　ساری مخلوق کا فی الاصل ہی تو ہی معبود
نام لیوا ہیں سبھی تیرے مسلمان و ہنود　　کعبۂ دل کا ہر اک شخص کے تو ہی مقصود
دلکی ہر شخص کے یارب تو مرادیں بر لا
نخل اسلام کو بھی ہوتی رہی نشو و نما

سید محمد فضل رب

مسئلہ مشرقیہ

نمبر ۲

روس کی شقاوت قلبی و مخاصمت ازلی سے دول بے خبر نہ تھے ان پر یہ بہی آشکارا ہوچکا تہا کہ آل عثمان کا مشرقی النسل ہونے کی وجہ سے اسکا ہمیشہ یہ دعویٰ رہا ہے کہ وہ اصول اعتماد و اتحاد جن پر دول یورپ کے سیاسی تعلقات کا انحصار ہے مشرقیوں پر عائد ہونے بمنزلہ محالات ہیں۔ ایشیائی اقوام سے اُنکے عہد و پیمان نقش برآب ہوتے تھے جو محض اپنے بچاؤ اور دفع الوقتی کے لیے کیے جاتے تھے۔ اِنہی لطائف الحیل کی بدولت وہ براعظم ایشیا کی تمام چھوٹی ریاستوں کو یکے بعد دیگرے چٹ کرچکا تہا اور دول کو اپنے "خانگی معاملات" کی غوغش دکہا کے اُنکی مداخلت اُڑا چکا تہا، چاہتا تھا اسی پاورہوا منطق کے تحت میں ٹرکی کو بھی لے آئے۔ لیکن یہ ایسا حلوائے بے دود نہ تہا جو دول کی آنکھوں کے سامنے غٹک لیتا اور وہ چوں بھی نکرتے۔ یورپ کے نظارتہائے خارجہ کے ارباب بست وکشاد کے ذہن میں اس کی غداری وہوائے ملک گیری جیلے رُوس الاشہاد موجود تھی۔ بلقانی ریاستوں کی سرکشی اور کانگریس ویرونا سے (جس کا اصل منشا اتحاد سلاطین یورپ تھا) روس کی تحریک سے سلطان المعظم کی برطرفی پر دول کو کہٹکا ہوا کہ اس بغاوت کی تہ میں اسکا ہاتھ ہے۔ چنانچہ مسئلہ مشرقیہ کے اُٹھتے ہی دول اور روس کے درمیان بحث اصول پر سخت تخالف اور تناقض آراہوا

دول متحد اللسان تھے کہ ترکی یورپ کے آراکین سریر آرائے حکومت کا ایک جائز رکن ہے۔ روس اس کو یورپ کی ایک طاقت سمجھنا تو کجا۔ ایک قوم ہی نہیں سمجھتا تھا۔ البتہ سلطان المعظم کو خلیفۃ المسلمین مانتا تھا اور مسلمانوں کی بدیں حیثیت یک قلم اطاعت سے بھی اسے اغواض نہ تھا لیکن وہ کہتا تھا، یورپ میں مسلمانوں کی تعداد قلیل ہے، اور عیسائیوں کا جزو غالب نظام عثمانیہ کا جزو لاینفک نہیں، بلکہ وہ شومی قسمت سے انکے تحت میں بطور جداگانہ سیاسی و مذہبی آرگنیزم برقرار۔ درحقیقت ان ارگنیزم میں آرتھوڈاکس چرچ جسکا راز صدیوں سے حامی و مجتہد چلا آتا تھا، سب سے زیادہ وقیع تھا۔

اس مسرت افزا و دلنواز حدیث نبوی

لتفتحن القسطنطنیہ فلنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش ذالک الجیش

کے بر مصداق آتے ہی ترک ملک داری کی پہلی چال غلط چلے اگر وہ پیشوا کے مذریں قول کے موجب یا تو مفتوحین کا سر بالکل کچل لیتے یا تالیف قلوب کرتے، تو بیوفا و محسن کش رعایا کی شوریدہ سری کا قلع قمع ہو جاتا مگر انہوں نے سانپ کے بچونکو ہاتھوں میں کھلایا اور اپنے کٹوانے کے آپ سامان پیدا کیے بطریق اعظم قسطنطنیہ کو نہ صرف آرتھوڈاکس رعایا کے دینی امور کی انجام دہی پر مامور کیا بلکہ انکے دنیوی تنازعات پر بھی محض اس شرط پر کہ وہ عیسائیوں کے کیفر کردار کا ذمہ وار رہے اسی ہی کو مسلط کر دیا۔ مذہبی و سیاسی معاملات کی زمام نظم و نسق گروہ قسیسین کے ہاتھ میں دینے سے نتیجہ یہ ہوا کہ بشپ نے اپنے حلقہ حکومت کا بادشاہ اور مقامی پادری نے اپنے قصبہ کا مالک بن کر عیسائیوں

کے دلوں میں فاتحین کی طرف سے استکراہ و استحقار کا ملجا و ماوا بنا دیا. چنانچہ انہوں نے بھی ترکوں کو اپنا حاکم نہیں سمجھا۔

امتداد زمانہ میں جانب شمال ایک آرتھوڈاکس حکومت کو آہستہ آہستہ مگر بالاستقلال عروج پاتے دیکھکر انکی نگاہیں طبعاً اسکی طرف دوڑنے لگیں اور وہ اسے اپنی قومی حیات و ممات کی کلید سمجھنے اور ترکوں کے وجود سے بلحاظ فاتحیں و بلحاظ کافرین دوگونہ نفرت کرنے لگے" جانتے تھے ہم اس زمین کے مالک بلا شرکت غیرے تھے. اب حلقہ بگوش غلام ہیں۔ روس نے ایک طرف انہیں تھپکا اور دوسری طرف انکی حفاظت جان و مال کو اپنے اختیار میں لینے کے لیے ترکوں کو دبانا شروع کیا۔ دولت عثمانیہ پر دور انحطاط غیر محسوس طریقہ پر چھا رہا تھا، ترک دبتے گئے۔ روس سر چڑہتا گیا اور بالآخر ۱۷۷۴ء میں کینارڈجی کے عہدنامہ میں چند مراعات ایسی عبارت میں حاصل کرلیں کہ جس کے معنی جب دل چاہے اپنے مطلب کے موافق توڑ مروڑ لے جب تک ترکون میں دم خم رہا اور عیسائیوں کو اپنے ہم صفیر و ہم مذہب حکومت کا سایہ حمایت کماینبغی نہیں ملا، انہوں نے دم نمارا گو خاموشی سے مغویانہ خیالات پکاتے رہے، لیکن جوہیں روس کا ترانہ "ہل من مزید" انکے کان میں پہنچا، وہ بدمست ہوگئے اور اپنے حمایتی کے بل پر کھلم کھلا کفران نعمتی کرنے لگے۔

سید شوکت

تضمین بر غزل ناصر علی سرہندی

بہ کوے یار می باید ز ہر راہے رسید اینجا   کہ ہر شب لیلۃ القدر است و ہر روز است عید اینجا
بگوشم از در و دیوار می آید نوید اینجا   دریں فیض است منفس از کشایش نا امید اینجا
برنگ دانہ از ہر قفل می روید کلید اینجا

مہ من ہمچو مہر از لمعۂ دیگر نمی تابد   دل من بار احساں کسے ہر سر نمی تابد
نوال دیگراں مانند ابر تر نمی تابد   گل آزادگی آسیب شبنم بر نمی تابد
بود دست کرم رسوا تر از باران عید اینجا

ز لفت از دل افسردہ ام تزئیں نمیگردد   شکار تو ز لاغر طعمۂ شاہیں نمیگردد
ز قتلم رنجہ گرداں ساعد سیمیں نمیگردد   چو شمع از کشتن ما دامنے رنگیں نمیگردد
غذاے تیغ قاتل می شود خون شہید اینجا

نہ چوں شیدائے او در سینہ سوزے اینچنیں دارد   نگار گل رخ ما خوے گرم و آتشیں دارد
عجب تر آنکہ با ما دشمنی چرخ بریں دارد   صباح عشرت ما شام غم در آستیں دارد
ز چشم عاشقاں گل می کند روز سفید اینجا

نہ ہم ما کنی با غیر لطف و مہر پنہانی   شکستی سرو و قمری را برائے تعزیت خوانی
کنی پامال گلہا را دل بلبل برنجانی   بخون گل صبوحی کردہ ظالم نمیدانی
کہ زخم انتظارت کرد یک عالم شہید اینجا

من از اول بملک نا امیدی پا وطن دارم   ہجوم یاس و غم مونس مکاں بیت الحزن دارم
ہزاروں سوزن الماس در رگہای تن دارم   مپرس از انتظار چشم ناسورے کہ من دارم
خدنگش بر نشاں ہر جا کہ آمد خوں چکید اینجا

به عاشق تا شمیم زلف باد صبح برساند دلش بیتاب گرد عقل او برجا نمی ماند
کشد از سینۂ او سرد و هر ساعت همی خواند صبا امروز بر ما منتے دارد نمی داند
که عطر او پریشاں گشت از بس دل طپید اینجا

حکایات الم‌ہائے شب ہجراں چه می پرسی غریبان وطن را از سر و سامان چه می پرسی
ز بسمل لذت آں خنجر براں چه می پرسی غریباں وطن را از سر و سامان چه می پرسی
برنگ لاله تنها جام می نوشد نمید اینجا

محیط طبع من بحریست کش پایاں نمی باشد چو او کارم درافشاں یوسفی نیساں نمی باشد
جو در نظمم کسے را همسری آساں نمی باشد علی همطرح من در عالم امکاں نمی باشد
نہال قدس بود آواز من بیجا دمید اینجا

وله

رباعی

افلاک مدام سفله پرور بینی نا اہل غنی گدا ہنر ور بینی
اے یوسفی است این ثبوت بیّن دائم انگشتری به خنصر بینی

ح - ایس

راحت زمانی مولوی سید احمد صاحب کی یہ بیش بہا تصنیف جو علاوہ دلچسپ ہونیکے ایک نہایت سود مند کتاب ہے مصنف نے ازسر نو ترمیم کے بعد نہایت محنت سے تیار کی گئی ہے بیگماتی زبان قلعہ معلیٰ کے محاورے - قصہ کی دلچسپی - مختصر یہ کہ کتاب بغیر ختم کیے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا قیمت ایک روپیہ (عہ)

مہر افروز بیگم یہ وہ کتاب ہے جو ڈھونڈھے نہیں ملتی تھی اور اب عصمت ایجنسی نے نہایت محنت و صرف سے تیار کی ہے قصہ کی دلآویزی زبان کی سلاست دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اہل مصنف مولوی سید احمد صاحب کا نام ہی اسکی خوبیوں کی کافی ضمانت ہے قیمت ۸ر

خلفائے راشدین کے زمانہ میں سندہ پر مسلمانوں کے حملے

سندہ - ملک اور دریا دونوں کا نام ہی - انگریزی میں دریائے سندہ کو (Indus) کہتے ہیں - قدیم سند کا جغرافیہ ایسا خلط مبحث ہوگیا ہی کہ اب بالکل سمجھہ میں نہیں آتا - جو شہر پہلے آباد تھے انکا نام ونشان ہی نہیں - یا اگر ہے تو صرف کھنڈر محققین آثار قدیمہ نے قدیم شہروں کے کچھہ پتے دریافت کیے ہیں - مگر ہر ایک کا بیان ایسا مختلف ہی کہ ہم کسی پر صحیح اعتبار نہیں کرسکتے ہمارا مقصد اس مضمون میں صرف سندہ کے حملوں کا ذکر کرنا ہی لہذا ہم [1] ابن حوقل کے جغرافیہ المما لک والمسالک میں سے سندہ کے تعلقات درج کرکے حملوں کا ذکر کریں گے

حدود مشرق بحر فارس (Persian Gulf) مغرب - کرمان سجستان اور اسکے متعلقات شمال - ہندوستان - جنوب - صحرائے اعظم جو مکران اور ساحل فارس کی پہاڑوں تک چلا گیا ہی

---

[1] ابن حوقل اسلام کا مشہور ومعروف جغرافیہ داں گذرا ہے لیڈن (ہالینڈ) کے مطبع برل اس کا جغرافیہ الممالک والمسالک چھاپا گیا ہی - یورپ کے مستشرقین تسلیم کرتے ہیں کہ ابن حوقل کا جغرافیہ نہایت مستند ومعتبر ہی -

اس نقشہ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ سندہ کا ڈانڈا کرمان اور سجستان سے ملا ہوا ہے (یعنی ایران کے صوبوں سے)

سنہ ھ میں جب مسلمانوں کا قدم ایران میں آیا تو کرمان اور سجستان پر بھی انکا قبضہ ہوا اور یہ ہی قبضہ حملہ سندہ کی ابتدا ہے

پہلا حملہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پہلا حملہ سندہ پر ہوا عثمان بن عاص ثقفی حاکم بحرین وعمان نے بلا اجازت امیرالمومنین یہ لشکر روانہ کیا تھا - یہ فوج تھانہ (قریب بمبئی) تک آئی اور غالباً یہاں سے خفیف لڑائی کے بعد واپس گئی

دوسرا حملہ بعد ازاں حکم برادر عثمان نے (جو عثمان کی جگہ حاکم بحرین وعمان مقرر ہوا تھا) ایک مہم بسرکردگی اپنے بھائی مغیرہ بن العاص دریا کے راستہ روانہ کی - یہ لشکر دیبل پہونچا - اس وقت سندہ کا حاکم چچ بن سلائج تھا اور اس کی طرف سے دیبل میں سمبھا بن دیو ساج گورنر تھا - چنانچہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک لڑائی ہوئی اور مغیرہ کے شہید ہونے سے یہ مہم ادہوری رہگئی -

تھوڑے عرصہ کے بعد حاکم عراق ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئی انکے دربار خلافت سے ممالک ہند کے تحقیقات اور راستوں کے نقشے بنانے کا حکم صادر ہوا - ابو موسیٰ مغیرہ کا حال ملاحظہ فرما چکے تھے - انہوں نے امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہندوستان کے بڑی مذمت لکھی چنانچہ اس بنا پر مہمات کی اس جانب روک ہوگئی - علاوہ ازیں حضرت عمرؓ بذات خود بحری لڑائیاں ناپسند فرماتے تھے - غالباً

جناب ممدوح کے یہ مصلحت ہوگی کہ اہل عرب بحری لڑائیوں میں بہ نسبت بری لڑائیوں کے زیادہ مشاق نہ تھے۔

تیسرا حملہ بزمانہ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بحری مہمات کی اجازت ہوئی ۲۲ھ میں عبداللہ بن عامر ربیعہ کرمان فتح کرکے سجستان میں داخل ہوئے۔ اہالیان مکران نے حاکم سندہ سے امداد کی درخواست کی مگر ان دونوں لشکروں نے مسلمانوں سے شکست فاش کہائی۔ ان فتوحات سے ہمت پاکر عبداللہ نے دربار خلافت سے دریائے سندہ کے پار جانے کی اجازت طلب کی مگر حضرت عمرؓ اسے پالیسی کے پابند رہے اور حضرتؓ نے بجائے اس مہم کے بصرہ کی جانب توجہ منعطف کی۔ اس میں یہ مصلحت تھی کہ ہندوستان وفارس کا راستہ قابو میں رہے اور خلیج فارس پر مسلمانوں کا تمامہ تسلط ہوجائے۔ اس طرح فارس کے شاہی خاندان کے فرار ہوجانے کا بہی خوف جاتا رہا۔ چنانچہ بندرگاہ بصرہ میں اب تک یورپین جہازات آتے جاتے ہیں اور ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنیکا یہ عمدہ راستہ ہی۔

چوتھا حملہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور عبداللہ بن عامر کو بصرہ کی حکومت ملی۔ ان کا ارادہ پہلے ہی سندہ پر فوج کشی کرنیکا تھا اور اب تو موقع بہی بہت اچھا تھا چنانچہ انہوں نے دربار خلافت سے اجازت منگا کر حکیم بن جبلہ عبدی کو راستوں کے تحقیقات کے واسطے روانہ کیا مگر بدقسمتی سے ان کو بہت تکلیفیں ہوئیں اور اپنی رپورٹ میں یہاں کے لوگوں کو بڑی

مذمت کی . چنانچہ لشکرکشی کا ارادہ ملتوی کردیا گیا
بزمانہ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ تاغور بن دعور کے ماتحت ایک مہم ہندوستان کی طرف روانہ ہوئی . یہ لشکر سندہ میں پہونچا اور پہلی لڑائی اس کی کنکن میں ہوئی سالار لشکر حارث بن مرہ نے بڑی دلاوری و جوانمردی سے ہندوؤں کو شکست فاش دی . بعد ازاں اندروں ملک جہاں جہاں مسلمان گئے فتح یاب ہوے - بسا اوقات بیس بیس ہزار سپاہیوں سے مقابلہ کرنا پڑا - اسی زمانہ میں حضرت امیرالمومنین کی خبر شہادت آئی اور فوج مع مال غنیمت واپس گئی -

خلافت راشدہ کے زمانہ میں اسی قدر حملے سندہ پر ہوے - اسکے بعد اور خلفاے اسلام کے وقت میں مسلمان آئے اور انہوں نے یہاں حکومت قائم کی . مگر ہم کو اُن حملوں کا ذکر کرنا مقصود نہیں ہے - صرف یہ دکہانا مدنظر تہا کہ سندہ و ہندوستان پر حملہ کا آغاز ۲۵ھ سے شروع ہوگیا تہا -

محمد شفیع الدین خاں مرادآبادی

لڑکیونکی انشا ،

[illegible]

مریض غم سر بستر ہے بیحس و بیہوش — [illegible]
یہ جلوہ نگہ واپسیں ہے آفت کوش — [illegible]
مرقع ستم مرگ نوجوانی ہے
یہ داستان الم شرح بیزبانی ہے

ستم ہے جان پہ لے جان آفریں کیسا — کہ جانگداز ہے سوز دل حزیں کیسا
یہ گرم گرم عرق ہے سر جبیں کیسا — یہ سرد ہونے لگا جسم نازنیں کیسا
وداع ہوش و خرد ہے کہ جان جاتی ہے
پیام خواب عدم ہے کہ نیند آتی ہے

وفور ضعف سے ہے اک خمار کا عالم — کہ ہاتھ پانوں میں ہے انتظار کا عالم
بیاں کیا ہو دل بیقرار کا عالم — دکھایا روح نے محمل سوار کا عالم
حباب آب کی صورت حیات انساں ہے
مقام عبرت و حسرت جہاں گزراں ہے

گھڑی یہ پیکر خاکی سے ہے جدائی کی — کہ تنان روح رواں میں ہے کج ادائی کی
یہ کیسی عمر دو روزہ نے بیوفائی کی — نہ چار دن بھی ملی لذت آشنائی کی
ہجوم یاس ہے سر میں غبار آنکھوں میں
ہے رنگ گردش لیل و نہار آنکھوں میں

حجاب چشم تماشا ہیں اب نظر سے دور — فروغ دیدۂ بینا ہے جلوہ مستور
جمال شاہد عصمت ہے رشک حور و قصور — [illegible]

بوقتِ نزع ہے تاثیر کیفِ مستی کی
اجل نے دی ہے یہ تعبیر خوابِ ہستی کی
قفس کو توڑ کے بلبل ہے مائلِ پرواز — چمن میں بادِ بہاری ہے گوش بر آواز
سنا رہی ہے خموشی مرگ پردہ ساز — دکھایا روح نے موجِ نسیم کا انداز
سمندِ عمر رواں ہے رفیقِ پیکِ اجل
جہاں دوری منزل ہے آج طولِ امل
[illegible] — کہ روبرو ہے تجلائے صبح کا منظر
[illegible] — جہاں سے صورتِ شبنم ہے روح گرمِ سفر
[illegible] نہیں [illegible] میں رنگ و بو باقی
[illegible] میں آبرو باقی
[illegible] — زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

سفیر

یاسمین پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب ایم۔اے مصنف خوابِ ہستی [illegible] و نتیجہ خیز ناول اور تمدن انگریزی کی پہلی کتاب جسکا عرصہ سے [illegible] کو انتظار تھا تیار ہوگئی ہے۔ یہ کتاب جو درحقیقت حسن و محبت کی [illegible] تصویر ہے۔ قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلبا کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے یاسمین جو اس تمام قصہ کی جان اور بنگالہ کی ایک مشہور نازنین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفہ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے۔ قابل مصنف کا نام کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت ہے قیمت عہ منیجر عصمت [illegible]

تحریر و تقریر

پروفیسر بلیکی نے ایک بے نظیر کتاب موسومہ "سیلف کلچر" یعنی اپنی ترقی اپنے آپ کر سکنے کے لئے لکھکر انگریزی علم ادب میں بڑا مفید اضافہ کیا ہے ایسی ہی کتابیں ہیں جن کی اردو میں ترجمہ کیے جانے کی سخت ضرورت ہے۔ مگر لوگوں کو ناولوں اور قصوں کے ترجموں ہی سے فرصت نہیں۔ دماغی اخلاقی اور جسمانی تینوں قسم کی ترقیوں کے متعلق نہایت نفیس اور کارآمد ہدایتیں کی ہیں اس وقت اسکے دو تین صفحوں کا ترجمہ جس میں مضامین نگاری اور خصوصاً عام طور پر تقریر کرنے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ بھی بشرط فرصت کہیں کہیں سے پیش کیا جاتا رہے گا۔

خوبصورتی اور موثر طریقے کے ساتھ اپنے خیالات ظاہر کرنے کے ہنر کو عام طور پر یونیورسٹی کی تعلیم میں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ لہذا میں کچھ ریمارک طرز تحریر اور مجمع میں گفتگو کرنے کے قاعدہ کے متعلق لکھتا ہوں۔ انسان قدرتاً بولتا ہوا حیوان ہے اور اس قدرتی طاقت کو اچھی تعلیم کے ذریعے سے ترقی دینے کا دوسرا نام عمدہ طرز تقریر ہے جو محض قوت گویائی کی آرایش کا کام دیتا ہے۔ طرز تحریر و تقریر کو سنوارنے کا سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ عمدہ مقرروں اور اہل قلم سے کثرت کے ساتھ تبادلۂ خیالات کیا جائے۔ کسی شخص کے الفاظ کے خزانہ کا زیادہ تر دارومدار اور شروع مدارج میں تو خاصکر اس کی سوسایٹی پر ہوتا ہے۔ لہذا نہایت عالی خیال

اور فصیح مضمون نگاروں کے لکھے ہوئے مضامین پڑھو ضرور ہے کہ کچھ نہ کچھ ان کی بلند خیالی کا اثر تم پر بھی پڑ جائے ہاں کسی کے انداز بیان کی غلامانہ نقل کرنے کی کوشش نکرو کیونکہ ہر شخص کے انداز بیان اور طرز تحریر میں ایک خاص بات ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس کی شکل وصورت میں اور اس خصوصیت کو قایم رکھنا چاہیے۔ اسکے علاوہ خیالات کی بہ نسبت انداز بیان کی زیادہ فکر بھی نہ کرنی چاہیے۔ اسکا زیادہ لحاظ رکھو کہ جو کچھ کہو وہ وزندار اور با موقع ہو نہ یہ کہ جو کچھ ہو وہ بہت ہی شستہ اور خوبصورت طرز میں ہو مقدم خیال ہے اور پھر زبان۔ سقراط کا یہ کہنا کچھ معنی رکھتا ہے کہ اگر نوجوان یونانی کچھ کہنا چاہتے ہیں تو انہیں اس کا ظاہر کرنا بھی آجائے گا یہی سینٹ پال نے کارنتھہ کے اول عیسائیوں سے کہا اور یہی مضمون "گیتھی" شاعر جرمنی کے طلبا کو سمجھاتا ہے "تمہارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ کہیں اہم ہو ضروری ہو بامعنی ہو نہ یہ کہ الفاظ بڑے شاندار مطلب کچھ بھی نہیں اگر تمہارے خیالات عمدہ ہیں تو بلا کسی کی ہدایت کے بھی وہ خود ظاہر ہونے کا اپنے آپ رستہ ڈھونڈہ لیں گے اگر تمہاری زبان صادق طور پر تمہارے دل کی ترجمان ہے تو الفاظ کے لیے زیادہ ترددکی ضرورت نہیں" لیکن زبانوں کے خیال کے مقابلہ میں زیادہ کم وقعت سمجھنے سے تم میں اپنے خیالات کو کاغذ پر اظہار کرنے کی وہ باتیں پیدا نہیں ہوسکتیں جو ایک عمدہ انداز بیان کے لیے لازمی ہیں۔ یعنی صاف ترتیب روانی۔ اختصار لیکن بامعنی۔ اور کثرت الفاظ۔ لیکن اعلے تعلیم پائے ہوؤں کے لیے اس ملک (انگلستان) میں کم از کم اور صحیح الدماغ آدمیوں کے لیے تمام ملکوں میں میرا یہ کہنا صحیح سمجھا

جائے گا کہ بجز پڑھنا تقریر کرنے کے لیے صرف زینہ ہے یعنی لکھنے سے بولنے کے لیے راستہ صاف ہوتا ہے نہ صرف پیشہ ور مثلاً واعظ ۔ وکلا اور مدرسین ہی بلکہ آج کل ہر ایک آزاد ملک میں کبھی کبھی ہر شخص [illegible] کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار پبلک میں کرے [illegible] تک [illegible] عادت شروع ہی سے نہ ہو آیندہ زمانہ میں ایک [illegible] ساتھ علوم ہوگی گو یہ دقت کمزوری تعلیم پائی [illegible] نہ ہو لیکن دقت تو ہے ہی ۔ لہذا مقدم یہ ہے کہ شروع ہی [illegible] عادت ڈالو اور کاغذ پر لکھے ہوئے نوٹوں کی مدد سے بولنے کی عادت ترک کرو کیونکہ جیسا افلاطون کہتا ہے بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگوں کی تقریروں میں بھی اس مدد لینے کی وجہ سے اس زمانہ میں وہ قدرتی زور اور روانی نہیں ہوتی جو بالکل جاہل وحشیوں کی تقریروں میں ہوتی ہے۔ نوجوانوں کو اپنے خیالات کو عمدہ ترتیب میں لگانے کی اور بلا کاغذ کی مدد کے ان پر پورا قبضہ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے ۔ ایک کاغذ کا پرزہ جس میں چند الفاظ صرف سرخیاں نظر سے گزرانے کے لیے لکھے ہوں ابتدا میں حافظہ کو مدد دے سکتا ہے لیکن جتنا جلد ہی اس مدد سے چھٹکارا مل سکے اتنا ہی اچھا ہے ۔ مقرر کو براہ راست سامعین کے چہرہ کی طرف دیکھنا چاہیے اور اگر وہ کاغذ پر سرسری نظر ڈالنے کے لیے مجبور ہے تو اس سے یہ نہیں ہو سکتا ۔ اس کہنے کی ضرورت نہیں کہ بولنے کی عادت ڈالنے کے لیے سب سے زیادہ مفید ڈبیٹنگ سوسائٹیز یعنی مجالس مباحثہ ہیں جنہوں نے اسکاٹ لینڈ کی یونیورسٹیوں کو بڑا فائدہ دیا ہے مشق سے تیزی و ہوشیاری پیدا ہوگی اور تیزی سے

اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی عادت ہوگی اور اسطرح وہ دہشت [illegible] دلی کمزوری نکانسبہ [illegible] ہوجائے گی جو نوجوانوں کو بڑا دق کرتی ہے جبکہ وہ [illegible] ذہنی۔ جب وہ اول اول کسی مجمع میں تقریر کرنے کو بلائے جاتے ہیں۔ یہ بات کہ یہ شرم اور کمزوری بالکل ہی مفقود ہو اسکی ضرورت نہیں کیونکہ ایک نوجوان میں زیادہ دلیری اور بدلگامی زیادہ قابل الزام ہیں بہ نسبت کچھ دماغ کو پریشان کرنے والی شرم کے۔ مقرر کو اس ذمہ داری کا بھی خیال رکھنا چاہیے جو اسکے حیثیت کے لحاظ سے سامعین کے خیالات پر بذریعہ الفاظ کے اثر ڈالنے کے عاید ہوتی ہے لیکن مبادا سامعین [illegible] بات کا لحاظ اسے اپنے الفاظ کی قوت وغیرہ کی طرف سے [illegible] متردد کر دے جس سے وہ مطلب تو بھول جائے اور الفاظ کی فکر میں پڑ جائے میں مقرر کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اسٹیج پر منبر پر اپنے مضمون پر پورے بھروسے کے ساتھ اور اس خیال سے جائے کہ اپنی تقریر سے کچھ فائدہ پہنچائے گا اور الفاظ کو خدا پر چھوڑ دے۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ اپنے خیالات کو صاف طور پر اور موثر طریقے سے اظہار کرنے کے لیے اسی کو کسی عمدہ بولنے والے کی سنت گردی کی ضرورت ہی نہیں بلکہ صرف [illegible] رفتہ رفتہ [illegible] ہے اور اس کے لیے خاص فکر کی [illegible] کے ساتھ تقریر کرنا مشل فوری قواعد [illegible] جس کے استعمال کے لیے عموماً خاص تعلیم حاصل کرنے [illegible] اپنے خط

محمد نصیر الدین قریشی [illegible]

حقیقی تمدن

تمدُّن مَدَن بالفتح سے مشتق ہے جس کے معنی ٹہرنے اور ایک جگہ مقام کرنے یعنی رہنے سہنے کے ہیں لیکن یہ صفت تو حیوانات و حشرات مین بھی پائی جاتی ہے جو پہاڑوں کی کھوہوں اور غاروں اور بلوں میں رہتے ہیں اور پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے جو درختوں پر بسیرا لیتے ہیں مندرجہ بالا تعریف تمدن کی مبہم جنس ہے نہ کہ مفصل فصل۔ انسان کو مدنی الطبع اس معنی میں کہا جاتا ہے کہ اس میں قوت ممیزہ موجود ہے وہ حیوان مطلق نہیں۔ وہ اپنے نفع نقصان تکلیف و آرام کو خوب پہچانتا ہے وہ امور معاشرت کے استیعاب اور ضرورتوں اور حاجتوں کے پورا کرنے کے لیے دیگر بنی نوع کا محتاج ہے اور نہ صرف امور دنیا بلکہ امور دین میں بھی۔ اسی وجہ سے دنیا مزرعۃ الآخرہ قرار دی گئی ہے

مدینہ شہر کو کہتے ہیں جس کی جمع مُدن اور مَدن ہے متنبی جو عرب کا نامی گرامی شاعر اور تمام شعرا میں ممتاز ہے۔ خود متنبی کے معنی ہی شعر مین نبی بنجانے کے ہیں اپنے ممدوح کی مدح میں لکھتا ہے ؎

ملأت فی المدن منك نعمت
ولفت حتے ذا الثناء لفاء

یعنی تو اپنے جود و سخا میں ہقدر عام (مشہور) ہوگیا ہے کہ تمام شہر تجہ سے (تیری شہرت) سے بہرے ہوئے ہیں اور تو اپنے اوصاف کمالیہ میں ہقدر حد سے بڑہ گیا ہے کہ تیرے ثنا گر فضول گو اور بیکار رہیں۔

تمدن کے لیے اتفاق بنی نوع ضروری ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور

چھوٹے بڑے قصبوں ہی کے لیے تمدن مخصوص نہیں بلکہ پچاس جھونپڑیوں کے دیہات میں بھی اس کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسی شہروں میں صرف آبادی کی کمی بیشی کا فرق ہے

علاوہ شہروں اور قصبوں میں اور مواضع کے جہاں کہیں پچاس سو دس بیس آدمی جمع ہوتے ہیں خواہ عارضی طور پر کیوں نہوں ان میں ضرور تمدن پیدا ہو جاتا ہے اور کیسے ہی اجنبی اور غیر کفو ہوں باہم یار غار اور ایک دوسرے کے مددگار بن جاتے ہیں اور اگر سب کے سب ہم قوم وہم مذہب ہوں تو باہم شیر و شکر بنکر جانفزا حلاوت پیدا ہو جاتی ہے مجمع کے لیے کوئی کچھ کام کرتا ہے کوئی کچھ ضروری باہمی حاجت برآریوں کو سب بانٹ لیتے ہیں جن لوگوں کو سفر میں ایسا اتفاق ہوا ہے وہ خوب واقف ہیں اور انکا تجربہ شاہد ہے۔

لیکن تمدن کے لیے ضروری نہیں کہ تمام آبادی ۔ ہمقوم ۔ ہم مذہب ہو اگر کہیں ایسا ہو تو سبحان اللہ ۔ سب کے سب یک جان دو قالب ہونگے اور سوسائٹی کے فوائد و برکات سے متمتع ہوں گے دیکھہ لو یورپ ہمقوم و ہم مذہب بلکہ جملہ پولیٹیکل اور سوشیل امور میں ہم آہنگ و ہمخیال ہے اور باعتبار فاتح قوم ہونے کے جو خیال وزیر اعظم کا ہے وہی ایک کان کے کھودنے والے مزدور اور ایک کوچبان اور گھیارے کا ہے ۔ ایسے ممالک گویا قدرتی طور پر تمدن کی نعمتوں سے مستفیض ہوتے ہیں اور حقیقی تمدن انہیں کے حصے میں آیا ہے ۔

ٹرکی میں مختلف اقوام و مختلف مذاہب کے لوگ ہیں دیکھلو کیا کیا دشواریاں لاحق ہو رہی ہیں اور ٹرکی سلطنت ترکوں کے گلے

میں گویا اشتروں کی مار ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمسایہ سلطنتیں جو سب کی ہم قوم و ہم مذہب ہیں انکا باہمی تمدن ٹرکی کو یورپ میں نہیں دیکھ سکتا ہے۔ یورپ کا تمدن دانت پیس رہا ہے کہ یہ اختلاج و خداج کہاں سے آکودا جو ہماری سوسائٹی کے لیے ایک سیاہ بدبختی ہے

تمدن کا جزو اعظم سوسائٹی کا قومی اتفاق ہے یہ بعض خوش نصیب حیوانوں اور پرندوں میں ہی پایا جاتا ہے۔ بھیڑوں اور بکریوں میں کیسا اتفاق ہے جدھر ایک جائے گی سب ادھر ہی جائیں گی۔ بھیڑ چال ایک مشہور مثل ہے کہ بھیڑیوں میں اتفاق ہوگا۔ کتوں میں اتفاق نہ ہوگا۔ ایک کتا دوسرے کتے کو دیکھ نہ سکیگا ہڈی پر لڑ مرینگے۔ اگر اجنبی کتا کسی محلہ میں آئیگا تو محلہ کے کتے اس کے پیچھے پڑینگے بھونک بھونک کر سامنے کو لپکیگا کہ تو میری عملداری میں کیوں آیا ... کر گزرے گا مگر مجبوری کی حالت میں اپنی تیز کچلیاں اور نوکدار کیلیاں ہی باچھیں چیر چیر کر دکھاتا جائیگا کہ بچہ! میرے پاس بھی ہتھیار موجود ہیں اور نتھنے ہلاتا اور غوں غوں۔ نوں نوں کرتا جائیگا۔ مجبور ہو کر ایک آدہ جھپٹ ضرور کرے گا مگر دیکھو گے ہی نکلے گا کہ میں شامت سے غیر عملداری میں کیوں آیا اس کی ظاہر حرکات سے بھی ندامت نمایاں ہوگی۔

دیکھو بندروں میں کیسا اتفاق ہے اگر جنگل میں ایک بندر کو یا اسکے بچے کو چھیڑیئے گا تو سارے بندروں کی قطار کی قطار خوخو کرکے گویا لڑنے پر تیار ہو جائیں گے اور پھر جھپٹے سنبھالنے دو بھر ہو جائینگے اور بندر کھسوٹ کر کپڑے لتے پتھر یا پیر کے مزار پر چڑھانے کے قابل کر دیں گے۔

ہیں۔ دنیا میں روزانہ لاکھوں کٹتی ہیں مگر ہر جگہ اُنکے ریوڑوں سے جنگل کے جنگل بھرے دیکھہ لیجئے۔ ایک کوے پر اگر آفت آئے تو تمام کوے قائیں قائیں کرتے ہوے منڈلائینگے اور چونچوں سے حتی الوسع بدلہ لینا چاہیں گے یہ اتفاق کی برکت ہے۔ افسوس ہے کہ ہندوستان جس میں حقیقی تمدن نام کو بھی نہیں چوپایوں اور پرندوں سے سبق نہیں لیتا.

تمدنی امور سے مذہب کو کوئی تعلق نہیں مگر ہندوستان کے تمدن میں مذہب گھسا ہوا ہے تمدن اور اتفاق دونوں توام پیدا ہوئے ہیں تمدن ہر قسم کی حرفت وصنعت تجارت وزراعت لین دین بیع ۔ بیوپار باہمی ہمدردی اور اخوت ومساوات پر حاوی ہے ورنہ انسانی زندگی کے لیے دنیا جہنم ہو جائے۔ اختلاف مذاہب نے تمدن کو برباد کر دیا۔ مذہبی اور قومی نفرت نے ہندیانہ بود وباش ومعاشرت پر پانی پھیر دیا۔ ہندوستان میں ہر اہل مذہب کا تمدن جدا جدا ہے۔

ہندو مسلمانوں کے باہمی شقاق ونفاق کو تو رہنے دیجئے جس کو طرفین کے اخبارات بھڑکاتے رہتے ہیں کہ اپنی ہر قسم کی دوکانیں کھول لو۔ دیگر قوموں کے محتاج نہ ہو اور ان سے خرید فروخت بند کرو۔ مگر کیا ایک شہر میں رہکر ایسا ہونا ممکن ہے۔ ہرگز نہیں چنانچہ بعض شہروں میں ایسی تفرقہ اندازی کی تجویزیں کی گئیں مگر چل نہیں سکیں اور خواہ مخواہ عداوت بڑہ گئی ہے۔ مسلمانوں کے تمدن کی تباہ حالت تو ناگفتنی ہے۔ ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے ستارا ہی نہیں ملتا۔ یہ رافضی وہ خارجی۔ یہ بدعتی وہ وہابی۔ یہ کافر وہ لہابی۔ ایسے بدعتیوں سے میل جول۔ رشتہ ناطہ کھانا پینا ترک کرو ان سے ہندو اچھے یہودی اچھے نصرانی اچھے

گویا مسلمانوں کا باہمی تمدن ایک فرمایشی دوزخ ہے جس میں خصومت و عداوت کی آگ کے پہاڑ مشتعل ہیں اور چونکہ ایک دوسرے کے نزدیک کافر ہیں۔ لہذا سبھی کافر ہیں اور کافروں کا ٹھکانا دوزخ ہے پڑ ہو۔ وَمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۔ آیہ

اب امید کیجاتی ہے کہ خداے تعالیٰ نے جو رسالہ تمدن کو ملک و قوم کی اصلاح کے لیے مبعوث کیا ہے تو یہ سب کو نفاق کی دوزخ سے نکالکر اتفاق و اتحاد کی بہشت کا دروازہ ان کے لیے کھولدے گا اور انہیں حقیقی تمدن کے طربی کا اہل کہلائے گا۔

بہشت آنجا ست کازارے نباشد کسے را باکسے کارے نباشد

مجدد السنہ المشرقیہ سید احمد حسن شوکت۔ میرٹھ

عصمت۔ جس طرح یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ قوم کی ترقی کا انحصار تعلیم النسوان پر ہے۔ اسی طرح اس میں بھی کلام نہیں کہ رسالہ عصمت لڑکیوں کے واسطے ایک بیش بہا نعمت ہے جس میں خانہ داری تعلیم و تربیت۔ مذہب وغیرہ پر منتخب اہل قلم کے مضامین نکل رہے ہیں۔

عصمت۔ کواری لڑکیوں کو فرمانبردار بیویاں۔ اور بیویوں کو سلیقہ شعار گھروالیاں اور سگھڑ مائیں بنانیکے واسطے ایک لاجواب چیز ہے جو بیش قیمت کاغذ اعلیٰ درجہ کی لکھائی چھپائی۔ رنگین ٹائیٹل سنہری بیل۔ اور تصویر سے مزین ہو کر ہر مہینہ دہلی سے شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ (دو روپیہ)

منیجر عصمت و تمدن۔ دہلی۔

غزل

وہی نالہ وہی شیون وہی بیتابیاں میری
چمن والوں نے ملکر لوٹ لی طرز فغاں میری

اماں اب تک بھی نہیں ملتی مجھے اب خار زار و خس
کبھی اے بلبلو جا گیر میں تھا گلستاں میری

کبھی میں بھی تھا تیری سر زمیں پر آسماں رفعت
میرا رتبہ سمجھ - توقیر کر لے آسماں میری

دنوں ہی میں بھلا یا دلسے مجھکو ہمصفیروں نے
گلستاں میں سمجھتا ہی نہیں کوئی زباں میری

میرا دل شمع کی مانند سوز غم سے جلتا ہے
شب ہجراں شریک رنج ہیں ناکامیاں میری

کوئی بھی تو نہیں پوچھے جو اتنا جلنے والوں سے
کئے جاتے ہیں کیوں ٹھکرا کے تربت بے نشاں میری

تجلی گاہ برق حسن ہے داغ جگر میرا
کہاں موسیٰ جو دیکھیں آ کے طور افروزیاں میری

بیان حسرت دل میں ہے کتنا درد کا لہجہ
دہان غنچہ گل میں ہی ہے گویا زباں میری

کڑی الفت کی منزل ناتوانیں راہ ناپید
نہیں لیتا خبر غربت میں کوئی کارواں میری

چمن میں کھینچ لایا ہے - دل درد آشنا مجھکو
ہوئی ہے ہمصفیر نالۂ بلبل فغاں میری

کہیں طول سخن سے کھل نہ جائے راز الفت کا
سمجھ لیں گے زباں بزم سخن میں نکتہ داں میری

نہو گا درد دل کا مختصر قصہ قیامت تک
کہ ارشد دفتر طومار غم ہے داستاں میری

لڑکیوں کی نثر حامیان تعلیم النسوان کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی انشا لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبدالرشید صاحب اجمیری کی قلم سے نکلے بلطف زبان کے واسطے کچھ لکھنا بے سود ہے ہر خط ایسا موثر ہے کہ ایک ایک حرف کلیجہ پر گڑتا ہے قیمت ایک روپیہ (عہ) ناظرین عصمت و تمدن سے آٹھ آنہ (۸ر) منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجیے

حارث

(۴)

نئی زندگی کی پہلی رات

سلسلہ کیلئے ستمبر کا پرچہ دیکھو

سڑک پر پرنس کی جو گاڑی کھڑی تھی: چاندی کے سازسے لدے ہوئے مشکی گھوڑے اعلے درجہ کی بہار و برتو۔ تیز و طرار۔ جو توقف سے اُکتا کر بیچینی کے ساتھ ٹاپیں مارتے تھے اور قضیں چبانے لگتے تھے! اپنے آقا کو دیکھتے ہی سائیس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور جس وقت حارث قریب پہنچا نہایت ادب کے ساتھ جھک گیا! ہم سوار ہوئے: غالباً میں حارث کے بڑھے ہوئے اصرار پر پہلے اندر گھسا ... اور؟ ... جس وقت میں مخمل کے نرم نرم گدوں پر آرام کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھا یقین کیجئے کہ تول کے مسرت افزا احساس میں ایسا ڈوبا گویا مجھے مصیبت وافلاس کی حالت چھوٹے ہوئے عرصہ دراز گزر چکا تھا! میری حالت اس وقت عجیب تھی، تقریباً دو متضاد جذبات۔ بیحد بڑھی ہوئی بھوک، اور بیحد دماغ پر اثر کرنیوالی خوشی۔ آپس میں دست و گریباں تھے' میرا دماغ چکرا رہا تھا' میرے خیالات پریشان تھے۔ میں ایک بے بنیاد وہمی جذبہ میں یا عجیب وغریب خواب میں تھا۔ کوئی چیز مجھے اصلی نظر نہیں آتی تھی' اور میری حالت قریب قریب۔ ویسی ہی تھی۔ جیسے کسی روزہ دار کی گرمی کے رمضان میں دوپہر کے وقت ہو جایا کرتی ہے! گاڑی ربر ٹائر والے پہیوں پر

نہایت تیزی کے ساتھ بغیر کسی خفیف سی آواز کے برابر چلی جا رہی تھی! گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ضرور آتی تھی میں نے اپنے خوشی کے عالم میں۔ اچھی طرح دیکھا کہ حارث کی آنکھیں۔ رات کی سیاہی میں چمکنے والی آنکھیں۔ خاص غور و توجہ کے ساتھ مجھے گھور رہی تھیں!

"کیا آپ تمام دنیا کو اپنے پاؤں میں پڑا ہوا محسوس نہیں کرتے؟" حارث نے مذاق و طنز آمیز لہجہ میں کہا "آپ اس ٹھوکر کھانے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ آپ کا بوٹ پھٹنے کا نہ ہو سوئے کا ہو! بیہودہ احمق دنیا آسانی کے ساتھ قبضہ میں آجانے والی دنیا۔ آپ نے قدموں کے [illegible] اس انتظار میں [illegible] ہے کہ آپ [illegible]

[illegible] - [illegible] آپ [illegible] کے ساتھ عیب جوئی کرتے ہیں! مگر اس میں شک نہیں آپ کا تجربہ نہایت وسیع ہے۔

حارث (غیر معمولی زور دیکر) "بے شک وسیع ہے نہایت وسیع ہے کیونکہ میری سلطنت ہی نہایت وسیع ہے۔

"سلطنت!" میں نے حیرت کے ساتھ پوچھا "تو کیا آپ حکمران سلاطین میں سے ہیں؟ آپ کا خطاب محض اعزازی نہیں ہے؟"

"اعزازی خطاب: جیسا کہ آپ کے با اختیار حکمران سلاطین کا ہوتا ہے"۔ کسقدر حقارت آمیز لہجہ میں اُسنے کہا "کبھی نہیں کبھی نہیں! میں ایسی پالوچ اور ظاہری حکومت کو کچھ نہیں سمجھتا: میری سلطنت دنیا کے ہر ایسے حصے پر چھپی پڑی ہے جہاں انسان دولت کا بندہ اور روپیہ کا غلام ہو! کیا اس نقطہ خیال سے میری سلطنت نہایت وسیع نہیں؟

تقریباً غیر محدود نہیں؟"

میں "میرے خیال میں آپ سینک (Cynic) ہیں: تاہم بتعدد تو آپ بھی مانگتے ہوں گے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جنکو روپیہ مول نہیں لے سکتا! مثلاً نیکی اور عزت: راستبازی اور محبت!"

"راستبازی اور عزت اگر اس دنیا میں موجود ہوں تو شاید مول نہ لیجا سکتی ہوں!" اُسنے مسکراتے ہوئے کہا" مگر میرا تجربہ تو یہ ہی بتاتا ہے کہ میں دنیا کی چیز مول لے سکتا ہوں! ہر چیز بلا کسی استثناء کے! یہ راستبازی اور عزت جو سوسایٹی کی زبان پر چڑہی ہوئی ہے۔ ایسی ڈانوا ڈول چیز ہے جس سے زیادہ ناقابل اعتماد کوئی اور چیز نہیں! اسکے مول لینے کے لیے ہر شخص کی حیثیت کے موافق علےٰ قدر مراتب معقول رقم صرف کیجئے اور دیکھئے کہ یہی بات بات میں اچھلنے والی راستبازی اور عزت رشوت ستانی اور بدکاری بنجاتی ہے یا نہیں؟ حقیقی[1] عزت و راستبازی ہے۔ جو

[1] بے شک حقیقی اور مکمل اخلاق ہمدردی ایثار نفس کا اعلیٰ نمونہ تمام صفات کا افضل و اکمل مجموعہ۔ انسانی صورت میں دنیا کے سامنے صرف ایک دفعہ آیا ہے! جسکے پر تو صحبت سے اکثر تشنہ کام علیٰ قدر مراتب سیراب ہوئے اور ہوتے رہے! اس توحید کو تکمیل کی حد تک پہنچا دینی والی ذات کا اتا پتہ تھوڑا بہت ان الفاظ میں بتایا جاسکتا ہے کہ:۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانیوالا　　مرادیں غریبوں کی بر لانیوالا

مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا　　وہ اپنے پرائے کا غم کہانیوالا

غریبوں کا ملجے ضعیفوں کا ماوےٰ

یتیموں کا والی غلاموں کا مولےٰ

تاریخ کو سامنے رکھکر غیر طرفدارانہ نظر سے ڈہونڈہیے کہ وہ امی جو تمام علوم و تمام صفات کا مجموعہ ہو،

کون تھا کب تھا۔ اور کہاں تھا؟ (جوش)

ہر لحاظ سے مکمل تھی۔ مجھے ایک دفعہ سابقہ پڑا ہے۔ صرف ایک دفعہ اسکے بعد کچھ اور صورتیں بھی نظر آئیں مگر اسقدر اکمل و اعلےٰ! مگر یہ سب کچھ صرف ایک خاص جگہ اور خاص زمانہ میں پیش آیا تھا! جب سے آج تک میں نے تو حقیقی عزت و راستبازی کو کہیں دیکھا نہیں! یہ ایک بالکل مفقود چیز ہے قطعی عنقا!! ہاں تو آپ میرے پرنس ہونے کی اصلیت دریافت کر رہے تھے: میں واقعی پرنس ہوں: میرا خطاب محض اعزازی نہیں ہے: میں ایک ایسے پرانے خاندان سے ہوں جس سے زیادہ پرانا اور صحیح النسب ہونے کی شیخی آپ کے دنیا والوں میں سے کوئی بھی نہیں مار سکتا! فی الحال انارکی بدنظمی، فتنہ پرداز سازشیں پولیٹکل معاملات وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں مجھے مجبور کرتی ہیں کہ میں اپنی حالت بیان کرنے میں پوری احتیاط سے کام لوں! روپیہ میرے پاس ات وگت ہو اس لیے میں ہر جگہ ہی کے اثر سے اپنا راستہ نکال لیتا ہوں! امید ہے کہ آئندہ کسی روز۔ جبکہ میں آپ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ آپ میری حالت پوری طرح معلوم کر سکیں غالباً آپ کو معلوم ہو، میرے نام بہت کئی ہیں لیکن میں نے سب سے زیادہ سادہ نام اختیار کر لیا ہے: میرے بے تکلف دوست مجھے حارث کہکر پکارتے ہیں!"

میں "تو غالباً یہ ہی آپ کا عقیقہ کا نام ہے: اسلامی نام۔

حارث "میرا عقیقہ وقیقہ نہیں ہوا ہے۔ نہ میرا کوئی نام اسلامی نام ہے: مجھ میں آپ کون سی بات اسلام کی دیکھتے ہیں، میں مسلمان نہیں ہوں"

"واقعی!" حیرت کے ساتھ خودبخود میری زبان سے نکلا

"واقعی۔ اور پھر۔ واقعی!" حارث نے جواب دیا: "لفظ مسلمان سے وحشانی

تکلیف ہوتی ہے! میں مسلمان سے نفرت کرتا ہوں! میں کبھی ہرگز مسلمان نہیں ہوں؛ اور میں ہی نہیں، ایک ہی نہیں ہے: آپ بھی مسلمان نہیں ہیں۔ سچ ویہ ہے کہ کوئی بھی نہیں ہے! اکثر اشخاص مسلمان نما ضرور ہیں: مسلمان کا روپ بھر کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنیکی کوشش کرتے ہیں، لیکن درپردہ ایسی حرکات کے عامل ہوتے ہیں، ایسے ایسے پاجیانہ اور شرمناک کام کرتے ہیں، جو شاید کسی مردود و راندہ درگاہ سے بھی نہ ہوسکیں! میرا کوئی مذہب سوائے ایک مذہب کے نہیں ہے"

میں "وہ کیا مذہب ہے؟"

حارث "وہ ایک نہایت گہرا اور خوفناک مذہب ہے! مگر ساتھ کے ساتھ نہایت سچا مذہب ہے! ایسا سچا مذہب جیسے نظام عالم کے احکامات ایسا صحیح جیسے بدیہات" اُسنے مسکراتے ہوئے بات ٹالی "خیر! مذہب وغیرہ کا ذکر پھر کسی وقت سہی! ہمارا ہوٹل آگیا! فی الحال ہماری گفتگو اس چیز کی نسبت ہونی چاہیے۔ جو ہماری زندگی کا، بلکہ بہت سے انسانوں کی زندگی کا مقصد اعظم ہے۔ یعنی؟ ہمارے کھانے کا مزہ دار یا بے مزہ ہونا!"

تاج محل ہوٹل آگیا! ہماری گاڑی ٹھیری، اور چاندی کا ساز اور اعلےٰ درجہ کی گاڑی دیکھتے ہی ہوٹل کے دو تین چپڑاسی ننگے پانوں دوڑتے ہوئے آپہنچے! میں حارث کے ساتھ ساتھ اترا اور ساتھ ہی ساتھ چلا! وہ بغیر کسی کی پروا کیے یا کسی پر نظر ڈالے، نہایت غرور کے ساتھ سیدھا اندر پہنچا! چاروں طرف نظر ڈالی، ہوٹل کے منتظم یورپین کا سلام لیا اور خاص اپنے سردار سے باتوں میں مشغول ہوگیا! میں حارث کے ساتھ ساتھ اندر گیا تھا مگر اس سے کسیقدر

تیچھے کھڑا تھا! میں اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔ پوری طرح محسوس کر رہا تھا کہ ہوٹل کا ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم میرے لباس کو، میرے انداز کو، مختصراً سر سے پانوں تک مجھکو، گھورتا تھا۔ تعجب کے ساتھ، بدتمیزی کے ساتھ، حقارت کے ساتھ گھورتا تھا! ہوٹل کا منتظم۔ حارث کے حکم پانے کے لیے ہمہ تن گوش بر آواز ناقابل برداشت بے پروائی کے ساتھ میری طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا! حارث نے باتیں ختم کرتے ہی۔ میری طرف دیکھا اور میں نے اپنے قیام کے لیے پوچھا

حارث: "کچھہ فکر نہ کیجیے! میرا اسردار سب انتظام کردے گا! میں جانتا ہوں آپ اعلیٰ درجہ کے کمرے پسند کریں گے، اور آجکل ٹھہرنے والوں کا ہجوم زیادہ ہے! مگر پھر بھی مجھے یقین ہے کہ آپ کو جگہ ضرور ملجائے گی، تمام اعلیٰ درجہ کے کمرے غالباً ابھی نہیں رک گئے ہونگے!"

بمبئی کے تاج محل ہوٹل میں قیام، اور اعلیٰ درجے کے کمرے لینے کا ارادہ یہ بات کچھہ ایسی تھی جس کا اثر بجلی سے زیادہ تھا! ابھی یہ فقرے حارث کی زبان سے نکلے، ابھی اس گستاخ منیجر کے کان تک پہنچے، کہ یکایک تمام کایا پلٹ گئی! منیجر صاحب گھبرا کر پیچھے ہٹے اور بالکل میری طرف متوجہ ہوگئے ننگے پانوں پھرنیوالے چپراسی، بدتمیز، زرپرست، کمینہ لوگ۔ بولا کر ایک دوسرے پر گرتے ہوے، میرے سامنے راستہ چھوڑ کر ادب سے جھک گئے! آہ! روپے کا نام آتے ہی یہ تمام زرپرست جماعت بالکل اس طرح میری طرف متوجہ ہوگئی۔ میرے سامنے جھک گئی، گویا میں۔ روپے والا میں اس کا قبلہ تھا! میں اس فوری انقلاب کو، اس آنِ واحد میں پلٹ جانیوالی حالت کو نہایت تعجب کے ساتھ۔ حقارت اور مسرت آمیز تعجب کے ساتھ۔ برابر جانچ رہا تھا! مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ یہ ہوٹل کے کم حیثیت انفار، زر

پرستی کے لحاظ سے۔ اعلیٰ درجہ کی سوسائٹی کا سچا خاکہ تھے! ہوبہو یہی حالت ظاہری تکلفات اور تصنعات کو چھوڑ دیجئے۔ سوسائٹی کی ہے! اگر آپ نادار ہیں اور آپ کا لباس ہی برا ہے تو۔ چاہے آپ مجمع کمالات و مجسم قابلیت ہی کیوں نہ ہوں۔ سوسائٹی آپ سے پرہیز کرے گی، آپ کو پاس نہیں پھٹکنے دیگی، آپ کو دودھ کی مکھی کی طرح نکالکر پھینکدے گی۔ لیکن؟..... لیکن..... اگر آپ کے تمول کا علم سوسائٹی کو ہے اور آپ ذلیل سے ذلیل لباس پہنتے ہیں، تو۔ اس سے کچھ غرض نہیں کہ آپ اول درجہ کے بداخلاق، مکار۔ بدکار۔ آٹھوں گانٹھ کمیت ہوں یقین کیجئے! یہ زر پرست سوسائٹی آپ کے قدم قدم پر آنکھیں بچھائے گی آپ کی نظر نظر پر نثار ہوگی، آپ کی بات بات پر جان دے گی!

خیالات کی رو۔ خود بخود پیدا ہونے والی رو۔ میرے دماغ کی گذر گاہ پر تیزی کے ساتھ جاری تھی۔ میں اس زر پرستی کی زندہ مثال میں حیرت کے ساتھ ڈوبا ہوا تھا، کہ حارث نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا میں یکایک کچھ چونکا، آپے میں آیا، اور حارث کے ساتھ۔ جو میرے اوپر تجسس آمیز نظر ڈالتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ زینہ پر چڑھنے لگا۔!!

دراصل ایک یا دو کمرے نہیں، تاج محل ہوٹل کا ایک پورا کونہ حارث کے قبضہ میں تھا! ملازموں کے کمرے اور ڈائننگ روم کے علاوہ۔ ڈرسنگ رُوم۔ بڈرُوم۔ باتھ رُوم۔ اور شاندار وسیع ڈرائنگ روم! اب ہم ڈائنگ روم (کھانیکے کمرے) میں پہنچ گئے تھے میز تیار تھی: شیشے چاندی اور چینی کا اعلےٰ درجہ کا سامان چنا ہوا تھا، خوبصورت باسکٹ۔ خوشنما پھولوں اور عمدہ میووں سے بھری ہوئی۔ میز کی زینت کو دوبالا کر رہی تھیں

چند ہی منٹ میں ہم کرسیوں پر تھے: حارث کا سردار۔ عمائیل۔ دو ماتحت ملازموں کے ساتھ میز پر اپنا فرض انجام دینے میں مشغول ہو گیا! کھانا نہایت اعلیٰ درجہ کا۔ ایسا کہ لکھ پتی اشخاص بھی خاص موقعہ پر ہی کھا سکتے ہونگے، شراب نہایت نفیس اور تیز۔ ایسی کہ پیر مغاں نے بھی اپنے خواب و خیال میں مشکل سے چکھی ہو! بس: چھریاں کانٹے، اور گلاس۔ مردہ بدست زندہ کے رنگ میں پلیٹوں اور بوتلوں کے ساتھ واجبی انصاف کرنے لگے اعمائیل نہایت ہوشیاری، پھرتی، اور انہماک کے ساتھ اپنا فرض انجام دے رہا تھا: اس کی ایک ایک حرکت ادب اور چستی کے بھری ہوئی تھی۔ اُسکے پاؤں کی آہٹ تک بلی کی طرح قطعی نہیں ہوتی تھی! مگر سچ پوچھئے تو بجلی کی روشنی میں مجھے اس کا چہرہ نہایت بدنما اور سیاہ نظر آتا تھا، میں نہیں کہہ سکتا کیوں؟ مگر۔ کسی وجہ سے ہی ہو۔ میرے دل میں خواہ مخواہ اس سے ایک نفرت سی پیدا ہو گئی۔ میں اپنے اس خیال کو روکنا چاہتا تھا۔ لیکن پھر بھی خود بخود پیدا ہونیوالی نفرت۔ نفرت للّہی برابر بڑھتی جاتی تھی! ہمارے ہاتھ کھینچنے ۔ ۔ میز صاف کر لی گئی، اور عمائیل اعلےٰ درجہ کے سگار اور نہایت تیز کونگ ہمارے سامنے رکھکر ادب کے ساتھ جھکا اور چلا گیا۔!

حارث (سگار میری طرف بڑھاتے ہوئے) "ہاں! کیا آپ اب بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھیں گے؟ اب بھی جبکہ آپ دولتمند ہیں۔"

میں "ضرور! آپ جانتے ہیں میں روپیہ کے زور سے اپنا نام ہر جگہ مشہور کر سکتا ہوں۔ چاہے پبلک پسند کرے یا نکرے!"

حارث: بالکل صحیح! مگر وہ قوت الہامی جو ایک طباع شخص کے دماغ سے اعلیٰ خیالات کا۔ یا دوسرے لفظوں میں تصنیف کا دریا بہاتی ہے بھری تھیلی اور خالی دماغ سے پیدا نہیں ہوا کرتی۔

میں: تو کیا آپ مجھے خالی دماغ والا سمجھتے ہیں؛ محض ٹھوٹ دماغ

حارث: کبھی ہرگز نہیں! میرے عزیز دوست ابھی آپ نے اسقدر نہیں پی ہے کہ خواہ مخواہ گرم ہو جائیں! میں یقین دلاتا ہوں میں آپ کو ایک لایق، طباع، اور دراک شخص سمجھتا ہوں: میں سمجھتا ہوں آپکا دماغ اعلےٰ اور جدت بھرے خیالات سے پُر ہے! لیکن سوال تو یہ ہے کہ آیا اب بھی رہے گا یا نہیں؟ سچ یہ ہے کہ تمول اور دراکی ایک ہی جگہ ساتھ ساتھ نہیں رہ سکتے! جس وقت ایک طباع اور ذکی شخص کے حصہ میں تمول آتا ہے تو بس۔ آپ آمد و تیمم برخاست۔ خدا رخصت ہو جاتا ہے اور شیطان اُسکی جگہ لے لیتا ہے: کیا آپ نے یہ مقولہ نہیں سنا ہے۔؟

میں (ہنستے ہوئے) نہیں، کبھی نہیں۔

حارث: واقعی آج کل جبکہ خدا اور شیطان دونوں کے وجود سے دنیا کو انکار ہے۔ یہ مقولہ بالکل لغو معلوم ہوتا ہے! خیر۔ مطلب تو یہ ہے کہ تمول کا تعلق پستی سے ہے اور دراکی کا بلندی سے: اب ایک شخص نیچے کا رُخ لے سکتا ہے یا اوپر کا! یہ ناممکن ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں زمین پر بھی چلے اور ہوا میں بھی اُڑے۔

(باقی آیندہ)

سلطان حیدر جوش

قصرِ سنبلین

یہ تمام قصرِ سنبلین کی دنیا، انواع و اقسام کی اشیاء سے لبریز ہے، گونا گوں کیفیتیں، ہر چہار طرف طاری ہوتی ہیں، عناصرِ اربعین کا کوئی جزو اس کرہ محدود سے باہر نہیں، آفتاب کی کرنیں اس سرزمین پر روزانہ چمک چمک کر، ماند ہوں۔ زیتون کے درختوں پر، چاند اپنا سایہ ڈالے یا دل ہمارے سر پر دوڑیں۔ بجلی ہماری آنکھوں میں چمکے، مختلف النوع اشیاء متضاد و مخالف کیفیات، جذبات و حسیات کو، سہارا دیں، اور پھر سنبل آما، دنیائے حیات کو، قصرِ سنبلین تک محدود بتائیں، غلط، غلط، یقیناً غلط، فلک نیلگوں کی وسعت تاروں کا یہ سلسلہ، نظام عالم کے غیر متناہی وجود کا پتہ دے رہا ہے، باصرہ شہادت نہ دے، اور واقعات اس توقع کو، تخیل کا ایک شگوفہ خیال کریں، مگر قلب مضطرب ایک مزورت محسوس کر رہا ہے، جس سے میں خود نا آشنا ہوں، آنکھیں کسی صورت کی متلاشی ہیں مگر نہ معلوم کیسی؟ سنبل اما کی محبت کیسی ہی اضطراری ہو، مگر اب دل ایک ایسے ہمدرد اور سہیلی کا متمنی ہے۔ جس کی محبت بھری نظریں جذبات، کی، اس، آگ کو بھڑکا دیں، جو آج چھ چھ مہینے سے اندر ہی اندر سلگ رہی ہے،

نرگس اور یاسمین، جیسی سہیلیاں، ہزار داستان، اور قمری جیسے انیس، اس درد کو رفع نہیں کر سکتے، ایک تڑپ ہے، لا علاج، ایک تلاش ہے، بے نشان۔ ختم ہوا وہ وقت کہ سنبل اما کے ہاتھ تھپک تھپک کر

آنکھوں کو اپنے کام سے معطل کردیں، آج ہوش وحواس، ان ہاتھوں کی
جو پیا ہیں . . . .

ملکۂ سنبلستان، کی اکلوتی بچی۔ عنبر مو، آدہی رات کے سنسان وقت میں، اس طرح اپنے دل سے میٹھی باتیں کررہی تہی، کہ ایک سدابہار پہول، آکر پابوس ہوا۔ اور، شہزادی، چونک کر اٹھ کہڑی ہوئی، رنگ برنگ کے پہول، جو شام ہی سے، منتظر و مشتاق تہے، ان پاؤں کو جو مہندی، اور زیور سے، بالکل غیر مانوس تہے، آنکھوں پر رکھتے بارہ دری تک لائے +

عنبر کے داخل ہوتے ہی، سہیلیوں نے مجرا کیا، طائران خوش الحان چہکنے لگے، تیتریوں نے تہرکنا شروع کیا، شمع روشن ہوگئی، نرگس و یاسمین پاؤں دبانے بیٹھیں جڑاؤ مرصع کار پلنگڑی پر گنگا جمنی پردہ پڑا ہوا تہا، پہول جن کا کام، صرف عنبر مو کے دماغ کو معطر کرنا تہا، اپنا فرض ادا کررہے تہے، مسہری پر لیٹتے ہی سو گئی سہیلیاں آہستہ آہستہ الگ ہوئیں، طائر خاموش ہوئے اور آناً فاناً سناٹا ہوگیا، تین بجے کے قریب ملکۂ سنبلستان کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا، پہرے والیاں چاق چوبند ہوئیں نرگس نے جوڑا بدلا، یاسمین بناؤ سنگار میں مصروف تہی، کہ ملکہ بارہ دری میں آئی، مور ناچنے لگے بلبل نے اپنے دلکش ترانوں سے سلامی دی، عنبر مو، بستر استراحت پر خواب ناز میں تہی، لمبے اور سیاہ بال لہرا رہے تہے اور کروٹوں کے پہول حسن خداداد پر رشک کرتے، رخصت ہو رہے تہے ملکہ نے پہنچتے ہی، عنبر مو، کے رخ نازک کو، بوسہ دیا، اور قیصر سنبلستان سے

باہر نکلی، درازی عمر، اور سلامتی جان کی صدائیں، چاروں طرف سے، بلند ہو رہی تھیں، وسط چمن میں، پہونچکر، سنبلی نے کہا۔

وفادار بیبیو! تم میری محکوم نہیں ہو بلکہ بہن، ہو، میری تمام عملی میری تمام کوششیں، میری ہر احتیاط صرف تمہاری، توجہ پر منحصر رہی ہے، یہ تمہارا ہی حسن انتظام تھا، کہ آج پندرہ برس سے، اس جنگل میں زندگی بسر کر رہی ہوں، اور کبھی کا کھٹکا نہیں، یاد رکھو، ہمارے واسطے، دنیا میں، مرد کا وجود سم قاتل ہے، مشاہدہ اس مقولہ کی تائید کر رہا ہے، اس دنیا کا یقین دلا رہا ہے، حیوان ناطق ہی پر انحصار نہیں، جانوروں میں بھی تم کو کوئی مادہ ایسی نہ ملے گی، جو نر کے مظالم میں گرفتار نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ قصر سنبلین کی نباتات تک میں سے، میں نے اس اختیار کو محفوظ رکھا، میری زندگی کا مقصد اعلیٰ یہی ہے، کہ عنبر ایسی زندگی بسر کرے جس کے وہم و گمان میں بھی، مرد کا علم، نہ ہو، کل عنبر کی سالگرہ ہے ایسا نہ ہو کہ سال گذشتہ کی طرح، کوئی شہزادہ، ہو، یا بھولوں کا رس چوسنے نکل آئے۔ اس لمحہ تک عنبر ہو یا سے دنیا کو قصر سنبلین پر ختم یقین کرتی ہے، وسعت دنیا اس کے خیال میں ہی نہیں، مرد تو درکنار اس نے آج تک پرند چرند سواروں تک میں، نر کی صورت نہیں دیکھی یہ ہی ہماری سب سے بڑی کامیابی ہے، اور میں اس پر تم سب کو مبارکباد دیتی ہوں۔

موسم گرم تھا، دوپہر ڈھل رہی تھی، لو کی آمیزش سے ہوا ایک حد تک تھی، مگر آفتاب سخت تھا، قصر سنبلین جشن سالگرہ کی تیاریاں کر رہا تھا، اور عنبر

گل داودی کے ایک قطعہ میں، گھاس کے تختہ پر، نہر کے کنارے، خاموش بیٹھی تھی، گلابی مائل رخسار، صنعت حقیقی کا نمونہ تھے، چشم آہو، جس نے کبھی سرمہ یا کاجل کا نام بھی نہ سنا، کسی نامعلوم شے کی متجسس اور ترجمان تھی، ان جذبات کا جو رہ رہ کر ساز قلب کو چھیڑ رہے تھے، خیالات کی رو ہر طرف جاتی، مگر تھک تھکا کر، قصر سنبلین سے ٹکرا جاتی، ہرن، نیل گائے، بارہ سنگھے، اور لومڑیاں، لیکن سب مادہ چاروں طرف چر رہے تھے، مگر عنبر مو، اپنے خیالات میں، ایسی منہمک تھی کہ کسی چیز کا ہوش نہ تھا، ہرنیاں، پانوں میں لوٹیں، اور چلی گئیں، پھولوں نے، جھک جھک کر، قدم چومے، اور نکل گئے، لہروں نے محبت بھری نظریں ڈالیں اور بہہ گئیں، پتے، تالیاں بجا بجا کر خاموش ہو گئے، ہوا جھکولے دے دے کر، ہار گئی، لیکن شہزادی کو جنبش نہ ہوئی، بے فکری کا سن، شباب کے دن، سنبل کی جان، حسن کی کان، صورت کی حور، نشۂ جوانی میں بھرپور، چشم بد دور، نور علی نور تھی، چشم نرگسی، فلسفہ حسن کا پیچیدہ معمہ، حل کر رہی تھی، اور خلا میں گڑ گڑ کر، اس کیفیت کا پتہ دے رہی تھی، جس نے قلب مضطر کو اس جنگل میں، لا بٹھایا، قصر سنبلین کا ہر ذرہ، اپنی کوشش میں ناکام ہوا، مگر عنبر مو کے نازک رخسار ڈھلتے ہوئے، آفتاب کی تیز نگاہوں کی، برداشت نہ کر سکے، پسینہ کے قطرے، پیشانی سے ڈھلک کر، داہنے رخسار پر آ گئے، یہ گوہر آبدار، عنبر مو کے استغراق میں خلل انداز ہوئے، وہ چونک اٹھی، ایک انگڑائی لی، اور قصر سنبلین کی طرف چلی، چال مستانہ تھی، وادی سبزہ زار [illegible]

مگر قصر سنبلیں کی ہر موجودہ شے درد محبت سے ناآشنا تھی، قدرانی کا مادہ مفقود، اور جذبات کا تڑپا دینے والا احساس کوسوں دور تھا، رنگ برنگ کے پھولوں کو روندتی، سبزۂ خوابیدہ کو مسلتی، بارہ دری تک پہنچی جلوس تیار تھا، سہیلیوں نے آنکھیں بچھائیں، ملکہ نے ہاتھوں پر لیا، غسل کیا، کپڑے بدلے، اور، چوتھی کی دلہن، بنکر، باہر آئی، لعل بدخشانی کی جواہر نگار مالا، سینہ پر تھی، عقیق و نیلم کے ٹکڑے چڑے، یاقوتی دہانی جوڑہ، گلے میں تھا، اور، یہ حسن کی مجسم تصویر، جسکو دیکھ کر درخت بھی جھوم رہے تھے، ساکت کھڑی تھی۔

سورج تڑپ تڑپ کر رخصت ہوا، اور قمری کے نغمہ نے، قمر چہاردہم کی آمد کا مژدہ دیا، آناً فاناً قصر سنبلین کا، ہر ذرہ، جگمگا اٹھا، قمقمے روشن ہوئے، جگنو چمکنے لگے، اور بارہ دری کے در و دیوار نے، رات کو ۔ و ز روشن بنادیا، سطح آسمان پر، قمر چہاردہم، زمین سنبلین پر عنبر مو

پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں،
لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں،

چاند اپنی پہلی منزل کا، ابتدائی حصہ، طے کر رہا تھا، کہ جلوس، حدود شرقی کیطرف روانہ ہوا، باوجود اس تزک و احتشام کے جو، انسانی وہم میں بھی مشکل سے آسکتا ہے، عنبر مو کے چہرہ سے، خوشی کے آثار نمایاں نہ تھے، وہ خاموش تھی متردد تھی، فطرتی امنگیں، اسکو ستا رہی تھیں مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ، یہ کیا کیفیت ہے، وہ علاج ڈھونڈھ رہی تھی اس درد کا، جو اس خوشی میں، رخنہ انداز تھا، قصر سنبلین کی، پرورش نے، اس کی آنکھوں پر پردے ڈالدیئے تھے، اور یہ بیدار ہونا تھا

کیونکہ سلطنتِ انگلستان کی لالاگری، زمانے کی کھانگ بیٹی کی طرف سے منتجب ہوئی، سمجھدار پہچان گئی، اور آزادگی کو دعوائی آزادی رنگ پھیلا رہی ہے،

ایک ایسے دریا کے کنارے، جسکی موجیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں، جس کے مغربی کنارے پر سبزہ زار، بعد کی خوبصورت ملے، دھوپ رہا تھی، اور آس پاس درختوں پر چہچہاتی چڑیوں کی قطار پھیلی ہوئی تھی، جس جگہ قدرت اپنی کاریگریاں دکھلا رہی تھی، وہیں صانع حقیقی کی کوشش کر رہی تھیں، جہان کی آفتاب کا ہر ورق، اور اردگرد کی ہر بڑی بوٹی، معرفت کا دفتر، اور موتیوں کی مورتی تھی، جس میں تن ایک نوعمر جوان، عالمِ تنہائی میں اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا،

"اگر دنیائے حیات میں عورت کا وجود نہ ہوتا"

گو بقار تعلقات اسکی رائے میں، آہنی زنجیریں، اور عورت کی محبت مصائب کا پیش خیمہ تھی، اور یہی سادہ خیال جس نے ہمیں تن سے جنگلوں میں خاک چھنوائی، مگر جب وہ ان واقعات پر نظر ڈالتا، جو آج سے دس برس پہلے، پیش نظر تھے، اور اس وقت پر غور کرتا، یاد کرتا، کہ کس طرح، ایک انسانی جوڑا متفق ہو کر دنیا کی کشمکش کو، زندگی کی تکالیف کو، دھکیل رہا ہے اور مل جل کر حیات ناپائدار کو، پر لطف بنانے کی کوشش میں مصروف ہے، جب وہ سماں، یاد کرتا، ایک مرد فکر معیشت افکار تعلقات، سے گھرا ہوا دماغ لیکر، دن بھر کا تھکا ماندہ، گھر واپس آیا، اور ایک گھر کی بیٹھنے والی، پردہ نشین عورت نے محض اپنی مسکراہٹ سے، اس کا پژمردہ دل، ہرا کر دیا۔ اور شکایت و محبت، دونو پہلو

سیئے الفاظ، تپک تپک کر، افسردہ خیالات میں، فرحت کی تہ، بچھا دی تو، اس کے یقین میں تذبذب ہوتا، گھبرا جاتا، پریشان ہو جاتا، عالم خیال اس کے سامنے ایک ایسی تصویر، کھڑی کر دیتا جس میں دلربائی کی پوری شان، موجود ہوتی، اور جس کا حسن لفریب، جس کی رسیلی باتیں، جس کی دلداری، وغمخواری اس جنگل میں منگل کر دیتی، تخیل کا یہ معمول، اسکی مستقل رائے پر، بجلی کی طرح گرتا، اور وہ اپنے اس خیال سے، کوسوں دور، ہٹ جاتا، کہ عورت نہ ہوتی، تو مرد کی زندگی، دنیا سے حیات میں، زیادہ پر لطف ہوتی،

دن ڈھل چکا تھا، اور، آفتاب، غروب ہونے کی تیاری میں مصروف تھا، قدیم شعاعیں، تند و تیز موجوں کو، جھلملا رہی تھیں اور سیمیں تن، قدرت کے، اس معمولی، کرشمہ کی بہار، دیکھ رہا تھا، پیپل کا ایک گھندار درخت، سر پر چھایا ہوا تھا، ایک غیر معمولی آواز نے، جو اس درخت سے نکلی، سیمیں تن کو اپنی طرف، متوجہ کیا، اور، اس نے۔ سر اوٹھا کر دیکھا، تو ایک، گھونسلا تھا جس میں بینا کے دو بچے، بھوک سے، بیتاب ہو کر، چلا رہے تھے سیمیں تن، جو رحم کا مجسم، پتلا تھا، ان بے زبانوں کی، گریہ وزاری، نہ دیکھ سکا، سوچ رہا تھا کہ کس طرح، ان بچوں کے، کام آؤں، کہ دن بھر کے تھکے ہارے، ماباپ، آشیانہ کو واپس آئے، جس بیتابی سے یہ جوڑا بچوں پر، ٹوٹا ہے، وہ دل پر اثر کرنے والا تھا، فرائض منصبی، یا بچوں کی خدمت کے بعد، نر و مادہ ایک شاخ پر آ بیٹھے، بسیرے کا وقت، قریب تھا، اور یہ دونوں، اوڑنے والے میاں بیوی، سچی محبت، کے مزے

لوٹ رہے تھے، فکر معیشت اور افکار، تعلقات سے ان کے دماغ پاک تھے، مادہ نر سے لپٹی ہوئی، اپنی، آزادی، اور انبساط کا، اظہار کر رہی تھی، دفعتہً نر نے اپنا منہ، مادہ کے سیاہی مائل، زرد پروں میں رکھدیا، اور دونوں میاں بیوی، گھونسلے میں گھس گئے،

یہ ایسا موثر واقعہ تھا، جس نے سیمیں تن، کے خیالات، بالکل بدلدئے اور وہ بآواز بلند، یہ کہتا ہوا آگے بڑھا،

"عورت کا وجود دنیائے حیات میں مرد کے واسطے ضروری اور بڑی نعمت ہے" مختلف خیالات کی رو سیمیں تن کے دماغ میں تھی، جنگل بیابان اس کے سامنے، چلتے چلتے وہ ایسے مقام، پر پہونچا، جو چار دیواری سے، محدود، مگر روشنی سے بقعۂ نور تھا، ادھر، ادھر، نظر دوڑاکر، ایک دروازہ، دکھائی دیا، بیتابانہ اندر داخل ہوا،

قصر سنبلین، کا جلوس، قریب پہنچ چکا تھا، عنبر مو، سے چار آنکھیں ہوئیں، ایک بجلی تھی، جس نے فریقین، کے خرمن صبر کو، جلاکر خاک کردیا

(باقی آئندہ)

راشد الخیری۔

شامِ وداع

یا

باڑہ سے رخصت

(مخمس نظم کو میں اپنے مشفق مکرم جناب حکیم مولوی ابو عثمان خالد صاحب متعلم فرسٹ ایر کلاس ٹینہ
کے نام سے معنون کرتا ہوں)

ساقی ابر بہار آیا　پلٹ گئی ہے جہاں کی کایا　رخصت عہد گل ہے نزدیک　رخصت جام مل ہے نزدیک
عروس بہار جا رہی ہے　بزم طرب بکھر رہی ہے　آخری دور ہے تو ساقی　جام مل پی لے ہے ساقی
جام دل پلا چکا ہے　الفت کا مزہ چکھا چکا ہے　بندہ احساں بنا چکا ہے　دلکو مرے لبھا چکا ہے
صدقے ترے وہ جام مینا　وقت پڑا ہے کام دنیا　بھیس ساغر میں رنج و کلفت　ہائے میں لگا ہے تجھے رخصت
بس ساغر مے تجلی　داد دو بخشش کی تیر ساقی

فانوس خیال کوئی بنکے　کتنے تڑپ رہے ہیں جگنو　یاد ہے وہ کنار گنگا　یاد ہے وہ بہار گنگا
ڈوب مرا وہ شاہ خاور　اوڑھی فلک نے سیاہ چادر　نکلے تارے اس پر جھم جھم　فلک کے تارے ہیں جھما جھم
آہ فلک تیری بے وفائی　آہ فلک یہ کج ادائی　ماتم شاہ حسن و زیبا　یہ ہے اور ہی زمانہ کا جلسہ
آہ! یہ رنگ میں بھنگ دیکھو　آنا ہی حالت زمانہ دیکھو　فلک کی آئی وہ زنانہ　کیسی گوری نازنی ہے
بدر جہاں کا ساغر دیکھا　پردہ ابر میں اکثر دیکھا　دور میں تھا وہ ساغر عشرت　اوج پہ تھا وہ اختر عیش
اہل جہاں سے خوش [illegible]　چپکے چپکے ساتھ [illegible]　[illegible] دور آئی　[illegible] کی ساتھ [illegible]
[illegible]　[illegible]　ڈوب ہوئی یہ [illegible]　خوب ہوئی پر [illegible]
[illegible]　[illegible]

دیکھتے ہی دیکھتے [illegible]　[illegible]　[illegible] محفل ساری　مجلس پر تھی اداسی طاری

ترستے تھے جو لگے تکنے — اڑ رہے تھے تو ابر کے ٹکڑے — چاند کی صورت ہلال بھی ہو کر — کچھ پتا نہ تھا جام و سبو کا

قصۂ شب یاد آیا جی میں — ایسا کچھ بر آیا جی میں — لطف کے پیچ و تاب آسیا ہو — ہو گیا وہ غرق آب سیہ

ہاتھ میں لے کر پرچم خورشید — نکلا وہ خورشید درخشاں — تیرہ ہوئے سب تو چمکایا — سب کا دل اپنا یاد دلایا

پیشانی گنگا پر بل آیا — [illegible] میں کل آیا — مرغان حرم نے نغمے گائے — ناقوس برہمن نے چھیڑی [illegible]

پنڈت اور پجاری اٹھے — مہنت اور [illegible] اٹھے — مولوی اور نمازی اٹھے — عجمی اٹھے تازی اٹھے

بیٹھے شعر کو سنانے اٹھے — کچھ شعر اپنے لے آئے اٹھے

یہ تو تمہید بیان ہے ساقی — سن جو از نہان ہے ساقی — بادۂ تازہ امتحانہ ساقی[1] — بادۂ تازہ سخانہ ساقی

بادہ سے جو کہ علم کی ہے بستی — تشنہ لبوں کی پیاس بجھتی — معدن علم مدرسہ جس کی[2] — جس کا [illegible]

ساقی واں تھا ہی یہی کیا[3] — ملی وہ عبد الکریم کو کرسی[4] — عبد الرزاق[5] و مسٹر بلجی[6] — دونوں کی مجھ پہ عنایت ہے[7]

عبد الرحیم[8] و مولوی پرشاد[9] — ثالث بالخیر دارد جو بنا — ماسٹر نواب[10] میرے کرم — سکند پنڈت[11] یہی ہر کرم

منشی میر دین کر رہے ہیں — میرے جناب محترم ہیں — مصدر مکارم اور اشفاق — مخزن محاسن اخلاق

مولانا[12] کبیر سا سخندان — اریب نغز لبیب[13] ابل — کان عطا و حسن دہار — وہ [illegible]

مجمع فضل و الفت مائل — میرے [illegible] سحبان وائل — طوطی فصاحت [illegible] — زمانہ [illegible]

علم والے جہان میں [illegible] — چھوڑ وہ ایسی جگہ کیسے — لیکن ایسی ہی ہے ضرورت — بنائی اسی کی ہے [illegible]

ہے وقت وداع قریب آیا — لاؤ وہ [illegible] عجیب ساقی — کچھ اپنے دعا کروں میں ساقی — جب تک ہے جہان میں علم باقی

شاد و آباد رہیں [illegible] — [illegible] — جب تک کہ علم کی ہے حکومت — جب تک کہ خدا کی ہو رحمت

ہو علم کا واں [illegible] رونق — [illegible] — فیض سے جو نکلا ہے — جاری رہے فضل باری

زمیں بہار [illegible] بلبل [illegible] — یا رب [illegible] آباد و شاد

---

[1] ضلع پٹنہ کا ایک سب ڈویژن جہاں [illegible]

[2] [illegible] انگلش اسکول [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اطلاع ڈاکٹر ایس کے برمن کی خوبصورت تصویردار کافوری جنتری سنہ ۱۹۱۲ع کی متفرق جگہ کے دس شریف اور پڑھے لکھے آدمیوں کا نام اور پورا پتہ دیکھنے پر بلا قیمت و محصول بھیجی جاتی ہے۔

روغن پیپرمنٹ اصلی

پیٹ کا درد۔ بدہضمی اور ریاح میں بہت دوا ہے یہ امریکہ سے منگوایا جاتا ہے ولایتی پیپرمنٹ سے کہیں بہت سستا اور مفید ہے قیمت فیشیشی آدھ اونس (۱۰) محصولڈاک وغیرہ ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ (۵)

روغن پودینہ اصلی

ہر ایک بچہ دار کو یہ گھر میں رکھنا چاہئے یہ سوق پودینہ کی ہری پتیوں سے بنایا گیا ہے اس کا رنگ بھی مثل پتی کی ہے اور خوشبو بھی ویسا ہی ڈاکٹر برمن کے صلاح سے ولایت کے نامی دوا فروش کے بنایا ہے پیٹ پھولنا ڈکار نا آنا بدہضمی درد شکم سے ریاح کی علاج اور دور کرتی ہے قیمت ۸ خرچ ۵

ارے دوڑو جلدی دوڑو
جیسے بنے ڈاکٹر برمن کا عرق کافور لے آؤ

جب کسی کو ہیضہ ہوتا ہے اوس کے گھر میں ایسی ہی پکار پڑ جاتی ہے اور گھبرا کر یہی کہتے ہیں اگر پہلے ہی سوچو تو یہ تکلیف کیوں اٹھانی پڑے۔ کیوں نہیں ایک شیشی عرق کافور کی لیکر گھر میں ڈالے رکھتے ہو۔ یہ اصلی کافور انتیس ۲۹ برس سے مشہور اور تجربہ کی ہوئی ہیضہ کی انمول دوا ہے گرمی کے دست پیٹ کا درد۔ مروڑ اور متلی کیلئے اکسیر کا اثر رکھتی ہے قیمت فیشیشی ۱۰ محصول ڈاک ایک شیشی سے ۲ تک پانچ آنہ (۵)

جلاب کی گولیاں

رات کو سوتے وقت دو گولی کھا لینے سے صبح اجابت صاف ہوگی پیٹ میں درد مروڑ کچھ نہیں ہوگا حسب معمول نہانے کھانے پینے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ یہ گولیاں کل میں بنتی ہیں وزن میں سب برابر ہیں قیمت ۱۶ گولی کی ڈبیہ (۵) خرچ ایک سے چھ تک (۵)

درد سر اور ریاحی درد کی دوا

ریاحی درد لحظہ میں بیاطر ہو جاتا ہے اور یہ دوا لحظہ میں درد کو دور کر دیتا ہے درد ریاح جیسے ٹیس چمک ٹپک رگوں میں اینٹھن کسک سی چوکیں ہو اس کو دور ہوتی ہے اور نیم سر درد کو بھی دور کرتی ہے قیمت ۱۲ ٹکیوں کی شیشی ۲ محصولڈاک ایک سے چھ شیشی تک پانچ آنے (۵)

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ